

تذکرہ

رحمۃ اللہ علیہ

محمد خالد سیف

یعنی

برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کے عظیم جرنیل
حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ کی حیات مبارکہ، تعلیم و تربیت،
دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، جہاد فی سبیل اللہ، معاندین
اہل بدعت کے اعتراضات اور ان کے جوابات اور سیرت و
سوانح سے متعلق دیگر امور پر مشتمل ایک نہایت شگفتہ و
شاداب تذکرہ!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ
معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

"تذکرہ شہید" میں اس بچانہ روزگار اور
 نابالغہ عمر کے سواخ و حالات پر تفصیل سے روشنی
 ڈالی گئی ہے جن کو تاریخ کے اوراق میں مولانا
 شہید کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس
 کتاب کا دراصل موضوع یہ ہے کہ حضرت شہید
 کی عظمتِ فکر و عمل کو قارئینِ کرام کے سامنے پیش
 کیا جائے اور بتایا جائے کہ تاریخ کی نظر میں
 اس گرامی قدر شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے،
 اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے،
 اللہ کا عشق کس طرح اسکی رگ رگ میں جاری و ساری
 ہے تو حید کے انوار و تجلیات اس پر کس درجہ
 واضح ہیں، علم و ادراک کے دریچے اس کے
 سامنے کس طرح واپیں اور اس کے جذبہ عشق و
 وفا اور حمیت و غیرتِ دین نے کیوں کونجاک مٹخون
 غلطیوں کی روایتِ پارینہ کو زندہ رکھا ہے۔
 ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مصنف نے
 حضرت شہید کی شخصیت کے بارے میں
 ان تمام گوشوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ
 نہیں اٹھا رکھا، جو ایک عرصے سے استخوان
 نزاع بنے ہوئے تھے۔

تذکرہ شہید

محمد خالد سیف

www.KitaboSunnat.com

مکتبہ غزفویہ

۴- شیش محل روڈ - لاہور



جلد حقوق محفوظ بائیں

تاریخ اشاعت : مئی ۱۹۱۳ء
اہتمام : محمد سرور طارق
کتابت : احسان الحق ، محمد عاشق حسین ، زیدی
طباعت : کمرشل نیوز پرنٹنگ پریس فیصل آباد
قیمت : ۳۶ روپے

۳ فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۹	تعلیم و تربیت	۱۷	باب اول — خاندان
۶۵	غیر مستند روایات	۱۸	شیخ شمس الدین مفتیؒ
۶۶	نکاح	۱۹	شیخ کمال الدین مفتیؒ
۷۰	اولاد	۲۰	شیخ قطب الدین مفتیؒ
۶۸	حضرت سید احمدؒ کا آغازِ بیعت	۲۱	قاضی بدھشاہ
۷۳	سید صاحبؒ سے بیعت	۲۲	شیخ محمودؒ
۷۳	تدریس	۲۳	شیخ احمدؒ
۷۴	تلامذہ	۲۴	شیخ معظمؒ
۹۴	باب سوم — دعوت و تبلیغ	۲۵	شیخ وجیہ الدینؒ
۹۸	طوائف کو وعظ	۲۶	شاہ عبدالرحیمؒ
۱۰۰	ایک محنت کی توبہ	۲۷	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
۱۰۱	در بارہ اکبر میں وعظ	۲۸	شاہ محمد بن ولی اللہؒ
۱۰۳	کلکتہ میں وعظ	۲۹	شاہ عبدالعزیزؒ
۱۰۴	شیعہ حضرات کو وعظ	۳۰	شاہ رفیع الدینؒ
۱۰۶	شہزادی کو تبلیغ	۳۱	شاہ عبدالقادرؒ
۱۰۷	مجموع اور میلوں میں تبلیغ	۳۲	شاہ عبدالغنیؒ
۱۰۸	مخالفت	۳۳	نقشہ شجرہ نسب
۱۱۱	اندرِ بیباں اور	۳۴	باب دوم — امام محمد اعلیٰ شہیدؒ
۱۱۲	چند اصلاحی کارنامے	۳۵	ولادت باسعادت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۷	بیعت امامت جہاد	۱۱۲	تطہیر مسجد
۱۶۸	جنگ شیدو	"	نکاح بیوگان
۱۶۹	ہزارہ میں تنظیمی سرگرمیاں	۱۱۵	اصلاح عقائد شیعہ
۱۶۱	عبور دریا	۱۱۸	ایک دلچسپ واقعہ
۱۷۳	ایک اور پریشانی	۱۲۱	باب چہام — سفر حج
۱۷۶	معرکہ ڈمگلہ	"	پس منظر
۱۷۸	جنگ شنکیاری	۱۲۲	امام صاحب کی تردید
۱۸۰	جنگ اوتمان	"	شاہ عبدالعزیز کا فیصلہ
۱۸۳	بیعت شریعت	۱۲۷	والدۃ ماجدہ کا سفر آفرت
۱۹۰	جنگ پنجار	۱۲۸	ادائے حج
۱۹۲	تنجی پر شہنشاہ	۱۲۹	مراجعت وطن
۱۹۴	تعمیر تعلقہ ہند	"	قصیدہ
۱۹۸	جنگ زیدہ	۱۳۰	باب پنجم — جہاد
۲۰۱	امب اور عشرہ کے معرکے	۱۳۱	جہاد کے معنی
۲۰۷	امب میں قیام	۱۳۷	مسلمانوں کی حالت
۲۱۱	جنگ مردان	۱۳۹	اعترافات
۲۱۳	جنگ مایار	۱۴۰	کس کے خلاف جہاد
"	مردان کی طرف روانگی	۱۵۱	سید صاحب کا موقف
۲۱۶	سردارانِ پشاور کا پیغام	۱۵۸	حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ
۲۱۷	سازش	۱۶۱	دعوت جہاد
۲۱۸	جنگ بالا کوٹ	۱۶۲	روانگی
۲۱۹	سفر بالا کوٹ	۱۶۴	جنگ اکوڑہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴۷	حضرت میاں صاحبؒ	۲۲۰	دینی مصروفیات
۲۴۸	مولانا گنگوہیؒ	//	تجویرِ شبخون
۲۴۹	مولانا محمود الحسنؒ	۲۲۱	جذبہ تبلیغ
//	علامہ سید سلیمان ندویؒ	۲۲۲	بالاکوٹ
۲۵۰	مولانا سندھیؒ	۲۲۳	شکر گاہیں
۲۵۲	تقویت الایمان کی شرح	//	جنگ
۲۵۳	// کا ادبی پہلو	۲۲۵	شہادت کیسے ہوتی؟
۲۵۶	// کے نسخے	۲۲۶	شہادت کہاں ہوتی؟
۲۵۸	تذکرہ الاخوان	۲۲۷	مدفن
۲۵۹	صراط المستقیم	۲۲۸	باب ششم — تصنیفات
۲۶۱	عبقات	۲۳۱	رد الاشراک
۲۶۴	اصول فقہ	۲۳۲	تقویۃ الایمان
//	یک روزہ	۲۳۵	سید بغدادی کے اعتراضات
۲۶۵	رسالہ در علم منطق	۲۳۶	مولانا فضل حق کے اعتراضات
//	منصب امامت	۲۳۹	// // //
۲۶۸	ایضاح الحق	۲۴۰	مولوی جمال الدین کی مخالفت
۲۶۹	تنقید الجواب	۲۴۲	مولوی فضل رسول بدایونی
۲۷۰	توزیر العینین فی اثبات رفع الیدین	۲۴۳	مولوی احمد رضا خاں
۲۷۲	حقیقت تصوف	//	مولوی نعیم مراد آبادی
//	کلام شاہ اسماعیل شہیدؒ	۲۴۵	دوسرا رخ
۲۷۴	رسالہ بے نمازاں	۲۴۶	مفتی صدر الدینؒ
۲۷۶	باب ہفتم — اعتراضات اور کی حقیقت	۲۴۷	مفتی سعد اللہ صاحب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۱	حق گوئی	۲۷۷	پہلا اعتراض
۳۱۲	زہد و تقویٰ	۲۸۱	دوسرا اعتراض
۳۱۳	رفقاہ کا احساس	۲۸۳	تیسرا اعتراض
"	شجاعت	۲۸۶	چوتھا اعتراض
۳۱۴	اسوۃ صحابہ	۲۹۲	پانچواں اعتراض
۳۱۵	مردم شناسی	۲۹۷	چھٹا اعتراض
"	حقانی ربانی بزرگ	۳۰۱	ساتواں اعتراض
"	برجستگی	۳۰۴	آٹھواں اعتراض
۳۱۷	باب نہم گہائے رنگ رنگ	۳۰۸	باب ہشتم سیرت کی چند جھلکیاں
۳۲۲	حوائشی و تعلیقات	۳۰۹	علم و فضل
۳۸۱	مراجع و ماخذ	۳۱۰	سادگی

”اگر مولانا محمد اسماعیل شہید کے بعد ان کے مرتبہ کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا، تو آج ہندوستان کے مسلمان ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارتے۔“
(حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ)

”شاہ اسماعیلؒ اپنے کمالات کے باعث ربّ ذوالجلال کی قدرت کا ایک نمونہ تھے۔“

(اُردو دائرۃ معارفِ اسلامیہ ص ۵۲، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور)

”مولانا اسماعیل شہید نے اپنی (عربی) کتاب رد الاشرک کا تقویۃ الایمان کے نام سے کیا۔ یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی، تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔“

”اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحب کی ”تقویۃ الایمان“ پڑھی تھی، چنانچہ رد شرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا، بلکہ ایک لحاظ سے یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی۔ غرضیکہ امام محمد اسماعیل میرے استاد اور امام ہیں اور مجھے ان سے بہت محبت ہے، ایسی محبت جس طرح لوگ اپنے مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں۔“

(شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۱۰۰) مولانا عبداللہ سندھی

مقلو اسلام مولانا محمد حنیف ندوی کے قلم سے

مقدمہ

اسلامی ہندوستان میں تحریک احیائے اسلام کی نشاۃ آفرینیوں کو اگر کسی مرکز و سرچشمہ کا کرشمہ قرار دیا جاسکتا ہے، تو اس کا دوسرا نام خاندان ولی اللہی ہے۔ اس خاندان کا برفرد اسلحہ دستخیز کے افق پر آفتاب و تابتاب بن کر چمکا ہے۔ علم و بصیرت — اور ذوق و اجتماع سے سرشار یہی وہ گھرانہ ہے جس کے فیوض و برکات سے آج بھی اذیانِ قلوب تابندہ درخشاں ہیں اور آئندہ بھی جب کوئی قدم فکری و عملی نوعیت کا اسلام کی سر بلندی کے لیے اٹھے گا، تو ضرور ہے کہ وہ انہی خطوط کی روشنی میں اٹھے، جنکی نشاندہی ان بزرگوں نے اپنے علم و کردار سے کی ہے۔

عزیزم مولانا محمد خالد سیف ہمارے شکر یہ کہ مستحق ہیں کہ انہوں نے اس قافلہ عشق و وفا کی تمام سرگرمیوں کو ایک سلک میں پرو دیا ہے اور خاص سلیقے اور سلجھاؤ سے اس تمام مواد کو اپنی تصنیف "تذکرہ شہید" کے دامن میں سمیٹ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے، جو مختلف متون و کتب میں بکھرا پڑا تھا، بلکہ اس کے ساتھ اس یگانہ روزگار اور اس نابغہ عصر کے سوانح و حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ جن کو تاریخ کے اوراق میں مولانا شہید کے نام نامی سے یاد کیا جاتا ہے اور نبی راصل اس کتاب کا موضوع بھی ہے کہ حضرت شہید کی عظمتِ فکر و عمل کو قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے اور بتایا جائے کہ جس شخص کے خلاف عناد و مخالفت کے طوفان اٹھائے گئے، جس کو کفر و الحاد کا ہدف قرار دیا گیا جس کے عقائد و افکار پر بحث و مناظرہ کی مجال نہ آسکتی اور جس سے متعلق عوام میں نا اہلی و تاثر پھیلا یا گیا کہ اس نے اپنی تصنیفات میں ملحدانہ

شونہوں کا اظہار کیا ہے۔ تاریخ کی نظر میں اس گرامی قدر شخصیت کا مقام کتنا اونچا ہے، اسلام سے اس کی وابستگی کس درجہ استوار ہے۔ اللہ کا عشق کس طرح اس کی رگ رگ میں جاری ساری ہے۔ توحید کے انوار و تجلیات اس پر کس درجہ واضح ہیں۔ علم و ادراک کے درپے اس کے سامنے کس طرح واپس، اور اس کے جذبہ عشق و وفا اور حمیت و غیرت۔ دین نے کیونکر "بجاک و خون غلطین" کی روایت پاری نہ کو زندہ رکھا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ فاضل مصنف نے حضرت شہیدؒ کی شخصیت کے بارے میں ان تمام گوشوں کو اجاگر کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، جو ایک عرصے سے استخوانِ نزاع بنے ہوئے تھے۔

"فرزندانِ توحید یا فرزندِ توحید" کی ترکیب ہمیشہ ہمارے ذہن و فکر کے لیے الجھن کا باعث رہی۔ ہم نے جب بھی اس پر غور کیا، اس میں اور نظریہ توحید میں ایک طرح کا تضاد محسوس کیا، کیونکہ جو ذاتِ صمدیت صفات خود شان "لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوَلَدْ" سے انصاف پذیر ہے، وہ جہلاً صفت توحید میں فرزند کے تصور کو کب برداشت کر سکے گی؟ لیکن حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے سیاق میں جب اس ترکیب پر غور کیا، تو یہ عقده کھلا کہ اگر ہم ایک لفظ سے حضرت الامامؑ کی بھرپور شخصیت کی شگفتہ اور رواں دواں انداز میں تصویر کھینچ سکتے ہیں، تو وہ یہی لفظ فرزندِ توحید ہے۔ ترکیب کے ظاہری اور لفظی اطلاق سے قطع نظر اگر معاملہ مجاز و تشبیہ کا ہے اور ادب و محاورہ کی دنیا میں اس کی پوری پوری گنجائش پائی جاتی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مولانا شہیدؒ کے قلب و ذہن کی نگرانی میں اپنے کردار و عمل کی تابانیوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کی وابہانہ محبت و سرستی میں براہِ راست نظریہ توحید کی فیض سانی کا دخل ہے، گویا خود توحید نے ان کو پالا پوسا اور پروان چڑھایا، توحید نے ہی ان کی تربیت کی اور توحید ہی نے ان کے ذہن و فکر اور کردار و عمل کے سانچوں کو ڈھالا ہے۔

اس مجاز میں توحید کا یہ پہلو نکھر کر سامنے آیا کہ یہ عقیدہ کہ خدا تعالیٰ ایک ہے صرف ریاضیاتی سچائی نہیں، بلکہ بجائے خود ایسی روشنی، ایسا نور ایسی قوت اور قوتِ محرکہ ہے جو انسانی زندگی کو کیسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔

توحید اور "فرزندِ توحید" کی اس وضاحت کے بعد حضرت شہیدؒ کی تمام علمی و عملی زندگی کا جائزہ لیجیے۔ آپ کو ان سب میں یہی روح، یہی جذبہ اور یہی روشنی کا فرمانظر آئے گی اور آپ دیکھیں گے کہ "تقویۃ الایمان" "رد الالٹراک" "صراط المستقیم" اور بالاکوٹ کی معرکہ آرائیوں کے ڈانڈے اسی اصول سے ملے ہوتے ہیں۔ یہی جذبہ توحید تھا جس نے آپ کو مجبور کیا کہ لومہ لائٹ کی پرواہ کیے بغیر شرک و بدعات کے قلعوں پر حملہ آور ہوں۔ یہ بھی توحید ہی کی کار فرمائی تھی کہ ان کو سکھوں کے خلاف صرف آراہونا پاڑا۔ یوں بھی اسلامی نقطہ نظر سے توحید ہی اصلاح و تجدید کی وہ پہلی اینٹ ہے جس پر اصلاح و تجدید کے عرغے تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے اگر انہوں نے اس مسئلہ پر خصوصیت سے توجہ فرمائی ہے تو ان کا یہ انداز فکر عین اس انتخاب کی تعمیر کے مطابق ہے، جو شاہ ولی اللہؒ کی چشم بصیرت نے اصلاح و تجدید کے سلسلہ میں دیکھا تھا۔

قارئین کرام اور اصل کتاب کے درمیان ہم زیادہ دیر تک حائل رہنا نہیں چاہتے، بس صرف دو باتیں کہہ کر مقدمہ نگاری کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تعلق مسئلہ امکانِ نظیر سے ہے، جس کا ایک عرصہ تک علم و فن کے حلقوں میں چرچا رہا۔ مولانا خیر آبادی نے خصوصیت سے جس کو ہوادی اور پورے زور کے ساتھ اس کی تردید میں عقل و فرد کے خرف ریزوں کو بنا سنوار کر پیش کیا۔ آخر آخر ان کو اپنے اس طرز عمل پر افسوس بھی ہوا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ تیرکمان سے نکل چکا تھا اور وہ جن مخالفت کو پھیلا چکے تھے، اہل بدعت کے دائروں میں سند کی حیثیت سے مقبول ہو چکے تھے۔ دوسری چیز جس کی طرف ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں، وہ ان کی مشہور کتاب "عبقات" کی اہمیت ہے۔

جہاں تک امکانِ نظیر کے مسئلہ کا تعلق ہے، یہ صرف اتنی سی بات تھی کہ مولانا، جو توحید کی سرمنٹیوں سے سرشار تھے اور امکان کے کسی گوشہ میں بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ غیر منطقی اسلوب میں اللہ تعالیٰ کے دائرہ قدرت کی بے پناہیوں کو بیان کرنا چاہتے تھے اور وہ بھی صرف تجویز و آفرینش کی حد تک۔ ان کے نزدیک مسئلہ سراسر حد و عشق میں شمار ہونے کے لائق تھا۔ منطق یا فلسفہ کی روشنگاریوں سے نہ صرف

اسے کوئی سروکار نہ تھا، بلکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اس کو اگر منطق کی اصطلاحوں میں بیان کیا گیا، تو یہ ایمان و ذوق کی اس لطافت کو کھوٹیٹھے گا جو اظہار کے اس پیرایہ بیان سے جھلک رہی ہے۔ مولانا خیر آبادی چونکہ ذوق توحید کی فراوانیوں سے نا آشنا تھے، اس لیے خواہ مخواہ اس کو گھسیٹ کر منطق و کلام کے دائرہ میں لے آئے۔

دوسری زیادتی اس بارے میں یہ ہوتی کہ اس کے ڈانڈے اس سوال سے ملائیے گئے کہ کیا اللہ تعالیٰ محالات پر قادر ہے یا نہیں؟ حالانکہ یہاں استحالہ کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ سوال ایک امر تکوینی کے بارے میں تھا جس میں امکان پہلے سے مفقود تھا۔

تیسری غلطی جس کا جان بوجھ کر ارتکاب کیا گیا، وہ اس تاثر کو پھیلانا تھا کہ گویا مولانا شہید اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دائروں کو محالات تک وسعت پذیر مانتے ہیں، حالانکہ معمولی ذہن کا انسان بھی جانتا ہے کہ قدرت محالات سے متعرض ہی نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس کے بعد امکان کذب وغیرہ کی لغو بحثوں کو پھیلے اور طول دیا جائے۔

”عبقات“ مولانا شہید کا وہ علمی و فکری شاہکار ہے جس کے متعلق نہایت اختصار کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں سمیں علم و معرفت کے ایسے انمول موتی اور خزانہ مخفی نظر آتے ہیں کہ جن کو اگر تفصیل سے بیان کیا جائے، تو کلام، تصوف اور کائنات سے متعلق متعدد و عوامی کا حل نکل آتے اس میں خصوصیت سے تجلی کی بحث ایسی ہے کہ جس سے نہ صرف خالق و مخلوق کے مابین استوار رشتوں کی تشریح ہوتی ہے، بلکہ ایک خاص انداز میں

سیماطولوجیا (SEMATOLOGY) کی بنیادوں کا بھی پتہ چلتا ہے، جس کا موضوع بحث فلسفہ انسانیت میں یہ اہم سوال ہے کہ لفظ و معنی میں ربط و تعلق کا اسلوب کیا ہے؟ یعنی الفاظ کس حد تک معانی کے حقائق کی تجلیات کا تحمل رکھتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ اہل حدیث کے نوجوان علماء، خدا رخصتیت سے ادھر متوجہ ہوں اور مولانا شہید کی علمی و فکری عظمتوں کو منظر عام پر لائیں اور دنیا کو بتائیں کہ وہ شخص جس نے اپنے خون سے اسلام کے دبستان کو سنبھلنے کی سعادت حاصل کی۔ اس نے اپنے کمال علم سے فکر و ادراک کی بلندیوں کو بھی چھونے میں کسی دن تہی کا ثبوت نہیں دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ مؤلف

میری یہ خواہش تھی کہ ”سذکرہ شہید“ کی یہ ابتدائی سطور دریا تے کنہار کے کسی ایسے کنارے پر بیٹھی کر رقم کرتا، جہاں مجاہدین نے اپنے گھوڑوں کو پانی پلایا تھا یا سرزمین بالا کوٹ میں کھی ایسے پتھر پر بیٹھی کر سپرد قلم کرتا جس کے ساتھ کسی مجاہد نے اپنے گھوڑے کو باندھا تھا لیکن یہ گناہگار شاید ابھی تک اس وادی مقدس میں حاضری کے قابل نہیں، جسے پاکیزہ مجاہدین نے اپنے گرم گرم خون سے لالہ زار بنا دیا تھا۔

اب جب کہ یہ سطور لکھ رہا ہوں، دل و دماغ کی کچھ عجیب سی کیفیت ہے، جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں بس یوں سمجھیے کہ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے صفحات ذہن کے پردہ سکرین پر اٹھتے پلٹتے جا رہے ہیں صفحات کیا بلکہ خود عظیم بادشاہوں، بہترین مفکروں، دانشوروں، بہادروں، دین کے عالموں، دنیا کے زاہدوں اور جرنیلوں کو ان کے اہل وقت فلاح سمیت برصغیر پاک و ہند کے وسیع و عریض سٹیج پر ابھرتے اور ڈوبتے دیکھ رہا ہوں اور — دیکھا ہوں کہ اس مردم خیز خطہ سرزمین میں جنم لینے والے سید احمد شہید اور عارف باللہ، مجاہد فی سبیل اللہ حضرت امام محمد اسماعیل شہید اور ان کے جیالے غازیوں اور بہادر شہیدوں کا قافلہ ہی ایک ایسا مقدس قافلہ ہے جو ایمان، اخلاص، علم، عمل، جہاد، ایثار، شجاعت، تحمل، آرام و مصائب اور اتباع

سنت میں حضرات صحابہ کرام — رضوان اللہ علیہم اجمعین — سے صد
 درجہ مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے حضرات صحابہ کرام اپنے قدوسی نفوس، پاک ارواح
 اور آئینہ سے بڑھ کر شفاف دلوں کی بدولت یوں محسوس ہوتے تھے کہ یہ تو فرشتے تھے
 جو انسانی سپیکر میں جلوہ گر ہو گئے ہیں یا سرور دنیا و دین رحمۃ للعالمین ﷺ کے نئے نئے
 ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت و انقلاب آفرین رفاقت کی برکت سے یہ
 انسان فرشتوں کے روپ میں ڈھل گئے ہیں، اسی طرح بالا کوٹ کے سرفروش
 مجاہدوں کو دیکھ کر بھی محسوس یوں ہوتا ہے کہ شاید اس پاکباز قافلے سے کچھ لوگ کہیں
 پھٹ گئے تھے جنہیں رب کائنات نے دنیا کو ایک بار بھر — انی اعلو ماللا
 تعلمون — کا منظر دکھانے کے لیے سیدین شہیدین کی قیادت میں جمع فرمایا تھا۔
 اللہ اللہ! یہ کیا گوہر شب چراغ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تڑپ اچھائے
 دین، اعلیٰ کلمۃ اللہ، اچھائے سنت سید المرسلین اور اچھائے بدعت ہی کے لیے
 پیدا فرمایا تھا اور پھر باطل کی تردید کے لیے انہیں شمشیر برائے سے بڑھ کر تیز زبان،
 حق کی حمایت کے لیے پہاڑوں جیسا مضبوط دل، برقی تپان سے بڑھ کر تیز قوت
 فراست، سیل جبراً جیسے پیغم عمل اور عزم مصمم کی سرفرازیوں سے ساد کام کیا تھا۔ دشمن کے
 مقابلہ میں انتہائی سخت تھے تو آپس میں انتہائی رحم دل اور اقبال کے اس شعر

۷

مصافِ زندگی میں سیرتِ فولاد سپدا کر
 شہستانِ محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا!

کی مکمل تصویر۔

”تذکرہ شہید“ اسی مقدس قافلہ کے سیرت و کردار کی ایک ادنیٰ سی
 جھلک ہے جس میں بالخصوص اس قافلہ کے سرخیل و جرنیل حضرت امام محمد اسمعیل
 شہید کی حیات مبارکہ، تعلیم و تربیت، دعوت تبلیغ، تصنیف و تالیف، جہاد فی
 سبیل اللہ، معاذین اہل بدعت کے اعتراضات و افتراءات اور ان کے جوابات

اور سیرت و سوانح سے متعلق دیگر امور کو موضوع سخن بنایا گیا ہے ، اس تذکرہ کے مطالعہ سے محسی کے دل میں زندگی کی کوئی رمت پیدا ہوگئی ، محسی کی آنکھ میں بینائی کی کوئی چمک پیدا ہوگئی ، کسی کی رگوں میں وہ خون جوش مارنے لگ گیا جو راہِ خدا میں بہنے کے لیے بیقرار ہوتا ہے ، محسی کا سینہ جوشِ جہاد سے سرشار ہو گیا ، کوئی قدم اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور کوئی کارواں منزلِ عشق کی طرف رواں دواں ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری محنت کا صلہ مل گیا۔ ورنہ ع

نہ ستائش کی تمنا ، نہ وصلہ کی پرواہ

کیونکہ علمی و تحقیقی کام جدوجہد سے تعبیر ہے ، تو یہ بجائے خود ستائش و صلہ بھی ہے ، محنت ہے اعزاز بھی ، تشنگی ہے تو تسکین بھی ، بھوک ہے تو غذا بھی ! حضرت امام محمد اسمعیل شہیدؒ کی شخصیت اور آپ کے افکار و آراء اگرچہ تنازعہ فیہ میں ، تاہم بندہ عاجز نے ”تذکرہ شہید“ میں حتی المقدور علمی

SCIENTIFIC اور خالص اکیڈمک ACADEMIC انداز اپنانے کی سعی کی ہے ، اس میں کہاں تک کامیابی ہوتی ہے ، اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے ! ”تذکرہ شہید“ کے معزز قارئین میں سے کوئی صاحب اگر مصنف کو اس کی کسی فرد گذاشت یا تسامح سے مطلع فرمائیں تو اسے بصد شکر یہ قبول کر کے اگلے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز ! کیونکہ ناچیز مصنف نے اس تذکرہ کو حیاتِ مستغراق کی صرف بیسیوں منزل میں قدم رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے جبکہ اسے تصنیف و تالیف کا سلیقہ تھا اور نہ علم و تحقیق کے اعتبار سے وہ مقام حاصل تھا جس پر ہماری تاریخ کے اس باب پر خامہ فرسائی فرمانے والے حضرات مصنفین مثلاً مولانا غلام رسول مہر مرحوم یا مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فائز ہیں ، لہذا اصلاح کسی قسم کی بھی ہو اسے تسلیم کرنے سے قطعاً انکار نہ ہوگا۔

”تذکرہ شہید“ کی ترتیب و تالیف کے سلسلے میں جن جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے ، ان کی حواشی و تعلیقات میں صراحت کر دی گئی ہے نیز مراجع و ماخذ کی آفریں

مفصل فرست بھی دے دی گئی ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ تذکرہ شہید کی طباعت کا اہتمام مکتبہ غزنویہ لاہور نے کیا ہے۔

آج اگر حضرت سید ابوبکر غزنویؒ بقید حیات ہوتے تو آپ اس کتاب کی اشاعت پر یقیناً مسرت کا اظہار فرماتے۔ احباب جانتے ہیں کہ دیگر اوصافِ حسنہ کے ساتھ ساتھ آپ کے

قلبِ اطہر میں ولولہ جہاد نہایت شدت سے موجزن تھا۔ تحریکِ احیائے دین کی تنظیم کے لیے بے پناہ تڑپ رکھتے تھے اور تحریکِ مجاہدین کے سلسلہ میں مثبت اور ٹھوس لٹریچر کی طباعت و اشاعت کو نہایت ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ راقم الحروف کے ذمہ بھی آپ نے اس سلسلہ میں دو عنوان پر کام کرنا لگایا تھا، جسے انشاء اللہ ضرور کیا جائے گا۔

آخر میں براہِ مکرم حضرت مولانا عائش محمد صاحب نائب رئیس جامعہ ابوبکر کراچی کا شکریہ ادا کرنا بھی از بس ضروری سمجھتا ہوں، جن کی مخلصانہ دعاؤں اور موثر تعاون کی بدولت طباعت و اشاعت کے مرحلے بحسن و خوبی طے ہوئے۔ جزا لا اللہ احسن الجزاء۔

محمد حسن الدسیلیف
فیصل آباد

۲ ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ
یکم اکتوبر ۱۹۸۱ء

خاندان

حضرت امام محمد اسمعیل شہید رحمہ، حجۃ اللہ، عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ کے عظیم اثنان اور جلیل القدر خاندان کے ایک نامور اور ممتاز فرد تھے کہ پھر سے ایسا صاحب کمالات اور جامع صفات کسی دوسرے میں تو کیا اس خاندان میں بھی کوئی نہ ہوا ہے

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

یاد رہے اس عالی مرتبت خاندان کا سلسلہ نسب خلیفہ ثانی جناب سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ناموری و بلند اقبالی میں یہ خاندان اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ علمی تبحر اور فضل و کمال کے اعتبار سے جو شرف اس خاندان کو حاصل ہے کوئی دوسرا اس کا سہم و شریک نہیں۔ اس مبارک و مقدس خاندان کا ایک ایک فرد فلک بردار و ہدایت پر آفتاب نصف النہار بن کر جلو گایا ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ تمام اوصاف حمیدہ جن سے قدرت نے اس خاندان کے ممتاز افراد کو منصف فرمایا تھا، تہمتہ دو دمان عالی ولی اللہی حضرت

امام محمد اسحاق کو مجموعی طور پر ان تمام سے سرفراز فرمایا۔

اس سے قبل کہ ہم آپ کی سیرت و کردار، مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل، اصلاحی تحریک، آپ کے عقائد و نظریات اور سوانح حیات سے متعلق دیگر امور پر روشنی ڈالیں، آپ کے آباؤ اجداد کا کچھ تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

آپ کے خاندان کے اکابر میں سب سے پہلے جس شخصیت نے بڑھنیر پاک و ہند میں قدم رنجہ فرمایا، وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے۔ انہوں نے اس وقت کے ایک بارونق اور مشہور شہر بہتک میں سکونت اختیار فرمائی۔ پرمیز گاری اور شب زندہ داری و تہجد گزاری کے باعث آپ کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے کہ یہ بات یقینی ہے کہ ہمارے اجدادِ عظام میں سے سب سے پیشتر حضرت شمس الدین مفتی ہندوستان تشریف لائے اور بہتک میں سکونت اختیار کی نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے :-

’وایں بزرگ مر عالم و عابد بودہ است و اول کیے نشراز او قریش در آل بلدہ دُ
آمد و سبب و لے شعار اسلام ظہور نمودہ و ہنیاں کفر منطقی شد‘

شیخ شمس الدین جس زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے اس کے متعلق کوئی حتمی بات کہنا ناممکن ہے کیونکہ قدیم تذکرے اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہیں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ وہ بڑھنیر پاک و ہند میں اشاعتِ اسلام کا ابتدائی دور تھا اگرچہ لوگ حلقہ جوشِ اسلام ہو چکے تھے تاہم زمانہ جاہلیت کے کچھ اثرات ان میں ہنوز باقی تھے۔ اس لیے شیخ شمس الدین نے عقائد و نظریات کی اصلاح اور دینی تعلیمات کے فروغ کے لیے یہاں ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا آپ انتہائی عابد و زاہد تھے۔ آپ کے متعلق بہت سے عجیب و غریب واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ مشے نمونہ اذہ فرمادے، ایک حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

’جناب شیخ شمس الدین مفتی کی حیات مستعار کا وسیع پیمانہ جب بریز ہو کر پھلکنے کے قریب ہوا تو آپ نے اپنی اولاد و احفاد کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میری رُوح اس عنقریب جس سے مفارقت کرے عالم بالا

میں پرواز کرجائے تو میری نقش کی تجہیز و تکفین بالکل اسی طریقے اور طرز پر ہونا چاہئے جو سنت سے ثابت ہے۔ تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ کی نماز نہایت خشوع اور متواضعانہ ہیئت سے ادا کی جائے۔ اس کے بعد میرا جنازہ مسجد میں جو میری فہام عبادت گاہ اور مقام اشکات ہے کھاجا حاضرین کو چاہیے کہ تھوڑی دیر گے لیے وہاں سے ہٹ جائیں اور مسجد بالکل خالی کر دیں۔ بعد ازاں اگر میری نقش پائی جائے تو دفن کریں نہ رونا اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں اور کسی طرح کا تذبذب و تردد نہ کریں؛ چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے

ایسا ہی کیا اور آپ کی وصیت کی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ تعمیل کی گئی۔ مسجد کے ایک منقر کوشہ میں جنازہ رکھا گیا اور تھوڑی دیر کے لیے ساری مسجد خالی کر دی گئی پھر جو دکھا تو جنازہ کا نام و نشان تک نہ پایا۔ حاضرین اس ندرت ایجز واقعہ سے سخت متعجب ہوئے اور تعجب و حیرت کہنیا آگے لیے ہرے واپس آئے۔

شیخ کمال الدین مفتی
 شیخ شمس الدین مفتی کے انتقال کے بعد ان کے نامور فرزند شیخ کمال الدین مفتی جانشین بنے اگرچہ شیخ شمس الدین کے اور بھی صاحب علم و فضل صاحبزادے تھے مگر شیخ کمال الدین ان میں سب سے زیادہ بالکمال اور اپنے والد مرحوم کی سچی تصویر تھے۔ حوصلہ مندی، بلند خیالی، روشن دماغی، دقیق النظری اور خلداد فہم و فراست میں اپنی مثال آپ تھے۔ عبادت و ریاضت یا مطالعہ کتب میں ہر وقت مصروف رہتے۔ ہر تنگ کے قصار، احتساب اور افتار وغیرہ کئی نمائزہ عدول پر بھی آپ فائز رہے۔

شیخ قطب الدین
 شیخ کمال الدین مفتی کے بعد ان کے ہونہار صاحبزادے شیخ قطب الدین ان کے جانشین ہوئے انھوں نے آپ کے تفصیلی حالات کے بارے کتب تاریخ خاموش ہیں

آپ کے بعد آپ کے فرزند شیخ عبد الملک جانشین ہوئے۔ آپ نے اپنے دور کے بڑے بڑے اساتذہ سے کسب فیض کیا اور ابتدائی عمر میں علوم و فنون میں کمال حاصل کر لیا۔ لوگ بڑے شوق سے آپ کے وعظ و ارشاد کی مجلسوں میں حاضر ہوتے تھے۔ قدرتی طور پر خوش الحان

تھے اور سوز و گداز اس پر مستزاد۔ اس لیے سامعین ایک خاص تاثیر کے کرخصت ہوتے۔
مگر افسوس کہ عالم شباب میں ہی علم و عرفان کی ان محفلوں کو سٹونی چھوڑ کر رہی ملکِ عدم ہوئے۔

شیخ عبدالملک کی وفات پر آپ کے فرزند قاضی بدھتھا آپ کی
مسند پر منگن ہوئے۔ قاضی بدھتھا اگرچہ خاندان کے دیگر افراد کی

قاضی بدھتھا

طرح علوم و فنون میں کمال مہارت نہ رکھتے تھے۔ تاہم کثرتِ مطالعہ اور خدا و صلہ صہبتوں کے
پیش نظر آپ نے بھی قضا کی ذمہ داریوں کو غوششِ اسلوبی کے ساتھ پورا کیا۔ قاضی بدھتھا کے بعد
قاضی قاسم اڈران کے بعد قاضی قادن مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔

قاضی قادن نے بوقتِ وفات دو بچے یا دو گار چھوڑے ان میں
سے ایک شیخ محمود اور دوسرے شیخ آدم تھے۔ شیخ محمود نے

شیخ محمود

علم و فضل میں کمال حاصل کیا اور بہت جلد آپ کی شہرت رُہتک اور اس کے گرد و نواح میں
پھیل گئی۔

آپ کے دور میں کچھ ایسے خارجی اسباب پیدا ہو گئے تھے جن کے سبب نظر آپ نے
منصبِ قضا کو خیر باد کہہ دیا اور اعمالِ سلطانہ میں مشغول ہو کر سپاہیانہ زندگی اختیار کر لی اس
راہ میں اگرچہ آپ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ان تمام کامردانہ و ارمقابلہ
کیا اور قطعاً سپر انداز نہ ہوئے۔ گویا شیخ محمود وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اُس روایت کی ابتدا
کی جسے انتہاء تک پہنچا دینے کی سعادت حضرت امام محمد اسماعیل شہید کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔
شیخ محمود نے آفریدہ نامی ایک نہایت عفت مآب اور شریف خاتون سے نکاح
کیا جو کہ سولی پت کے سادات و اشراف میں سے ایک بڑے شریف اور نجیب خاندان سے
تعلق رکھتی تھیں۔ اس کے بطن سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔

شیخ احمد نے بچپن ہی میں وطن ماکونہ کو خیر باد کہا اور رُہتک سے
نکل کر حضرت شیخ عبدالغنی بن شیخ عبدالملک کی خدمت میں پہنچ

شیخ احمد

گئے۔ چونکہ آپ کی جبین سے ہونہاری و اقبال مندی اور رشد و ہدایت کے آثار نمایاں تھے اس
لیے شیخ عبدالغنی نے آپ کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لی حتیٰ کہ اپنی ایک صاحبزادی بھی ان

کے جبالہ عقید میں دے دی۔

کافی عرصہ تک شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد آپ دوبارہ مڑھنگ واپس آ گئے اور آتے ہی یہاں قلعہ سے باہر ایک نہایت عالی شان عمارت تعمیر کرائی اور اپنے خاندان کے تمام قبائل کو یہاں جمع کر دیا۔

شیخ احمدؒ نے دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ ایک شیخ منصورؒ اور دوسرے شیخ حسینؒ۔ شیخ منصور نہایت متواضع اور خلیق تھے۔ آپ شجاعت و بہادری اور محنت و وقار میں بھی بے مثل تھے۔ آپ نے اولاً اپنے ماموں شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالغنیؒ کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے معظّم اور عظیم دو بچے پیدا ہوئے تھے کہ راہی ملک عدم ہو گئیں۔ پھر آپ نے ثانیاً ایک اور عورت سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے بھی عبدالغفور اور اسمعیل نامی دو بچے پیدا ہوئے۔

شیخ منصورؒ کے چار صاحبزادوں میں سے شیخ معظّم نے بڑی ناموری حاصل کی۔ علم و فضل میں کمال کے علاوہ فنون حرب میں بھی آپ کو بڑی مہارت حاصل تھی اور بقول مصنف حیات ولی، شیخ معظّمؒ کی تاریخی زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابلِ تعریف ہے اور جس کی مثال ایشیائی دنیا میں مشکل مل سکتی ہے یہ ہے کہ آپ شجاعت و بہادری میں عظیم المثال اور لاجواب تھے۔ آپ کی شجاعت و بہادری کے بہت سے واقعات کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ ایک نہایت دلچسپ اور نشاط انگیز واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا عبدالرحیم صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ معظّم کے والد شیخ منصورؒ کی ایک راجہ کے ساتھ معرکہ آرائی ہو گئی جس میں شیخ معظّم بھی شریک تھے۔ شیخ منصور نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک حصہ کی کمان تو آپ خود کر رہے تھے اور دوسرے کی قیادت کے فرائض شیخ معظّم کے سپرد تھے شیخ کی عمر اس وقت صرف بارہ برس تھی لیکن اس صغیر سنی کے باوصف آپ نے جو شجاعت کے جوہر دکھائے وہ اپنی مثال آپ تھے۔

دوران جنگ دشمن نے چال چلی اور مشہور کر دیا کہ شیخ منصورؒ جام شہادت نوش کر گئے ہیں، چنانچہ دشمن کا تیرنشانہ مراد کو لگا اور مسلمانوں کی فوج منتشر ہونے لگی مگر شیخ معظّم

اس وحشتناک خبر کے سنتے ہی سر سے پاؤں تک تھر تھر کانپنے لگے۔ ابراہیمی غیرت و حمیت کا مصحفی خون بے اختیار جوش میں آیا اور فاروقی غیظ و غضب کا جوش خون کی طرح رگوں میں دوڑ گیا۔ آپ نے اپنی بے دھڑک شجاعت اور بے خوف دلیری سے اسی وقت لشکرِ اسلام کے ساتھ بڑی خوفناکی کے ساتھ ایسا زبردست اور میا کا نہ حملہ کیا جسے عننادید کفار کی مجموعی طاقت بھی نہ روک سکی۔ ہزاروں کا قتل ہوئے اور صد ہا زخمی و گھائل تڑپتے رہے۔

شیخ کا مصمم ارادہ تھا کہ میں جب تک کافروں کے سپہ سالار کو تہ تیغ نہ کر لوں گا اور لشکر کفار کے کشتوں کے پٹے نہ لگا دوں گا اپنی تلوار کو نیام میں نہیں کروں گا؛ چنانچہ آپ نے اپنے اہلہ کی تکمیل کے لیے انتہائی شجاعت و سرفروشی کے ساتھ راجہ کے ہاتھی کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ادھر سے راجہ کا وزیر جو کہ بڑا بہادر اور جنگجو تھا نیزہ لہراتا ہوا آگے بڑھتا کہ راجہ کی طرف سے مدافعت کر کے منڈا لگا انعام حاصل کرے۔ وزیر نے بڑی چابکدستی سے شیخ پر نیزہ کا وار کرنا چاہا مگر شیخ نے نیزہ تبدیل کر زہر میں کچھا ہوا تیرا اس پھرتی سے وزیر کے پیوست کر دیا کہ وہ اس کے لیے پیامِ اجل ثابت ہوا۔ بس پھر کیا تھا دشمن کے تمام لشکر نے مجتمع ہو کر شیخ کا محاصرہ کر لیا اور سرے دشمنوں کے زخموں میں گھرے ہوئے اس شیرِ خدا نے بھی شجاعت و جوانمردی کے ایسے جوہر دکھائے کہ دشمن بھی عیش عیش کر اٹھا حتیٰ کہ جب راجہ نے یہ منظر دیکھا تو اس نے بڑے زور سے پکار کر اپنے لشکر سے کہا کہ خبردار اس نوجوان کو کوئی آہن نہ آنے پائے۔ اس کے بعد ہاتھی سے اتر کر خود شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا پہلے تو اس نے آپ کی شجاعت و بسالت پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے اور پھر اس نے استفسار کیا کہ اتنے زیادہ غیظ و غضب کا سبب کیا ہے؟

آپ نے جواب دیا کہ میں نے سنا ہے کہ میرے والد محترم تمہاری فوج کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں تو میں نے عزم کر لیا ہے کہ یا تو میں بھی ان کے ساتھ جاؤں یا تمہارے لشکر میں سے کسی متفلس کو دنیا میں باقی نہ رہنے دوں۔ راجہ نے کہا کہ تمہارے والد کی شہادت کی خبر غلط ہے وہ دیکھو ان کا پرچم لہراتا ہوا نظر آ رہا ہے آپ نے جب دیکھا تو بڑی برقی رفتاری کے ساتھ اپنے والد سے جا لپٹے۔

آپ کے جانے کے بعد راجہ نے آپ کے والد کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ میں تمہارے

جاننا زحمتِ جگر کی شجاعت سے بہت متاثر ہوا ہوں لہذا اب میں آپ سے مزید جنگ نہیں چاہتا آپ صلح کی جو شرائط لکھ بھیجیں میں انہیں تسلیم کروں گا؛ چنانچہ آپ کے والد نے جو شرائط لکھ بھیجیں اگرچہ وہ راجہ کے لیے ناقابل قبول تھیں مگر طوعاً و کرہاً اس نے انہیں تسلیم کر لیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ جس لشکر میں شیخ معظم ایسا عظیم المرتبت بہادر سپہ سالار ہوا اسے شکست دینا ممکن نہیں۔

شیخ وجیہ الدین

شیخ معظم کے تین صاحبزادے تھے شیخ جمال الدین، شیخ فیروز اور شیخ وجیہ الدین۔ ان میں سے مؤخر الذکر جناب شیخ عبدالرحیم کے والد ماجد اور شاہ ولی اللہ کے جدِ امجد ہیں۔ آپ بڑے تقویٰ شعار اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ ابتدائی زمانہ میں سلطنتِ مغلیہ کی فوج میں بھرتی ہو گئے اور کسی بڑے معزز فوجی عہدہ پر فائز تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب اسلامی فوجیں مخالفینِ اسلام کے ساتھ برسرِ پیکار نہ تھیں تو آپ پہلی صفوں میں نظر آتے مگر دورانِ سفر جب لشکر کے گھوڑے غریب کسانوں کی کھیتوں کو روندتے اور پامال کرتے تو آپ کمال احتیاط کے پیشِ نظر لشکر سے الگ ہو جاتے اور اپنے گھوڑے کی باگ کھیتوں کی بجائے کسی اور طرف موڑ دیتے تھے۔

پورے خاندان میں کوئی شخص آپ سے زیادہ پُر مغز، عالی دماغ، حوصلہ مند، دقیق نظر، بردبار، خوش اخلاق، صاحبِ الرأی، شجاع، فصیح و بلیغ اور عقیل و فیاض نہ تھا۔ امیرانہ شان و شوکت کے باوجود آپ انتہائی زیادہ منکر المزاج تھے۔ شاہ عبدالرحیمؒ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ والدِ مرحوم خدام و ملازمین سے جس رحمانہ برتاؤ اور نرمی و انصاف سے پیش آتے تھے اس کی مثال کہیں نہیں پائی جاتی۔ آپ میں یہ بہت بڑی خوبی تھی کہ جب کبھی کسی معاملہ میں تقاضائے بشریت کے مطابق آپ سے غلطی ہو جاتی اور کوئی متنبہ نہ کر دیتا تو آپ اسے فوراً تسلیم کر لیتے۔ لیکن آپ کے حالات میں سب سے زیادہ قابلِ تعریف بات ہمیں یہ ملتی ہے کہ آپ کلامِ ربّانی کے ساتھ انتہاء سے زیادہ عشق رکھتے تھے سفر و حضر میں کلامِ الہی کو ہمیشہ پاس رکھتے بقول شاہ عبدالرحیمؒ ”دو پاکرؤنہ تلاوت کرنا معمول تھا اور پھر تلاوت بھی بڑے تدرؤن فکر کے ساتھ کرتے۔ آپ نے شاہجہان اور اورنگ زیب دونوں مغل بادشاہوں کا زمانہ پایا تھا اور ان کے دورِ حکومت میں لڑھی جانے والی بہت سی جنگوں میں حصہ لیا۔ ماوہ کے نزدیک کے ایک ہندو

راجہ نے جب سرکشی کی اور شاہجہان نے اس کی سرکوبی کے لیے سید حسین کو متعین کیا تو آپ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ راجہ نے سید حسین کو دعوتِ مبارزت دی وہ فوراً تیار ہو گئے اور دونوں طرف سے نیزوں کے تابڑ توڑ وار ہونے لگے اور اس میں جب کسی کو کامیابی نہ ہوئی تو دونوں نے تلواروں سے مقابلہ شروع کر دیا۔ سید حسین کے حریف نے کچھ ایسی چابکدستی کا مظاہرہ کیا کہ چشم زدوں میں اُس کی تلوار سید کے سر پر پہنچ گئی انہوں نے اگرچہ بڑے استقلال اور تحمل سے تلوار کو سپر پر لیا لیکن پھر بھی ضربِ کاری تھی، سپر کو کاٹی ہوئی دستہ تک جا پہنچی۔ حریف نے جب تلوار کو زور سے کھینچا تو سید گھوڑے سے نیچے گر گیا۔ دشمن نے موقع کو غنیمت سمجھا اور دوڑ کر اس کے سینہ پر چڑھ دوڑا اور خنجر نکال کر ان کا کام تمام کرنا چاہتا تھا کہ شیخ وجیہ الدینؒ بحلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھے اور دشمن کو اصل جہنم کر دیا۔

اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر اور اس کے بھائیوں کے درمیان جتنی معرکہ آرائیاں ہوئیں ان تمام میں شیخ وجیہ الدین نے عالمگیر کی طرف سے حصہ لیا۔ ایک لڑائی میں شاہ شجاع نے ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کیا۔ شاہ وجیہ الدین گھوڑے پر سوار تھے انہوں نے ہاتھیوں پر تلواروں کے پے در پے وار کیے حتیٰ کہ ایک ہاتھی کی سوند کاٹ ڈالی۔ اس نے درد و کرب کی وجہ سے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنی فوج کو ہی کچل ڈالا۔

آپ نے شیخ رفیع الدین محمد بن قطب العالم بن شیخ عبدالعزیز کی ایک دستبرد نیک اختر سے نکاح کیا تھا اور اس کے بطن سے تین بچے پیدا ہوئے۔ شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالکلیم اور شیخ عبدالرحیم۔ آپ کو شیخ عبدالرحیم سے بہت زیادہ محبت تھی۔ سفر و حضر میں اکثر انہیں اپنے ساتھ رکھتے تھے شاید اس کمالِ محبت کا نتیجہ ہے کہ شیخ عبدالرحیم کو وہ عالمگیر شہرت نصیب ہوئی، جس سے ان کے دوسرے دونوں بھائی محروم رہے۔ الفرض شیخ وجیہ الدین کے فضل و کمال روشن دماغی، صائب رائی، تدبیر و شجاعت، شوکت و سپہت کی جہاں تک سچی تعریفِ مُشیتین اور وزنی الفاظ میں کی جائے کم ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا شیخ وجیہ الدین نے شیخ عبدالکلیم، شیخ عبدالرحیم اور شیخ ابوالرضا محمد تین مندرجہ ذیل گار چھوڑے

شاہ عبدالرحیم

شیخ عبدالکریمؒ کے سوانح حیات سے کتب تاریخ بالکل خاموش ہیں۔ شیخ عبدالرحیمؒ عمر میں اگرچہ شیخ ابوالرضا محمدؒ سے چھوٹے تھے تاہم زہد و اتقا اور علم و فضل کے اعتبار سے ان سے کہیں بڑھے ہوئے تھے۔ شیخ عبدالرحیمؒ وہی بزرگ ہیں جن کے لخت ہگر شاہ ولی اللہ نے آفتاب جہاں تاب بن کر اپنے علم و فضل کی ضیا پاشیوں سے دنیا کو بقعہ نور بنا دیا۔

شاہ عبدالرحیم کی تاریخ ولادت کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۱۰۵۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ اور یہ وہ دور تھا جس میں اورنگزیب عالمگیر سریرِ آرا کے سلطنت تھا اگرچہ آپ کے والد شیخ وجیہ الدین ایک ممتاز فوجی عہدے پر فائز تھے اور گھر میں ناز و نعمت کے تمام سامان موجود تھے مگر یہ ناز برداریاں شیخ عبدالرحیمؒ کی طبیعت پر قطعاً اثر انداز نہ ہوئیں۔ آپ ہمیشہ درویش صفت ہی رہے۔

چار سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ شیخ وجیہ الدین نے اپنے فونہال کو قرآن مجید کی تعلیم خود ہی دی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ نے صرف و نحو اور ادب کی کتابیں پڑھ لیں، نو، دس سال کی عمر میں 'شرح عقائد' اور 'حاشیہ خیالی' وغیرہ کا درس اپنے برادرِ اکبر شیخ ابوالرضا محمد سے لیا۔ آپ نے مرزا محمد زبیر مرویؒ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیے اور ان سے 'شرح مواقت' اور 'مقام کلامی و اصولی' کتابوں کا درس لیا۔ ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ شرح مواقت، ایسی مشکل کتاب کے بھی کئی کئی صفحات ایک ہی نشست میں پڑھ لیتے تھے۔ غرضیکہ دس سال کی عمر میں آپ نے صرف و نحو، ادب، کلام، اصول، معقول وغیرہ تمام علوم کی تکمیل کر لی اور پھر گیا بھوپا سال فقہ و حدیث کی تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ اور ان میں بھی کمال مہارت حاصل کر لی۔ شاہ ولی اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے :-

میں اپنے والد بزرگوار کے علم کے آگے دنیا بھر کے علماء کے علوم کو بالکل ایسا دیکھتا ہوں جیسے دریا کے مقابلہ میں قطرہ؛

شاہ عبدالرحیمؒ کی تصنیفات اور کتب فقہ و حدیث پر ان کے حواشی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے اس قول میں قطعاً مبالغہ نہیں۔

علوم ظاہری میں تکمیل کے بعد اپنے علوم باطنی کی طرف توجہ دینی شروع کی اور اس غرض سے

حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ عزیزؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ پھر ان کے مشورہ سے ساداتِ بارہہ کے خاندان کے چشمِ دِجراغ اور بہت بڑے بزرگ سید عبداللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ ان کے علاوہ آپ نے خلیفہ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ اور سید عظمت اللہ جیسے سلاطینِ علم و فضل سے اکتساب کیا اور ان سے بھی بیعت کی اجازت حاصل کی اور اسی اثنا میں آپ نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا سفر اختیار کر کے بہت سے اہل اللہ اور مجذوبوں سے ملاقات کا شرف حاصل کر کے روحانی مدارج طے کیے اور اس طرح شاہ عبدالرحیمؒ کی شخصیتِ علومِ ظاہری و باطنی کا سنگم بن گئی۔ آپ کے کمالِ علم و فضل کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب اورنگ زیبؒ نے 'فتاویٰ' کی ترتیب کا کام وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے ذمہ لگایا تو آپ کو بھی مدعو کیا گیا اور مقول مشاہرہ کے علاوہ جاگیر کی بھی پیشکش کی گئی تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بعد میں والدہ کے اصرار کے پیشِ نظر اسے قبول کر لیا اور 'فتاویٰ' پر نظر ثانی کر کے اس کی بعض فقہی غلطیوں کی اصلاح کی۔ آپ کا سب سے بڑا کا نام یہ ہے کہ جس طرح آپ نے شرک و بدعت کے خلاف تصنیف و تالیف اور وعظ و ارشاد سے جہاد کیا اسی طرح اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی جسے 'مدرسہ رحیمیہ' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس چشمہٴ ہدایت سے بہت سے لوگوں نے کسبِ فیض کیا اور دُور دراز سے آ کر تشنگانِ علوم نے اپنی تشنگی کو تسکین بخشی۔

شیخ عبدالرحیمؒ نے دو نکاح کیے۔ پہلا نکاح تو غالباً اس وقت کیا جب شیخ وجہ الدینؒ بقید حیات تھے مگر افسوس کہ اس کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں اور آپ نے دوسرا نکاح شیخ محمدؒ کی صاحبزادی سے کیا تھا۔ پہلی بیوی کے بطن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدینؒ پیدا ہوا تھا جو کہ عالمِ شباب میں فوت ہو گیا اور دوسری بیوی کے بطن سے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ دو قابلِ فخر فرزند تولد ہوئے۔ بالآخر ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ میں علم و عمل کا یہ آفتاب ستر سال تک دنیا پاشیوں کے بعد پوری دنیا کو سو گوار چھوڑتے ہوئے عمد فرخ نسیم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دہلی کے افق پر غروب ہو گیا۔ نور اللہ مرقدہ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ عبدالرحیمؒ نے ولی اللہ اور اہل اللہؒ دو صاحبزادے
یادگار چھوڑے اول الذکر وہی شخصیت ہے جو دنیا میں

عارف باللہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اسم گرامی سے مشہور و معروف ہے اور
جس کے علمی تبحر اور فضل و کمال کے پیش نظر اس خاندان کا شجرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔
شاہ صاحبؒ ۴ شوال ۱۱۱۷ھ چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے

ولادت

وقت شیخ محمد رح کی دختر فرخندہ اختر کے بطن اطہر سے متولد ہوئے۔
کہتے ہیں کہ آپ کے والد گرامی کو خواب میں بشارتیں دی گئی تھیں کہ تمہارے ہاں ایک ایسا فرزند
جنم لے گا جو اپنے علم و فضل کی بدولت دنیا کے لیے سرشیرِ ہدایت ثابت ہوگا۔

تعلیم و تربیت

شاہ عبدالرحیمؒ نے اپنے نونہال کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت
نہ کیا یہی وجہ ہے کہ عمدہ طفولیت میں بھی آپ کی حالت بالکل غیر معمولی
اور زالی طرز کی تھی۔ تعلیم کے مراحل آپ نے بڑی سرعت کے ساتھ طے کر لیے تھے پانچویں سال میں
مکتب میں بٹھایا گیا۔ ساتویں سال تک آپ نے قرآن مجید ختم کر لیا اور اس کے بعد فارسی کی
درسی کتابوں کو پڑھنا شروع کیا اور ایک سال سے قبل ہی اس نصاب کی تکمیل کر لی پھر آپ نے
صرف و نحو کی کتابیں شروع کیں اور اس فن میں بھی بہت جلد عبور حاصل کر لیا۔ بعد ازاں آپ کو
معقول کی کتابیں شروع کرائی گئیں اور ان میں بھی آپ نے مہارت تامہ حاصل کر لی خصوصاً منطقی
میں تو آپ کا جواب ہی نہ تھا اسی دور میں والد گرامی نے آپ کی شادی خانہ آبادی بھی کر دی۔

اب ہر وقت یہ خیال دامن گیر رہتا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو تفسیر و حدیث کے علوم میں ترقی
کرنا اور انہیں باقاعدہ حاصل کرنا چاہیے کیونکہ حدیث میں کمال کے بغیر علوم کی تکمیل ناممکن ہے۔ چنانچہ
پندرہویں سال میں دیگر کتابوں کے ساتھ آپ نے 'تفسیر سبھاوی' کا بڑا حصہ اپنے والد بزرگوار سے
پڑھ لیا۔ 'تفسیر مدارک' کا کچھ حصہ بھی اپنے والد کو سنایا اور باقی کا خود مطالعہ کر لیا۔ اسی طرح کتب حدیث
میں سے مشکوٰۃ المصابیح، (استنارہ) کتاب المبیوع و کتاب الادب یہ تصنیفات کی وجہ سے نہ پڑھ سکے،
'مصیح بخاری' (کتاب الطہارۃ) تک۔ باقی کا خود مطالعہ کیا، اور شمالی ترمذی، کو پڑھا۔ اپنے
والد گرامی کے علاوہ آپ نے شیخ محمد افضل سیالکوٹیؒ، شیخ ذوالقادر بن شیخ محمد سلیمان مغربیؒ،

شیخ ابوظہر الکردی بن شیخ ابراہیم الکردی الدنی جیسے علماء و فضلاء سے بھی موطا امام مالک صحیح بخاری، موطا امام محمد، کتاب الآثار اور مسند دارمی وغیرہ کتب حدیث پڑھیں۔ یاد رہے کہ عربی مشائخ سے آپ نے عربین شریفین کے قیام کے زمانہ میں استفادہ کیا تھا۔

چودہ سال کی عمر میں جب آپ نے تمام مرتبہ علوم کی تکمیل کر لی۔ شاہ عبدالرحیم رح نے آپ کو سند فراغت سے نوازنے

سند فراغت

کے موقع پر ایک خاص جلسہ منعقد کیا جس میں شہر کے تمام بڑے بڑے علماء، مشائخ، قضاة اور فقہاء کو مدعو کیا اور سب کی موجودگی میں اپنے بلند اقبال صاحبزادے کی دستار بندی کی اور آپ کے علم و عمر کی ترقی کے لیے دعا مانگی۔ مجلس میں موجود تمام علماء و فضلاء نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ شیخ کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔

پندرہویں سال میں قدم رکھا تو آپ کے والد ماجد نے علم باطن کے شرف سے بھی آپ کو معزز و ممتاز کرنا چاہا؛ چنانچہ آپ نے ان سے بیعت کی اور اشغال صوفیہ خصوصاً طریقہ نقشبندیہ میں اپنا زیادہ وقت صرف کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ والد صاحب کی زندگی ہی میں سلوک و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کر لیے اور اس علم کو بھی عروج کمال تک پہنچا دیا؛ چنانچہ انہوں نے آپ کو بیعت و ارشاد کی بھی اجازت دے دی۔ اور باطنی علوم کے متعلق مزید جو کچھ تلقین کرنا چاہا وہ بھی کر دیا۔

تصوف

معاہدہ فنی اور ادق مسائل کے حل کرنے کے سلسلہ خصوصاً سے بھی اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو نواز رکھا تھا۔ ایک دفعہ کا

خدا واد قابلیت

ذکر ہے کہ کسی جگہ سے شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں ایک استفاء آیا جس کا جواب دینے سے ہندوستان اور کئی دیگر ممالک کے بڑے بڑے علماء قاصر تھے کیونکہ بہت زیادہ الجھاؤ اور پیچیدگی کے سبب کوئی اس کا مفہوم ہی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ شاہ عبدالرحیم کے ایک شاگرد نہایت ذہین و فطین اور حدیث و فقہ کے ماہر تھے شاہ صاحب نے فتویٰ ان کے سپرد کیا اور فرمایا کہ خوب سوچ سمجھ کر اس کا جواب لکھ دو۔ اس نے مسلسل ایک مہینہ تک اس فتویٰ کا نہایت غور و فکر سے مطالعہ کیا لیکن وہ بھی اسے سمجھنے سے قاصر ہی رہا اور جواب لکھنے سے معذرت کر دی۔

شاہ ولی اللہ کی عمر اس وقت کوئی سولہ برس ہوگی شاہ عبدالرحیمؒ نے فتویٰ ان کے سپرد کیا اور فرمایا: یہ ہے کہ تم اس کا جواب لکھ سکو گے۔ شاہ صاحبؒ نے فتویٰ لے لیا اور گھر آکر اس کا جواب لکھ لیا۔

جواب اس قدر صواب

اور شافی تھا کہ شاہ عبدالرحیمؒ اور تمام طلبہ نے تحسین و آفرین کے پھول پھنکھار دیئے اور امید ظاہر کی کہ اگر شاہ ولی اللہؒ چند روز اور علمی مشق اور تعلیمی مشاغل جاری رکھیں تو تمام ائمہ وقت اور فقہائے عصر پر فوقیت لے جائیں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

تدریس شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد مدرسہ رحیمیہ میں درس دینا شروع کیا اور پورے بارہ سال تک استغراق و محویت کے ساتھ مشغول رہے۔ آپ کی خدا داد قابلیت اور علم و فضل میں کمال کے پیش نظر شنگانِ علوم و دُور دراز کی مسافت کو طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور اسے اپنے لیے سرمایہ عز و افتخار سمجھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ بھی تمام طلبہ کے ساتھ حسن اخلاق اور فیاضی سے پیش آتے اور تمام کے ساتھ رحیمانہ و شفیعانہ برتاؤ کرتے تھے۔

حج بیت اللہ ۱۱۳۳ھ کے آفریں آپ بیت اللہ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور مکمل ایک سال حرمین شریفین میں بسر کیا۔ اسی اثناء میں آپ نے نامور مشائخ عرب سے روایت حدیث کی۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء سے ملے اور ہر طبقہ کے مشائخ سے استفادہ کیا۔ ان میں سے شیخ محمد و فدا اللہ بن شیخ محمد سلیمان المغربیؒ، شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردیؒ مدنی، شیخ تاج الدین قلعی حنفی، شیخ شنودیؒ، شیخ احمد قناتشیؒ، سید عبدالرحمن ادیبیؒ، شیخ شمس الدین محمد بن علاء بابلؒ، شیخ عیسیٰ جعفری مغربیؒ، شیخ ابراہیم کردی مدنیؒ، شیخ حسن عجمیؒ، شیخ احمد تھانیؒ اور شیخ عبداللہ بن سالم البصریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۱۳۵ھ میں آپ کو دوبارہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۱۴۰۰ھ جب ۱۱۳۵ھ کو مراجعت فرمائے وطن ہوئے اور پھر دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کی سند تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے اسی طرح عمر کی باقی اکتیس بہاریں بھی نشرو اشاعتِ دین، مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی خدمات کی نذر کر دیں۔

مذہب

آپ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی طرح آپ کا معمول بھی یہ تھا کہ اس مسئلہ پر عمل کرتے جو تمام اہل مذاہب کے نزدیک متفقہ طور پر صحیح ہوتا اور اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو پھر اس مذہب پر عمل پیرا ہوتے جو دلیل کی رو سے زیادہ قوی اور صریح حدیث کے موافق ہوتا۔ خواجہ محمد امین نے آپ سے سوال کیا تھا مسائل فقہیہ میں آپ کس مذہب کے مطابق عمل کرتے ہیں تو شاہ صاحب نے درج ذیل جواب تحریر کیا تھا :-

سوال سوم آنکہ عمل تو در مسائل فقہیہ یکدم مذہب است گنہم بقدر امکان جمع میکنم در مذاہب مشہورہ مثلاً صوم و صلوة و وضو و غسل و حج بوضع واقع میشود کہ ہماہل مذاہب از روئے دلیل و موافقت صریح حدیث عمل مے نامم و خدائے تعالیٰ اس قدر علم دادہ است کہ فرق در میان ضعیف و قوی کردہ شود و در فتویٰ بحال مستفتی کاری کنم مقلد ہر مذہبے کہ باشد اور از جہاں مذاہب جواب میگوم خدا تعالیٰ بہر مذہبے از مذاہب مشہورہ معرفت دادہ است الحمد للہ تعالیٰ“

کے حال کی اچھی طرح رعایت کر سکتا ہوں اور ہر عقلمند مذہب کو اسی کے مذہب سے جواب دیتا ہوں مجھے خدا تعالیٰ نے مذاہب مشہورہ میں سے ہر مذہب کی معرفت عنایت فرمائی ہے الحمد للہ تعالیٰ اسی طرح تقلید اور عمل بالحدیث کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے اپنے جن انکار و نظریات کا اظہار حججہ اللہ البالغہ کے تحت سابع، ”عقدا الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید“، انصاف فی بیان سبب الاختلاف، اور اپنی دیگر تصانیف میں کیا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

ترجمہ قرآن

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات میں سب سے زیادہ وزنی شاید یہ ہے کہ آپ نے دورِ جدید میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہ ترجمہ وقت کے تقاضا کے مطابق فارسی زبان میں تھا۔ اگرچہ پولنا دولت آبادی نے بھی شہزادہ سوری کے عہد میں قرآن مجید کا زبانِ فارسی ترجمہ کیا تھا بلاس سے قبل بھی کئی ہندی اور فارسی ترجموں کا سراغ ملتا ہے مثلاً ۱۷۳۸ء میں ایک ہندو راجہ مرہوک نے جو کہ کشمیر اور پنجاب پر حکمران تھا منصورہ (سندھ) کے مسلمان حاکم عبداللہ بن عمر سے درخواست کی تھی کہ وہ قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے لہذا اس کے لیے قرآن مجید کا ہندی میں ترجمہ کر دیا جائے۔ عبداللہ بن عمر نے یہ ذمہ داری ایک عراقی فوجوان کو سپرد کی لیکن افسوس کہ وہ سورہ یسین سے آگے نہ بڑھ سکا البتہ ہندو راجہ اتنے حصہ کے مطالعہ سے ہی مشرف بہ اسلام ہو گیا بقول مولانا سید محمد علی مونگیری مصنف ”ارشادِ رحمانی“ سوٹھویں صدی میں بھی قرآن مجید کا ایک ہندی ترجمہ ہوا۔ اسی طرح چوتھی پانچویں صدی میں بھی ایک فارسی ترجمہ کا سراغ ملتے ہیں یہ تمام ترجمے ناپید تھے۔ لہذا اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ قرآن مجید کا ملکی زبان میں ترجمہ کیا جائے تاکہ محض بلا سوچے سمجھے عربی متن تلاوت کرنے والے عربی سے ناواقف عوام قرآن حکیم کے مفہوم کو بھی سمجھ سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ کو جن مشکلات اور خطرات سے دوچار ہونا پڑا امر زاحرت کی زبانی اس کی تفصیل دیتے۔

”قرآن عموماً رمضان میں یا یوں ہی معمولی طور پر مسلمان پڑھتے تھے لیکن بے چارے معنی نہ جاننے کی وجہ سے خدا کے احکام سے محض نااہل تھے۔ کٹ ملائوں نے یہ سمجھا دیا تھا کہ قرآن شریف کے معنی پڑھنے گناہ مول لینا ہے جب ولی اللہ صاحب نے فارسی میں قرآن شریف کا ترجمہ کیا اور اس کی اشاعت ہوئی تو ایک تہلکہ عظیم کٹ ملائوں کے گردہ میں پایا گیا اور علاوہ کفر کے فتوے دینے کے شاہ ولی اللہ صاحب کے جانی دشمن ہو گئے اور اب ان میں مشورے ہونے لگے کہ شاہ صاحب کو کیوں کر قتل کیا جائے؛ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ عصر کی نمازِ فقہوری میں پڑھ رہے تھے اور آپ کو یا محمدیوں کی

جماعت کے امام تھے ابھی آپ نے سلام پھیرا ہی تھا کہ دروازوں پر غل و شور کی آوازیں کانوں میں آنے لگیں اور لوگ کچھ غیر معمولی طور پر غرہ شہر کرتے ہوئے معلوم ہوئے۔ جب شاہ صاحب کو بتحقیق معلوم ہو گیا کہ یہ میرے قتل کے لیے نرغہ کر کے آئے ہیں تو انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا تم جان بچا کر چلے جاؤ اور مجھے ان مفسدوں کے ہاتھوں شہید ہونے دو۔

لیکن شاہ صاحب کے رفقاء اور عقیدت مندوں نے آپ کو بالکل علیحدہ نہ چھوڑا اور وہ سب تلواریں لے کر مقابلہ کرنے پر تیار ہو گئے ان کے جوش و فروش کو دیکھ کر کٹ ملائوں اور ان کے ساتھی بد معاشوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ شاہ صاحب نے بھی فاروقی حبلال کا مظاہرہ کیا اور جوش ایمانی کے ساتھ آواز بلند فرماتا بکبر لگاتے ہوئے مسجد سے نکلے اور کسی مفسد کو آپ کی طرف نظر بد اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوئی۔

اس ترجمہ میں آپ نے کن امور کو ملحوظ خاطر رکھا اور ترجمہ سے مقصود کیا تھا۔ یہ آپ نے مقدمہ قرآن میں خود ہی بیان فرمایا ہے ذیل میں ہم اس کی اردو میں تلخیص پیش کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کتاب فن ترجمہ قرآن کے متعلق ہے۔ ہم نے عربی کے منظم اور مدلل مضمون کو بزبان فارسی ادا کیا ہے اس طریقہ سے کہ نحوی رعایت بھی ہو اور لحاظ تقدیم بھی (جہاں تک مناسب ہو) حذف کیے گئے مضمون کا اظہار بھی ہو اور ترتیب الفاظ میں ترجمہ کی زبان عبارت قرآن سے موافقت بھی رکھتی ہو البتہ وہ مقامات مستثنیٰ ہیں جہاں دونوں زبانوں کے اختلاف مزاج کے باعث لفظی رکاکت یا تعقید کا پیدا ہونا لازم آتا ہو۔ ضروری حد تک اسباب نزول کو بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح مشکل مقامات کی وضاحت بھی صرف ضروری حد تک کی گئی ہے۔

ترجمہ قرآن کی تیاری متن قرآن اور مختصر فارسی رسائل کے مطالعہ کے بعد کی گئی ہے تاکہ فارسی زبان کی عبارت دستکاروں اور سپاہیوں کے بچوں تک کی سمجھ میں آجائے کیونکہ ان کے متعلق امید نہیں کہ وہ علوم عربیہ کی تکمیل کریں گے۔ اور سن شور سنہا لنے کے بعد ان لوگوں کو اس کتاب کی تعلیم دینی چاہیے تاکہ پہلی چیز جو ان کے سینوں میں راسخ ہو وہ کتاب اللہ کے

مصناین ہوں تاکہ ان کی سلامت فطری صنائع نہ ہو اور دہریوں اور محدودوں کی باتیں ان کو ذمہ داری سے نہ کر سکیں جو کہ اکثر تصوف کا ببادہ اوڑھ کر دنیا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

اس کتاب میں ان امور کے متعلق جن کا تعلق ”نقل“ سے ہے صرف صحیح ترین تفاسیر محدثین بخاری و ترمذی سے مدد لی گئی ہے اور حتی الامکان ضعیف روایات یا موضوعات قصول سے اجتناب کیا گیا ہے اور ان ”اسرائیلیات“ سے بھی پرہیز کیا گیا ہے جو صرف اہل کتاب سے منقول ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں کوئی روایت نہیں۔
دیگر تصانیف :-

”فتح الرحمان“ یعنی ترجمہ قرآن کے علاوہ شاہ صاحب نے اور بھی بہت سے علوم فنون پر عربی و فارسی میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ یہ کتابیں کیا ہیں علم و ادب کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بحرناپیدا کنار ہیں۔ ان پر تفصیلی تبصرہ کا تو یہ موقع نہیں مختصر سی کیفیت کے ساتھ ان میں سے مطبوع کے اسماء ذکر کر دینے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے :-

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۱	العوز البکیر	عربی	اصول تفسیر	اصول تفسیر میں مختصر جامع رسالہ ہے
۲	فتح الجبیر		”	یہ العوز البکیر کا دوسرا حصہ ہے مگر مصنف نے اس کا نام علیحدہ تجویز کیا
۳	المصنفی فی شرح ہوطا	فارسی	حدیث	موظا امام مالک کی بہترین شرح ہے جس کے مطالعہ سے حدیث و فقہ میں کمال اور استخراج مسائل میں جہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔
۴	المسوی فی احادیث ہوطا	عربی		یہ بھی ہوطا کی ایک بے نظیر اور قابل قدر شرح ہے۔ ابتداءً بلعصفتی کے حاشیہ پر چھپی لیکن بعد میں علیحدہ بھی شائع ہو گئی ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۵	حجۃ اللہ البالغہ	عربی	اسرار شریعت	اسرار حدیث اور مصارح احکام ایسے دلنشین انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ اس کی مثال متقدمین کے ہاں ملنی بھی مشکل ہے حکمت، حدیث، فقہ تصوف، اخلاق اور فلسفہ وغیرہ بہت سے علوم اس کتاب میں ہیں۔
۶	تراجم بخاری	عربی	حدیث	یہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح ہے۔
۷	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	عربی	فقہ الحدیث	اس کتاب میں وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے اقوال فقہاء کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ کتاب و سنت کے مقابلہ میں امام کی تقلید حرام ہے۔
۸	عقد الجید فی احکام الاجتهاد والتقلید	عربی	فقہ الحدیث	اس مختصر رسالہ کا موضوع بھی اجتہاد و تقلید ہے۔
۹	ازالة الخفا عن خلافة الخلفاء	عربی	خلافت صحابہ	اس میں خلفاء اربعہ کی خلافت کے متعلق محققانہ بحث ہے۔
۱۰	قرۃ العین فی تفضیل شیخین	"	"	اس میں نقلی و عقلی دلائل سے حضرت شیخین جناب ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی افضلیت ثابت کی گئی ہے۔

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن
۱۱	فیوض الحرمین	عربی	تصوف
			مختصر کیفیت اس رسالہ میں عربین کے واقعات کے علاوہ تصوف کے بہت سے مبحث آگئے ہیں۔
۱۲	الطاف القدس	فارسی	تصوف
			اس میں شاہ صاحب نے اپنے الہامات کو ذکر کیا ہے۔
۱۳	الدر الثمین فی مشیر النبی اکرم	عربی	تصوف
			اس میں شاہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار اور عم محترم شیخ ابوالرضا محمد کے وہ واقعات لکھے ہیں جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے حاصل کیے۔
۱۴	تأویل الاحادیث	عربی	تایخ انبیاء
			اس میں حضرت آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ان انبیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ہیں جن کا تذکرہ قرآن میں آیا ہے
۱۵	انفاس العارفين	فارسی	تایخ
			اس کتاب میں شاہ صاحب نے اپنے والد صاحب، عم بزرگوار شیخ ابوالرضا محمد اور دیگر اجداد عظام کے حالات شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔
۱۶	شرح رباعیتین	"	تصوف
			یہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی دو رباعیوں کی نہایت عمدہ شرح ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یہ ایک بڑا قصیدہ ہے

۱۷- الحبیب المنعم فی مدح سید العرب والعجم

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن	مختصر کیفیت
۱۸	الجیب المنعم فی مدح سید العرب والعجم	فارسی	تصوّف	جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں یہ ایک
۱۹	سطحات	"	"	اس رسالہ میں اسم الہی، اصطلاحات صوفیہ اور تصوّف کے بہت سے مؤثر و ارشادات کی تشریح ہے
۲۰	انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ	"	"	اس میں اولیاء اللہ کے حالات و واقعات مذکور ہیں۔
۲۱	دھیل حدیث	عربی	حدیث	جامع قسم کی چالیس حدیث کا مجموعہ ہے۔
۲۲	ہوا مع شرح حزب البحر	فارسی	ادعیہ	دعا، ضرب البحر کی نہایت عمدہ شرح ہے۔
۲۳	حسن العقیدہ	عربی	عقائد	
۲۴	سرور المحزون	فارسی	"	
۲۵	القول الجمیل	عربی	تصوّف	
۲۶	الارشاد الی مصائب الاسناد	"	علم اسناد	
۲۷	فیما یجب حفظہ للناظر	"	علم حدیث	
۲۸	انسان العین فی مشائخ الحرمین	فارسی	تاریخ	
۲۹	الامداد فی آثار الاجداد	"	"	اپنے خاندان کے حالات
۳۰	نبیة الابریزیہ فی الجنة العزیزیہ	"	"	" " " "
۳۱	العطیة العمدۃ فی الانفاس المحمدیة	عربی	تصوّف	
۳۲	مکتوبات مع فضائل ابی عبد اللہ	فارسی	سیرت	بعض ایڈیشنوں سے فضائل ابن النجاری و فضائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ

مختصر کیفیت

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	فن
۳۳	وصیت نامہ	"	وصیت
۳۴	فیض عام	"	متفرقات
۳۵	مکتوبات	"	تصوف
۳۶	مکتوب مدنی	"	"
۳۷	ہمجات	"	"
۳۸	لمعات	"	"
۳۹	تحریر کثیر	"	"
۴۰	شفاء القلوب	"	"
۴۱	البدود البارغہ	"	"
۴۲	زہرا دین	"	"
۴۳	تفہیمات	"	"
۴۴	انتباہ فی اسناد حدیث عربی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	عربی	علم حدیث
۴۵	المقدمہ السنیۃ	"	عقائد
۴۶	المقالۃ الوضیۃ	"	وصیت
۴۷	فتح الودود و معرفۃ الجنود	"	علم الخلاق
۴۸	مسلسلات	"	علم اسناد
۴۹	عوارف	"	تصوف
۵۰	مکاتیب	"	علم الانشاء

سیاسی خدمات

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ایک بہت بڑے عالم دین، نامور مفکر، عظیم روحانی پیشوا، بلند پایہ محقق و مصنف اور صاحبِ طرز انشا پر داز تھے۔ پوری زندگی تدریس تحریر اور تبلیغ کے ذریعہ خدمتِ دین میں بسر کر دی ان اوصاف کے ساتھ ساتھ آپ ایک بلند پایہ سیاسی مدبر بھی تھے۔

آپ کے دور میں ہندوستان پر انحطاط و ادبار کی نحوستیں چھائی ہوئی تھیں ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے حملہ کیا اور دہلی میں خون کی ندیاں بہا دیں اس خون ریزی میں مرنے والوں کا اندازہ آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ کے درمیان ہے۔ غراناہ شاہی سے بائیس کروڑ روپیہ، تیس کروڑ کے جواہرات اور تختِ طاؤس وغیرہ کو لوٹ لیا گیا اور عوام سے ٹوٹی گئی دولت کا اندازہ بھی ستر اسی کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ علاوہ ازیں اس حملہ کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ملک کا شیرازہ منتشر ہو گیا اور یاد رہے کہ شیرازہ ملک کے انتشار کی ابتداء تو اس سے بھی بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اوزنگ زیب کی وفات کے بعد ہی ارکانِ سلطنت ایرانی و تورانی اور شیعہ و سنی کش مکش میں مبتلا ہو کر خانہ جنگی کا شکار ہو گئے تھے۔ غرضیکہ حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشیوں، اپنوں کی غداریوں اور غیروں کی سازشوں کی وجہ سے ملک و ملت کی حالت بہت اتر چکی اندریں صورتِ حال شاہ ولی اللہؒ نے جو سیاسی خدمات سر انجام دیں وہ نہایت قابلِ قدر ہیں۔

ایک طرف تو آپ نے سیاسیات اور نظامِ حکومت کے اصول و قواعد کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی تصنیفات خصوصاً ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں بیان فرمائے اور ساتھ ہی اقتصادی تباہ حالیوں اور دیگر بربادیوں سے نجات کے طریقے بتائے اور دوسری طرف یہ آپ کی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا کہ پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرڑوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ شاہ صاحبؒ نے جب سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کے خطرناک عزائم کا اندازہ لگایا تو آپ نے نواب نجیب الدولہ، نواب نظام الملک آصف جاہ، محافظ رحمت خاں اور احمد شاہ ابدالی وغیرہ مسلمان حکمرانوں کو انتہائی پُر ازاناً تیرکتوبات لکھ کر اس

صورتِ حال سے مطلع کیا۔ شاہ صاحب کے ان مکتوبات کو پروفیسر خلیق نظامی نے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات کے نام سے شائع کر دیا ہے۔

اسلام کے اس بطلِ صلیل، عظیم منکر، نامور روحانی پیشوا اور مجددِ علوم و فنون نے ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں بسر کرنے کے بعد نرسٹیڈ برس کی عمر میں خفیف سے مرض میں مبتلا ہو کر ۱۷۷۶ء میں داعیِ اہل کولیک کہہ کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور شاہجہان آباد کے جنرل جانب پرانی دلی میں اپنے والدِ مرحوم کے پہلو میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً۔ تاریخ وفات اس مصرعے سے نکلتی ہے ع

امام ابوہد امام عظیم دین

آپ نے شاہ محمد، شاہ عبدالعزیز رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی فرزند ان گرامی یادگار چھوڑے۔ اب ہم آخر میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے اس خراجِ تحسین کو ذکر کر کے آپ کے ذکرِ خیر کو ختم کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کے حضور پیش کیا ہے، فرماتے ہیں :-

”..... پھر بارہویں صدی کا ایک عظیم ترین ظہورِ علوم و معارف دیکھو۔ زمین سبز ہو چلی تھی، پھر بھی کھیتوں کی سبزی اور چمنوں کی لالی سے کوئی گوشہ بالکل خالی نہ تھا۔ ۱۲ویں صدی کے تمام کاروبار علمِ طریقت کے اکابر اساتذہ اسی صدی میں سربرآوردہ ہوئے بعض بڑے بڑے سلاسلِ درس و تدریس کی بنیادیں اسی عہد میں استوار ہوئیں جیسے خاندانِ مشہور سنہنگی محل اور ہندوستان سے باہر بلادِ عربیہ و عثمانیہ میں اکثر مشاہیر علم و ارشاد جیسے شیخ ابراہیم کورانی، محمد بن احمد سفاری نجفی، سید عبدالقادر کوبانی شیخ سالم بھری، امیر محمد بن اسماعیل یانی، شیخ عبدالخالق زبیدی، علامہ فانی صاحب ”ایقاظ“، شیخ محمد حیات سندھی المذنی وغیرہ کہ شاہِ راہِ علم سے اپنی الگ راہ رکھتے تھے اور حقیقتِ مستورہ کے شناسا حتیٰ آگاہ

تھے۔ بایں ہمہ معلوم ہے کہ وہ جو دورِ آخر کے ”فاجح“ اور ”سلطانِ عصر“ بننے کا مقام تھا اور ”تقبیبتِ وقت“ کا وہ صرف حجتِ الاسلام شاہ ولی اللہ رضی اللہ عنہ ہی کے لیے تھا اور لوگ کبھی بیکار نہ تھے کام کرتے رہے مگر جو کام یہاں انجام پایا وہ صرف یہیں کے لیے تھا۔

فیضی احسنت اذیں عشق کہ دوران امرز

گرم دارد ز تو ہنگامہ رسوائی را !

”تقیہات“ میں اسی معاملہ کے معارف لکھے ہوئے کہیں تو اپنی طرف بیگانہ وار اشارہ کر جاتے ہیں، کہہ رہے ہیں جو شوقِ قلبی کی بے اختیار یوں میں صاف صاف لکھ گئے ہیں چنانچہ اپنے ترجمہ میں لکھے ہیں:

”بر سرم درد آند کہ این حقیقت بمردم برسان کہ امروز وقت و وقت تست و
زماں زبان تو واسے بر کے کزیر لواتے تو نہ باشد“

ایک اور تغہیم میں یہ کیفیت زیادہ مرستی کے ساتھ کھلی ہے :-

”فہمنی ربی انا جعلناک امام ہذا الطریقۃ و سدنا طرق

الوصول الی حقیقۃ القرب کلہا الیوم غیر الطریقۃ الواحدۃ

و ہو محبتک و الانقیاد لک و السماء لیس علی من عاداتک بسماً

و لیست الأرض علیہ بارض فاهل الشرق والغرب کلہم

رعیتک و انت سلطانہم علموا اولو یعلموا فان علموا

فازوا و ان جہلوا خابوا“.....

اس باب میں ان کے اشارات بے شمار ہیں علی الخصوص تقنیات میں کہ متعدد رسائل و مقامات اسی مقام کی شرح و تحقیق میں لکھے ہیں اور ان سب کے آخر میں ذوقِ باطن کے التباب و اضطراب سے بے خود ہو کر اپنے معاملات کی طرف بھی اشارہ کر جاتے ہیں گویا ابوالعلاءؒ کی کا یہ شعر جا بجا بننے سے پیرایوں میں ان کی زبانِ مترنم اور کلابِ تحدیث تک آ کر رہ

جاتا ہے۔

دانی ان کنت الاخیر زمانہ

لایت بمالہ تستطعه الا واسل

شاہ محمد بن ولی اللہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے رحلت فرمائی تو پانچ صاحبزادے

یادگار چھوڑے۔ ان میں سب سے بڑے حضرت شاہ محمد تھے۔ آپ اپنے دیگر بھائیوں کی طرح مشہور و معروف نہیں ہیں شاید اسی وجہ سے اکثر و بیشتر تذکرہ نگاروں نے آپ کا ذکر خیر ہی نہیں کیا۔ آپ بہت زیادہ صاحب علم اور صوفی عارف بزرگ تھے۔ ولادت و نشأت دہلی میں ہوئی۔ تمام علم اپنے والد گرامی سے پڑھا۔ جب تک وہ بقید حیات تھے آپ ان کے پاس رہے۔ ان کی وفات کے بعد بڑھانہ منتقل ہو گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ ۱۲۰۵ھ میں دنیا فانی سے عالم جاد دانی کو سدھار گئے۔ بڑھانہ کی جامع کیر میں آپ کا مدفن صلح ہے۔

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے دوسرے نامور صاحبزادے ہیں۔ ۱۱۵۹ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ تاریخی

شاہ عبد العزیز

نام ”علامہ حلیم“ تھا۔ خاندانی روایت کے مطابق نہایت ذہین فطین، سلیم الطبع خوش فہم اور طباع تھے۔ پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا پھر فارسی کی ابتدائی درسی کتابوں کو پڑھا اور صرف و نحو کی کچھ کتابیں بھی پڑھ لیں۔ قدرت کی طرف سے ذہن رسایا یا۔ سرسید نے لکھا ہے کہ :-

”بارہا اتفاق ہوا کہ کتب غیر مشہورہ کی اکثر عبارات طویل اپنی یاد کے اعتماد پر طلباء کو لکھوادیں اور جب اتفاقاً وہ کتابیں دستیاب ہوئیں تو پڑھ دیکھا گیا کہ جو عبارت آپ نے لکھوادی تھی اس میں من و عن کا فرق نہ تھا“

گیارہ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا اور تیرہ سال کی عمر تک آپ نے فقہ، اصول، صرف، نحو، منطق، عقائد، کلام، ہندسہ، ہیئت اور ریاضی وغیرہ بہت سے علوم میں کامل مہارت حاصل کر لی اور ساتھ ہی کتب تفسیر و حدیث کو بھی پڑھا

جب حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا اس وقت آپ سولہ برس کے تھے اگرچہ ان مذکورہ علوم میں ہمارت حاصل کر کے اس وقت تک فارغ ہو چکے تھے تاہم علمی تشنگی کی مزید تسکین کے لیے آپ نے اپنے والد کی وفات کے بعد شیخ نور اللہ بڑھانوی رحمہ اللہ شیخ محمد امین کشمیری رحمہ اللہ اور شیخ محمد عاشق بن علی اللہ پھلتی رحمہ اللہ سے بھی کسب فیض کیا۔ یاد رہے یہ تینوں بزرگ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے حلیل القدر رفقا رحمہم اللہ میں سے تھے۔ شاہ عبدالعزیز کا ایک مستقل رسالہ بھی ہے جس میں آپ نے جو اپنے والد گرامی سے پڑھا اور جو دیگر علمائے سلف سے پڑھا ہر ایک کی تفصیل بیان کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ :-

”میں نے ”موطا“، ”مشکوٰۃ المصابیح“ اور دیگر کتب حدیث کو مکمل طور پر اپنے والد صاحب سے پڑھا۔ ”حصن حصین“ اور ”شامل ترمذی“ کی قرأت برادر شیخ محمد نے کی اور میں نے سماع کیا۔ ”جامع ترمذی“، ”سنن ابی داؤد“ کی قرأت مولوی ظہور اللہ مراد آبادی نے اور سماعت میں نے کی۔ ”مقدمہ صحیح مسلم“ اور کچھ احادیث ”اورسنن ابن ماجہ“ کے کچھ حصوں کی قرأت محمد جواد پھلتی نے اور سماعت میں نے کی۔ ”سلسلات“ ”جامع الاصول“ کے کچھ اجزاء اور ”سنن نسائی“ کے کچھ حصوں کی قرأت مولوی عابد اللہ نے اور سماعت میں نے کی۔ ”اورسنن نسائی“ کا بقیہ اور دیگر کتب صحاح میں نے شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین سے پڑھیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب کی سند اجازت میں نے اپنے والد کے افضل ترین خلیفہ شیخ محمد عاشق پھلتی سے حاصل کی۔ اور ان تینوں بزرگوں نے میرے والد صاحب سے پڑھا تھا۔ یاد رہے کہ شیخ محمد عاشق تو شیخ ابو طاہر مدنی سے پڑھنے میں میرے والد مرحوم کے شریک بھی رہے تھے جیسا کہ آپ کی اسناد ”الاریشاد فی مہمات الاسناد“ اور دیگر کتابوں میں مذکور ہیں رحمہم اللہ۔

والد مرحوم کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند پر فاتر ہوئے اور اسے چار چاند

لگا دیتے۔ نہایت مستندی اور سرگرمی کے ساتھ حدیث اور دیگر مرتبہ علوم کا درس دیتے کہ تشنگانِ علوم دیوانہ وار دور دراز سے کھینچے چلے آتے اور آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کو باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ آپ بھی طلبہ کے ساتھ شفقت اور حسنِ اخلاق سے پیش آتے تھے۔ غرضیکہ وہ عظیم درسگاہ، شاہ عبدالرحیمؒ نے جس کا سنگ بنیاد رکھا اور شاہ ولی اللہؒ نے جسے عروج پر پہنچا دیا تھا آپ نے اس کے وقار میں سرسرفراز نہ آنے دیا؛ چنانچہ صاحبِ اتحاف فرماتے ہیں:-

جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے وقت کے نہایت زبردست عالم تھے۔ اس زمانہ کے تمام علماء و مشائخ آپ کی طرف رجوع کرتے تھے اور بڑے بڑے فضلاء آپ کی خدمت تلمذ پر بے حد فخر کیا کرتے تھے۔ آپ کا علوم متداولہ وغیرہ میں وہ پایہ تھا جو بیان میں نہیں آسکتا۔ کثرتِ حفظ، علم تعبیر رویا، سلیقہ و عطف، انشاء پر دازی، تحقیق لغاتس علوم میں تمام معصروں میں امتیازی نگاہوں سے دیکھے جاتے اور مخالفینِ اسلام کو ایسی سنجیدگی و متانت سے دندان شکن جواب دیتے تھے کہ وہ ہونٹ چاٹتے رہ جاتے تھے آپ کی تقریر میں اس بلا کا جادو تھا جس کا مخالف و موافق پر برابر اور یکساں اثر پڑتا تھا۔ آپ کی شیوا بیانی اور سلیجی ہوتی تقریر کی تمام ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی اور یہ بات تمام لوگوں میں مشہور تھی کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے وہ طرز بیان اختیار کی ہے کہ ان کی مجلس و عطف سے ہر مذہب و ملت کا شخص خوش ہو کر اٹھتا ہے۔ مقتصد اور ہٹ دھرم لوگ بھی آپ کی بات بلا تردد تسلیم کرتے اور حسنِ تقریر کے آگے فوراً اطاعت کی گردنیں جھکا دیتے۔ موافق تو موافق مخالف کے دل میں بھی آپ کا بے انتہا وقار و احترام تھا آپ نے اپنی عمر کا سارا حصہ طلباء کی تدریس، مریدوں کی ارشاد و تلقین، طالب العلموں کی تکمیل، و عطف و نصیحت اور فصل خصومات میں صرف کیا۔ آپ ظاہری جاہ و عزت، صوری احترام و تکنت، باطنی کمالات کے ساتھ فراہم رکھتے تھے۔ غرضیکہ تقدس مذہبی کے علاوہ دنیاوی اعزاز میں کوئی مرتبہ ایسا نہ تھا جو فیاضِ ازل نے آپ سے

دریغ رکھا ہو۔ آپ کی شاگردی پر بڑے بڑے فضلاء کو فخر ہے اور آپ کی ترتیب دی ہوئی کتابوں پر علمائے نحل کو بہت کچھ اعتماد و بھروسہ ہے۔ الحاصل جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا واجب الاحترام خاندان علوم حدیث اور فقہ کا مخزن اور سنی فنون کا سرچشمہ ہے۔ اس مقدس و شریف علم کی خدمت جس قدر اس اہل بیت سے وجود پذیر ہوئی ہے ہندوستان میں کیا دوسری ولایتوں میں بھی کسی خاندان کی نسبت نہیں سنی گئی۔

درحقیقت عمل بالحدیث کا بیج ہندوستان کی بیخ اور ناقابل زمین میں آپ کے والد بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب نے بویا اور آپ نے اسے پانی دیتے دیتے یہاں تک نوبت پہنچانی کہ اس سے ایک نہایت خوشنما اور نونال پودا اُٹھوٹا جو چند روز میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہانے لگا اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں دُور دُور کے لوگ اس کے پھل و پھول سے گودیاں لبریز کر کے جانے لگے۔

شاہ صاحب سر و قد، چھریرے بدن، گندمی رنگ، چمکیلی آنکھوں اور گھنی داڑھی والے مرجان مریخ طبیعت کے بزرگ تھے۔ خط نسخ میں کمال حاصل تھا نیز نرہ بازی اور شسواری میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

بہت لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا اور بے شمار لوگوں نے آپ سے اکتسابِ علوم و فنون کیا چنانچہ آپ کے تلامذہ کی ایک مختصر سی فہرست درج ذیل ہے۔

- (۱) شاہ عبدالقادر (۲) شاہ رفیع الدین (۳) شاہ عبدالغنی (۴) مولانا عبدالحی
- برہانوی (۵) مفتی الہی بخش کاندھلوی (۶) سید قمر الدین سونی پتی (۷) شاہ غلام علی بن عبداللطیف دہلوی (۸) سید قطب ہدی بن محمد واضح بریلوی (۹) شاہ محمد اسحاق صاحب
- ہماجر (۱۰) مفتی صدر الدین خان صاحب دہلوی (۱۱) مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین
- (۱۲) مولانا رشید الدین خان صاحب دہلوی (۱۳) مولانا کریم اللہ صاحب دہلوی (۱۴)
- مولانا میر محبوب علی صاحب (۱۵) مولانا محمد یعقوب صاحب (۱۶) مولانا عبدالخالق صاحب
- (۱۷) مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی (۱۸) مولانا حسن علی صاحب لکھنوی (۱۹) مولانا

حسین احمد صاحب طبع آبادی (۲۰) مولانا محمد قاسم صاحب (۲۱) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۲۲) مولانا سلامت اللہ بدایونی (۲۳) مولانا حکیم فیاض خاں (۲۴) مولانا شاہ ابوسعید (۲۵) شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی (۲۶) مولانا فرم علی بلہوری (۲۷) شاہ احمد سعید مجددی (۲۹) مولانا محمد شکور مچھلی شہری (۳۰) مولانا سید حیدر علی (۳۱) مولانا شاہ ظہورالحق قلداری پھلواڑی (۳۲) سید جیلانی فاروقی (۳۳) مولانا سید رمضان علی (۳۴) مولانا شیخ فضل حق کاکوردی (۳۵) شاہ رحمن بخش حیشتی (۳۶) سید احمد شہید (۳۷) امام محمد علی شہید رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

یہ شاہ صاحب کے علم و فضل میں کمال کا نتیجہ ہی تھا کہ اطراف و اکناف عالم سے یہ تشنگانِ علوم آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان علوم و فنون میں بھی یدِ طولیٰ انعمائت فرمایا جن میں عام علماء کو قطعاً دلچسپی نہیں ہوتی؛ چنانچہ مولانا امیر شاہ خاں فرماتے ہیں کہ :-

”شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس ایک جہاز راں انگریز آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے آپ کو ہرن فن میں دھل ہے۔ جہاز راںی میں بھی آپ کو کچھ آتا ہے، شاہ صاحب نے جو بعض پرزوں کے حالات بیان کیے تو وہ اس کو کبھی یاد نہ تھے۔ اس کو حیرت ہوتی۔ پوچھا۔ تو فرمایا کہ کہن میں اس فن کی ایک کتاب دیکھی تھی۔ اس میں سے ہی کچھ یاد ہو گیا تھا۔“

تفسیر و حدیث، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، معانی و بیان اور دیگر علوم میں بحر کے ساتھ علمِ فتاویٰ میں بھی آپ کو مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔ آپ کے فتاویٰ اس قدر جامع، مدلل اور محقق ہوا کرتے تھے کہ بڑے بڑے مفتیان کرام اور علماء عظام انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتے تھے اسی وجہ سے ملازمتی نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو لکھا :-

”شاہ صاحب! آپ کا کچھ ایسا اثر بلادِ اسلامیہ میں ہوا ہے کہ جب کوئی فتویٰ دیا جاتا ہے اور علماء اس پر اپنی ہنریں کرتے ہیں تو ہر شخص فتویٰ

میں آپ کی ہر کاملاً سچی رہتا ہے اور وہ فتویٰ اجب تک اس پر آپ کی مہر نہ ہو زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو ہم لوگوں کے لیے بڑے افتخار کی بات ہے اور سلطان ٹرکی بھی آپ کی بڑی عزت کرتے ہیں۔“

تصنیفات | اگرچہ آپ نے اپنے والد مرحوم کی طرح کثرت سے کتابیں تصنیف نہیں فرمائیں تاہم وقتاً فوقتاً جو کچھ آپ کے قلم سے نکلا علم و تحقیق کی منہ بولتی تصویر ہے اور تب سے لے کر اب تک ایک دنیا اس سے استفادہ کر رہی ہے؛ چنانچہ آپ کی تصنیفات کی فہرست درج ذیل ہے۔

- (۱) تفسیر عزیزی (۲) تحفۃ اثنا عشریہ (۳) بستان المحدثین (۴) شرح میزان المنطق (۵) حواشی بدیع المیزان (۶) حواشی شرح عقائد (۷) مجال نافعہ (۸) سر الشہادتین (۹) الفتاویٰ فی المسائل المشککة (۱۰) میزان البلاغہ (۱۱) میزان الکلام (۱۲) السراج الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔
- (۱۳) رسالۃ فی الانساب (۱۴) رسالۃ فی الروایا (۱۵) حاشیہ میرزا ہد (۱۶) حاشیہ میرزا ہد تاج جلال (۱۷) حاشیہ میرزا ہد شرح مواقف (۱۸) حاشیہ ملا کوسج (۱۹) حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ۔

قومی احساس | شاہ صاحب عالم و فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کے قادر الکلام اور صاحب طرز شاعر و دانشوار پر دانہ بھی تھے آپ کے کلام کے نمونے ”حیاتِ عزیزی“، ”حیاتِ ولی“، ”نزہۃ الخواطر“ اور دیگر تذکروں میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ آپ کے مکتوبات اور منظومات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پہلو میں ایک دلِ درد مند رکھتے تھے جو مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور زبوں حالی پر کڑھتا رہتا تھا۔

آپ نے اپنی بعض نظموں میں اسلام کی غربت، مسلمانوں کی ابتری حالت،

دلی کی تباہی و بربادی اور سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا اس قدر درد انگیز پیرایہ بیان میں نقشہ کھینچا ہے کہ پڑھنے سے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی بے بسی و بے بسی کے متعلق اپنے منظومات و مکتوبات میں جذبات و احساسات اور تاثرات کے اظہار پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی کے لیے عملی طور پر بھی اقدام کیا کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تعلیم و تربیت کے بعد انہیں نواب امیر خاں کے پاس بھیج دیا تاکہ اس کے لشکر میں رہ کر عسکری تربیت حاصل کر کے جہاد کریں اور مسلمانوں کو آلام و مصائب کے چنگل سے باہر نکال لائیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہی وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور انگریزوں اور دیگر طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے فتویٰ صادر فرمایا آپ کے فتویٰ کی اصل عبارت ہم آگے نقل کریں گے۔

شاہ صاحبؒ کی سیاسی بصیرت کا اندازہ اس سے لگاتے کہ بروایت مولانا

امیر شاہ خاں :-

”مولوی عبدالقیوم کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف صاحب فرماتے تھے

کہ جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ

اب ہندوستان کی سلطنت حکماء کے ہاتھ میں آگئی ہے ان کے ہاتھ

سے نکلنا بہت مشکل ہے یہ روایت میں نے مولوی یوسف صاحب سے

بلا واسطہ بھی سنی ہے اور بواسطہ مولوی محی الدین خاں مراد آبادی بھی سنی ہے“

عز فرمائیے کہ شاہ صاحبؒ کہ یہ پیش گوئی کس قدر سچی ثابت ہوئی اور فرنگیوں

نے کتنی شان و شوکت سے دو سو سال تک ہندوستان میں حکومت کی۔ مولانا اشرف علی

تھانویؒ نے اس حکایت پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس پیشین گوئی کا مبنی کرامت و قدرت

دونوں ہو سکتے ہیں افراداً یا اجتماعاً۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے عمر شریف کی ابھی تک صرف پچیس بہاریں ہی دکھی تھیں کہ مملکتِ قسم کے امراض کا آپ پر حملہ ہونا شروع ہو گیا،

سفرِ آخرت

مراق، جذام، برص اور نابینائی وغیرہ چودہ امراض میں وقتاً فوقتاً مبتلا رہے۔ بیماریوں کی شدت کے پیش نظر کبھی کبھی نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ آپ کا معدہ کام چھوڑ دیتا اور آپ مسلسل کئی کئی دن تک کھانے پینے کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگاتے۔ ان امراض مؤلمہ اور اسقام مغجہ کے باوجود آپ نے جو کاروائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں، ان پر یقیناً حیرت ہوتی ہے۔ آفر عمر میں تجزیہ کی شکایت بھی تھی ساتھ بخار بھی شروع ہو گیا، جو کہ آہستہ آہستہ تیز ہوتا گیا اور بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔ مرض الموت میں اوراد و وظائف میں تو معمولی سا فرق آیا لیکن فرائض و سنن میں قطعاً کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ چونکہ خلق خدا کی بھلائی ہر وقت پیش نظر ہوتی تھی اس لیے شدت مرض کے زمانہ میں بھی جب وعظ کا دن آیا تو فرمایا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دو اور دو آدمی میرے کندھے پکڑے رہیں البتہ جب میں بیان کرنے لگوں تو پھر چھوڑ دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اگرچہ آپ کے لہجہ میں کچھ ضعف کے آثار تھے لیکن استقلال ویسا ہی تھا۔ اختتام وعظ کے بعد اعزہ واقارب سے فرمایا میری ملکیت میں جس قدر مال و اسباب ہے سب ایک جگہ جمع کر دو۔ جب تعمیل ارشاد کی گئی تو آپ نے اپنا تمام مال و اسباب حبائز و ارثوں میں شریعت کے مطابق تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد آپ نے عربی و فارسی کے چند اشعار جو معرفت الہی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے ایسے دردناک لہجہ میں پڑھے کہ سامعین پر رقت کا عالم طاری ہو گیا۔ بعد ازیں آپ نے وصیت فرمائی کہ میری تجیز و تکفین مسنون طریقہ کے مطابق کی جائے کفن کے لیے سادہ کپڑا جیسا کہ میں پہنتا رہا ہوں استعمال کیا جائے۔

پھر آپ اوراد و وظائف میں مشغول ہو گئے زبان پر آیت شریفہ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَاَلْحَقْنِي بِالصَّلٰحِيْنَ کا ورد جاری تھا کہ ،
 سوال بروز یک شنبہ بوقت صبح ۱۲۳۰ھ کو آپ کی رُوحِ قَضِیْ عَضْرِي سے پرواز کر گئی اور اسی وقت اعزہ واقارب کی زبان سے غلغلہ بلند ہوا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔
 شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالعزیزؒ سے چھوٹے اور انہیں کی طرح رنگانہ روزگار محدث، مستمک اور اصولی تھے ۱۲۳۰ھ

شاہ رفیع الدینؒ

میں دلہی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ رحیمیہ میں تعلیم حاصل کی اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ کے علاوہ دیگر بڑے بڑے علماء کرام سے بھی علم حاصل کیا صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ادب و انشا اور تفسیر حدیث بہت سے علوم میں دسترس رکھتے تھے تفسیر و حدیث کی سند تو اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی۔

شاہ عبدالعزیز جب مختلف امراض میں مبتلا ہو کر نہایت ضعیف ہو گئے تو انہوں نے تدریس کے فرائض آپ کے سپرد کر دیئے۔ آپ بہن میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے۔ حافظ اور ذہانت خداداد پایا۔ ایک ہی وقت میں مختلف انواع و اقسام کے کئی علوم و فنون کا درس دیتے اور ایک فن سے دوسرے میں منتقل ہوتے وقت طبیعت میں قطعاً انقباض محسوس نہ کرتے۔

علم و فضل میں تبحر کے ساتھ ساتھ متانت و سنجیدگی عاجزی و انکساری، علم و بردباری اور جود و سخا

کے اوصاف حمیدہ سے مستفید تھے۔ سیرت کی ان لمبلیوں میں شاہ عبدالغنی ج کے علاوہ کوئی آپ کا ہمیم و شریک نہیں تھا۔ سخاوت و خدمتِ خلق میں تو آپ خاص طور پر مشہور تھے ایک ایمان افروز واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ امیر شاہ خاں فرماتے ہیں کہ :-

چار شخص شاہ صاحب کے خاندان میں بہت سخی تھے ایک شاہ رفیع الدین صاحب۔ ان کی نسبت سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ ان کا کیسہ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا یہ مکان کے باہر جو تڑے پر بٹھا کرتے تھے اور اس پر فرش نہ ہوتا تھا بلکہ صوف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دے دیتے تھے اور خالی زمین پر بیٹھتے تھے سارے محلے کی عورتوں کا کام کیا کرتے تھے میرے استاد میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ ایک روز شاہ صاحب عورتوں کا سود خریدنے گئے چونکہ سودے مختلف اور متعدد تھے اس لیے اول انہوں نے سودے رومال میں باندھے۔ جب رومال میں گنجائش نہ رہی تو کڑتے میں رکھے۔ جب اس میں بھی گنجائش نہ رہی اور ایک سودا باقی رہ گیا تو اسے ٹوپی میں لے

لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وال مجھے دے دیجئے اور ٹوپی خالی کر کے اڑھ بیجے تو آپ نے فرمایا نہیں مسلمان کی ہر چیز کام میں آنی چاہیے۔

تصانیف

شاہ عبدالعزیز کے متعلقہ امراض ہونے کے بعد چونکہ تدریس کی ذمہ داری سے آپ کو عہدہ برآ ہونا پڑا۔ بنا بریں آپ کو تصنیف کے لیے زیادہ وقت میسر نہ آسکا تاہم آپ نے بھی کچھ نہایت مفید علمی یا دگاریں پھوڑی ہیں جن میں سرفہرست آپ کا سب سے پہلا اردو ترجمہ قرآن ہے جو تب سے لے کر اب تک بدستور مقبول ہے اس کے علاوہ آپ کی تصنیفات درج ذیل ہیں۔

۱) تکمیل الاذقان (۲) مقدمتہ لعلم (۳) وضع الباطل (۴) اسرار المحبتہ (۵) قیامت نامہ (۶) تفسیر آیت نور (۷) حملۃ العرش کی تحقیق میں ایک رسالہ (۸) کتاب التکمیل (۹) رسالہ عروض (۱۰) تاریخ میں ایک رسالہ (۱۱) اثبات شق قمر میں ایک رسالہ (۱۲) تحقیق الوان میں ایک رسالہ (۱۳) پردہ کے متعلق ایک رسالہ (۱۴) برہان التماغ میں ایک رسالہ (۱۵) عقدہ انالی میں ایک رسالہ (۱۶) منطقی میں ایک رسالہ (۱۷) حاشیہ میرزا اہد

علاوہ ازیں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض عقائد کو محسوس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کے متعلق بھی آپ کا ایک قصیدہ ہے۔ یہ اور آپ کے دیگر قصائد آپ کی کتاب "اسرار المحبتہ" کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا فقیر محمد جمالی نے "صدائق المحنفیہ" میں آپ کی ایک اردو تصنیف "راہ نجات" کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے ایک مقالہ "اردو ترجموں کی نوعیت و اہمیت" میں شاہ صاحب کی دو اور کتابوں کا سورہ بقرہ کی تفسیر اور (۲) تبیینہ الغافلین کا بھی ذکر کیا ہے آپ کی مذکورہ تفسیر ۱۲۷۲ھ میں طبع بھی ہوئی اور اس کے حاشیہ پر مولانا یعقوب چرخچی کی تفسیر بھی تھی۔ غرضیکہ حضرت شاہ رفیع الدین کا دہن کمال بھی تصنیف کے موتیوں سے خالی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں آپ کا مقام نہایت ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ کا یہ تمام ذخیرہ خاص اہل علم کے لیے ہے اعمام اس سے بہت کم استفادہ کر سکتے ہیں تاہم شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور افکار و نظریات کے سمجھنے

میں یہ کتابیں بہت عمدہ معاون ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ بقید حیات تھے کہ آپ عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۲۳۳ھ میں دہلی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کو آپ کی وفات سے بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ نابینا ہونے کے باوجود جنازہ کو کندھا دینے کی کوشش کر رہے تھے اور فرار ہوتے تھے :-

”چہ گویم من طلقے نذاریم کلمہ“

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے فرزند رشید اور شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ رفیع الدینؒ کے چھوٹے بھائی

شاہ عبدالقادرؒ

تھے۔ علم و فضل اور ورع و تقویٰ میں اپنے خاندان کی روایات کے امین تھے بلکہ سرسید نے تو لکھا ہے :-

آپ کے علم و فضل کا بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ اور فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے زبان کو کیا طاقت کہ ایک حرف حضرت کی صفات سے لکھ سکے اور قلم کی کیا مجال کہ آپ کی مدارج سے ایک ذرہ کھسک سکے!

۱۱۶۷ھ میں ولادت باسعادت ہوئی۔ بچپن ہی سے بڑے باوقار اور سنجیدہ تھے۔ تمام تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کی۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ کسب فیض باطن بھی کیا اور اس سلسلہ میں دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا پوری زندگی تعلیم و تدریس میں بسر کی۔ علم و فضل، فہم و فراست، ورع و تقویٰ اور سیاسی تدبیر کے پیش نظر وقت کے تمام علماء، ائمہ اور سلاطین اور شہزادوں کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی رہتی تھیں ایک تذکرہ نویس نے یہ بھی لکھا ہے :-

”اگرچہ درویش صفت انسان تھے مگر روسائے شہر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، بسبب ادب کے خاموش بیٹھتے اور بدوں آپ کی توجہ کے مجال سخن نہ پاتے اور ایک یا دو بات سے زیادہ منہ سے نہ نکلتے۔“

لیکن اس جاہ و جلال کے باوصف اپنے اسلاف کی طرح دل کے درویش اور مزاج کے
 منکسر تھے ہر ایک سے اخلاق اور تواضع سے پیش آتے جب کسی کو کسی خلافِ شریعت امر کا مرتکب
 پاتے تو اسے بھی نہایت احسن پیرایہ بیان میں سمجھاتے چنانچہ اپنے وعظ کے دوران ایک مرتبہ ایک
 شخص کو دیکھا جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا۔ آپ نے وعظ کے بعد اس سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ
 مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے پھر اسے خلوت میں لے گئے اور فرمایا بھائی! مجھ میں ایک عیب ہے
 کہ میرا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ڈھلک جاتا ہے اور حدیث میں یہ یہ وعیدیں آئی ہیں اور پھر آپ
 نے اسے اپنا پاجامہ دکھایا اور فرمایا خوب غور سے دیکھو کیا واقعی میرا خیال صحیح ہے یا محض وہم
 ہے۔ اس شخص نے شاہ صاحب کے پاؤں پکڑ لیے اور کہا کہ حضرت آپ کے اندر تو یہ عیب
 کیوں ہوتا البتہ میرے اندر ہے مگر اس طریقے سے آج تک مجھے کسی نے نہیں سمجھایا تھا اب میں
 توبہ کرتا ہوں اور انشاء اللہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔

جس طرح آپ کی طبیعت فخر، غرور اور تکبر سے متنفر تھی اسی طرح دوسروں میں بھی
 ان عیبوں کو آبرو پسند نہیں فرماتے تھے؛ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ آپ کے تلامذہ مولوی فضل حق
 اور مفتی صدر الدین جس دن خود کتابیں لے کر جاتے اس دن آپ بھی سبق پڑھا دیتے اور جس دن
 خادموں سے کتابیں اٹھا کر لاتے آپ سبق ہی نہ پڑھتے۔

آپ بہت زیادہ صاحبِ کرامت بزرگ تھے آپ کی بہت سی کرامات زبانِ زوہام
 و خاص تھیں مولوی فیض الحسن صاحب فرماتے تھے کہ شاہ عبدالقادر صاحب سے کرامات کا اس
 زور شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خرواں کے زمانہ میں پت بھڑھو یا بادشاہ کے وقت بونڈیں گرتی
 ہوتی۔

تفسیر حدیث، صوف و نحو اور ادب و انشاؤ کے ساتھ ساتھ منطق و فلسفہ میں بھی آپ کو
 کمال حاصل تھا۔ مولوی فضل حق اور مفتی صدر الدین ایک دفعہ آپ سے پڑھنے جا رہے تھے کہ راستہ
 میں اس مضمون کی گفتگو کی کہ اس خاندان (ولی اللہی) کے لوگ حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ علوم دینیہ
 تو خوب جانتے ہیں مگر معقولات نہیں جانتے؛ چنانچہ ابھی وہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ شاہ صاحب
 نے قدم کو محکم دیا کہ ایک بورہ مسجد سے باہر ڈال دو اور ایک مسجد کے اندر اور جب فضل حق

اور صدر الدین آئیں تو ان کو وہیں بٹھا دو۔ جب ان کے آنے کی آہ کو اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور اپنے بڑے پر جلوہ افروز ہو گئے اور فرمایا کہ میں فضل حق اور میاں صدر الدین آج سبق پڑھانے کو تو جی نہیں چاہتا۔ میں جی چاہتا ہے کہ کچھ معقولوں کی خرافات میں گفتگو ہو انہوں نے کہا جیسے حضرت کی خوشی ہو۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ متکلمین کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جو فلاسفہ کے مقابلہ میں بہت ہی کمزور ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت متکلمین کے تو اکثر مسائل کمزور ہی ہیں مگر فلاں مسئلہ تو بہت ہی کمزور ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ اچھا تم فلاسفہ کا مسئلہ لو اور ہم متکلمین کا اور گفتگو کریں انہوں نے عرض کیا کہ بہت اچھا اس پر گفتگو ہوئی اور آپ نے دونوں کو عاجز کر دیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ فلاسفہ کا کون سا مسئلہ کمزور ہے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ فلاں مسئلہ بہت کمزور ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اب تم متکلمین کا پہلو لو اور ہم فلاسفہ کا پانچواں ایسا ہی کیا گیا اور آپ نے اب بھی ان کو چلنے نہ دیا جب ہر طرح ان کو مغلوب کر دیا تو فرمایا کہ میاں فضل حق اور میاں صدر الدین تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور وہابیت سمجھ کر چھوڑ دیا مگر انہوں نے ہمیں اب تک نہیں چھوڑا۔ وہ اب تک ہماری قدم بوسی سے جاتے ہیں۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ اکبر آبادی مسجد میں فروع میں پڑھنے

تصنیف

اور تمام زندگی یہیں بسر کر دی۔ تدریس سے فارغ ہوتے تو اور او

و وظائف میں مصروف ہو جاتے۔ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کم مبذول فرمائی اس باب میں آپ کے صرف دو زندہ جاوید کارنامے ہیں ایک قرآن مجید کا اردو ترجمہ اور دوسرا تفسیر موضح القرآن۔

آپ کا ترجمہ قرآن مجید عمدہ اسلوب اور حسن پیرایہ بیان میں سلیس، شگفتہ اور با محاورہ اردو

میں ہے جو دیکھنے میں نہایت سہل و مختصر لیکن حقیقت میں دقیق و باریک مطالب سے بھر پور۔ تلفظ میں آسان مگر عمیق مضامین سے پُر۔ چھوٹے چھوٹے مگر فصاحت و بلاغت میں ڈوبے ہوئے جملوں سے وہ حیرت انگیز مضامین کا سمندر ابل رہا ہے جو انسانی طاقت سے بالکل باہر نظر

آئیے۔ اس لیے ایک فاضل کا یہ قول بے شک بجاس ہے کہ :
 اگر اردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو ان ہی محاورات کے
 بجا اس سے آراستہ ہوتا جن کی رعایت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب
 نے اس ترجمے میں پیش نظر رکھی ہے۔

مگرچہ آپ سے پہلے آپ کے برادر اکبر شاہ رفیع الدین بھی قرآن مجید کے اردو ترجمہ کی
 سعادت حاصل کر چکے تھے مگر دونوں بھائیوں کے ترجموں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ شاہ رفیع الدین
 کا ترجمہ نفعی اور شاہ عبدالقادر کا ترجمہ نہایت سلیس اور بجا اور ہے۔ اردو کی خوبی قیمت
 کا اندازہ بھی لگائیے کہ مذہب نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر عین اس وقت رکھا جب کہ یہ
 یہ گفتاری کے بل چل رہی تھی۔

ابھی آپ کی تفسیر موضع القرآن "بھی نہایت سلیس، عام فہم اور اپنے موضوع میں اردو
 کی پہلی کتاب ہے اس مختصر ترین تفسیر یا حاشی کہہ لیجئے نہیں بھی شاہ صاحب نے اپنا اعجاز دکھایا
 ہے اور قرآن مجید کے مشکل مسائل کو ایسے سہل انداز میں حل فرمایا ہے کہ عالم و عامی یکساں طور
 پر اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کا یہ بے نظیر مترجم و مفسر شاہ میں دنیائے خانی
 سے رختِ سفر باندھ کر فی مَعْقَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِكٍ مَقْتَدِرٍ جاسپنچا

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے
شاہ عبدالغنی تھے علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں اپنے اسلاف کی سچی تصویر
 تھے ساری زندگی عبادت و ریاضت اور تہجد گزاری و شب زندہ داری کے پیش نظر گذر گئی
 میں بسر کی اور اسی وجہ سے آپ کی زیادہ شہرت نہ ہو سکی اور مفصل حالاتِ زندگی بھی پردہ اخفا
 میں ہیں۔ تاہم مصنف "حیات ولی" نے آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔
 آپ نے علوم خاص کر فقہ و حدیث کی تحصیل اپنے والد بزرگوار اور
 جناب شاہ عبدالعزیز صاحب سے کی۔ اتباعِ شریعت میں آپ کا
 قدم پیشروانِ مسلک سے آگے بڑھا ہوا تھا و متع و لباس میں اپنے
 والد بزرگوار کے اس درجہ شاہ بہ تھے کہ جس نے انہیں دیکھا تھا وہ آپ

کو دیکھ کر شاہ صاحب مرحوم کو یاد کرتا۔ علمی کمال کے علاوہ اخلاقِ عامہ آپ میں ایسے تھے جو دوسروں میں بہت کم پائے جاتے تھے توکل و تقاضا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے اور باوجود عیال داری اور تاہل کے دنیا اور اہل دنیا کی طرف بہت کم رجوع کرتے تھے آپ کے اکثر اوقات تدریس طلبہ میں مصروف اور عنانِ تہمتِ افادہ طلبین کی طرف معطوف تھی۔

آپ کے فقر، استغنا اور تقویٰ کے کئی واقعات مشہور ہیں۔ خان امیر شاہ، مولانا گلگوسا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ عبدالغنی صاحب کے ہاں کئی وقت کا فائدہ ہوا اس کا تذکرہ ان کی مائے نے نہیں کر دیا۔ اس کی خبر کسی ذریعہ سے مفتی صدر الدین خاں کو بھی ہو گئی۔ مفتی صاحب نے تین سو روپے شاہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیئے شاہ صاحب نے واپس کر دیئے۔ اس پر مفتی صاحب وہ روپے لے کر خود حاضر ہوئے اور غلیبہ میں روپے پیش کئے اور فرمایا کہ شاید حضور کو خیال ہو کہ یہ صدر الصدور ہے رشوت لیتا ہو گا۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں کہ میں رشوت نہیں لیتا بلکہ یہ روپے میری تنخواہ کے ہیں، آپ ان کو قبول فرمائیے شاہ صاحب نے فرمایا میں تمہاری نوکری کو بھی اچھا نہیں سمجھتا اور اس لیے میں ان کے لینے سے معذور ہوں بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے خادم کو بلا کر فرمایا نیک سخت! اگر خالق کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کے لیے ہمارا راز افشاء نہ کرو۔

اسی طرح ایک مرتبہ مفتی صدر الدین خاں نے آپ کے ہاں سے کچھ کتابیں متعارف کروائیں آپ نے بھیج دیں۔ جلدیں شکستہ تھیں مفتی صاحب نے واپسی کے وقت نئی جلدیں بنا کر واپس کر دیں۔ جب آپ کے پاس کتابیں پہنچیں تو آپ نے جلدیں توڑ کر مفتی صاحب کے پاس واپس فرمادیں اور کہلا بھیجا ہمارے وہی پرانے پٹھے بھیج دو۔

مولانا علاؤ الدین صاحب بھلیٹی کی دختر فرخندہ اختر فاطمہ آپ کے حوالہ عقد میں تھیں، یہ وہی سعادت مند خاتون ہیں جس کے بطن اطہر سے حضرت امام محمد اسماعیل نے جنم لیا جن کے فلفلہ علم و عمل سے چار دانگ عالم گونج اٹھا۔ جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو حضرت شاہ

عبدالغنی صاحب کا خیال تھا کہ آپ کی رضاعت کے فرائض کسی نیک انا کے سپرد کر دیئے جائیں
مگر اس نیک نخت خاتون نے اسے تسلیم نہ کیا اور اپنے لاڈلے کو خود ہی دودھ پلایا۔ چشم تصور
دیکھتی ہے کہ آپ ایام رضاعت میں شاید اپنے بچے کو اس طرح لوری دیا کرتی تھیں :

”اے رب ذوالجلال ! میرا فونہال مجاہد بنے اور تیرے محبوب
کے لگائے ہوئے درخت کو اپنی جوانی کے گرم گرم خون سے سیراب
کر دے“

اور پھر چشم ملک نے دیکھا کہ یہ بچہ جوان ہو کر مجاہد بنا۔ اتنا بڑا مجاہد کہ اس کی شجاعاوتوں
اور لبائتوں کی تبر صغیر پاک و ہند میں مثال شکل سے ملتی ہے۔

آپ کو اپنے فرزند ارجمند کی معیت میں رجب بیت اللہ کی بھی سعادت نصیب ہوئی اور
آپ حضرت سید احمد سے بیعت بھی تھیں۔ حج کے موقع پر کچھ معظّمہ میں ہی قیام پذیر تھیں کہ
سخت بیمار پڑ گئیں اور آخر کار پیام اہل آسپہنچا اور عازم ملک عدم ہو گئیں جنت المعلیٰ میں آپ
مجاہد استراحت ہیں ^{۱۳۳۴} غفر اللہ لہا و تور مرقدہا۔

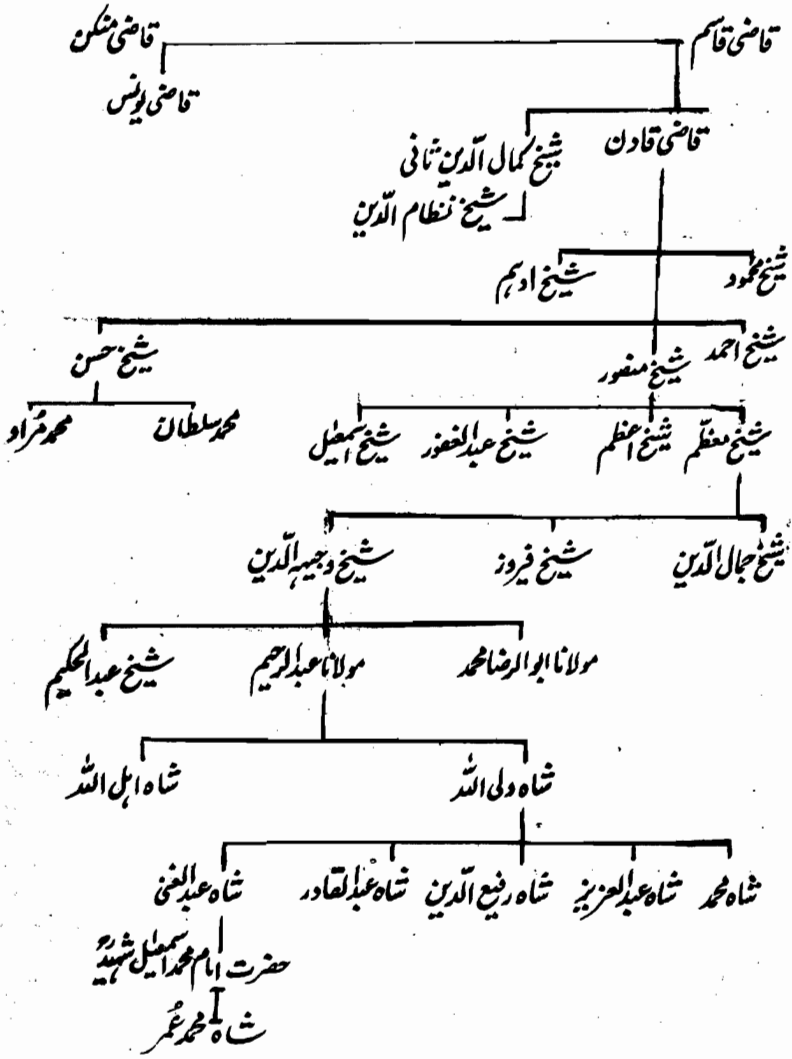
نواب وزیر الدولہ اور مولانا محمد جعفر تھانوی سیر مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی
صاحب بھی حضرت سید صاحب سے بیعت تھے یہ درست نہیں کیوں کہ صحیح روایت کے مطابق
آپ کی وفات ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ میں ہوئی جب کہ سید احمد نے عمر شریف کی ابھی صرف دو تین
بہاریں ہی کچھی تھیں کیونکہ آپ کی ولادت باسعادت ۶ صفر ۱۱۲۰ھ میں ہوئی لہذا حضرت شاہ عبدالغنی
کے سید صاحب کی بیعت کے کیا معنی ؟

آپ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں میں سے سب سے پھوٹے تھے لیکن اپنے تمام
صحابیوں کی نسبت سب سے پہلے یعنی ۱۶ رجب ۱۲۰۳ھ بمطابق ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء کو دنیا سے
رخصت ہو گئے جب کہ عمر شریف کی ابھی تک صرف ستاون بہاریں کچھی تھیں۔

آپ نے حضرت امام محمد اسماعیل شہید کے علاوہ رقبہ نامی ایک دختر نیک اختر کو بھی
یادگار چھوڑا جو کہ مولانا علاء الدین پھلتی کے پوتے شیخ کمال الدین کے حسب اللہ عقد
میں تھیں۔

شجره نسب حضرت امام محمد اسماعیل شهید

شیخ شمس الدین
 شیخ کمال الدین
 شیخ قطب الدین
 شیخ عبدا
 قاضی بدھا



باب دوم

امام محمد اسرار محمدیہ شہید

دنیا کے عظیم المرتبت اور اول العزم اشخاص کی حیات ایک ستر نہاں ہوتی ہے اور وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بدولت جو کارنامے نمایاں سرانجام دیتے ہیں وہ آنے والی نسلیں کے لیے مینارہ نور ثابت ہوتے ہیں ایسی ہی مقدس شخصیتوں میں سے ہے حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ بھی تھے جن کے سوانح حیات اور مجاہدانہ کارناموں کی تفصیل آپ اس کتاب میں پڑھیں گے معلوم ہوتا ہے کہ خالق کائنات نے حبیب الہی، عشق رسول، علم و عمل، ولولہ جہاد، تڑپ احیائے دین اور سوز و گداز سے ایک آمیختہ بنایا اور نام اس کا اسمعیل رکھ دیا۔ بلکہ سچ پوچھیے تو حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ کی حیات کائنات کی تمام تصوری اور نظری خوبصورتیوں سے تعبیر ہے بقول مہر موحیؒ ایک نیاز مند نے لکھا ہے کہ :-

۱۱۹۳ء بمطابق ۲۹ اپریل ۱۷۷۹ء کو اس عالم رنگ و بو کو قدمِ مینت لڑوم سے نوازا اور یہی روایت مستند ہے۔ میر شہامت علی نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۸ شوال ۱۱۹۶ء لکھی ہے مگر یہ روایت غلط ہے یہ سعادت پُجلیت ضلع مظفرنگر کے حصہ میں آئی کہ اس کے ملک پر یہ ماہِ شب چہار دھم نمودار ہوا۔

اس نابغہ عصر اور عبقری زماں (GENIUS) محدث و مفسر، نقیبہ و تکلم، مصنف و مبلغ اور غازی و مجاہد

ولادت یا سعادت

والدین نے نہایت عمدہ طریق سے اپنے زونہال کی تربیت کی۔

تعلیم و تربیت

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب اپنے لاڈلے کی رضاعت کے فرائض کسی آٹا کے سپرد کرنا چاہتے تھے مگر آپ کی والدہ ماجدہ نے اسے تسلیم نہ کیا اور اپنی کمزوری و ناتوانی کے باوصف اپنے صاحبزادہ کو خود ہی دودھ پلایا۔ آپ بچپن ہی سے بڑے پتے تھے حتیٰ کہ عہدِ شباب میں بھی دھان پان بلکہ مشتمل استخوان ہی رہے لیکن اس کے باوجود جسم توانا اور مضبوط تھا۔ لڑکپن ہی میں آپ حلیم بردار، مجتہم اخلاق اور پیکرِ اخلاص تھے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب فرمایا کرتے تھے :-

”میرے ماں جو بچہ پیدا ہوا ہے وہ کچھ ایسا چپ اور غریب ہے

کہ روزِ مطلق نہیں جانتا۔“

لیکن یاد رہے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا یہ ارشاد آپ کے زمانہ نشتر خواری کے متعلق ہے ورنہ لڑکپن میں آپ بھی شوخ و شنگ تھے کھیل کود میں بھی دلچسپی لیتے، میلوں ٹھیلوں میں بھی شرکت فرماتے مولانا امیر شاہ خاں صاحب نے مولانا عبدالقیوم صاحب سے روایت

کیا ہے کہ :-

مولانا شہیدؒ ابتداء میں نہایت آزاد تھے، کوئی میلہ خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا ایسا نہ ہوتا تھا کہ جس میں وہ شریک نہ ہوتے ہوں اور کھیل بھی ہر قسم کے کھیلتے تھے کنگوا بھی لڑاتے تھے شطرنج بھی کھیلتے تھے مگر باوجود اس آزادی کے بزرگوں کا ادب اور لحاظ آتا تھا کہ تینگ اڑا رہے ہیں کہ اور بیچ لڑا رہے ہیں، مخالف کے تینگ کاٹنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اتنے میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ حجرہ سے نکلے اور آواز دی اسمعیل! یہ آواز سنتے ہی فوراً جواب دیتے حضور! اور تینگ کو اسی حالت میں پھوڑ کر چلے آتے تھے

آپ کی یہ آزادی، زندہ دلی اور طبیعت کا مرتجان مرتج ہونا آپ کے زہد و تقویٰ اور تحصیلِ علم پر قطعاً اثر انداز نہ ہوا۔

آپ کے والد ماجد نے زہدِ تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑا خود اٹھایا مگر افسوس کہ آپ نے عمر شریف کی ابھی موت دس بہاریں ہی دیکھی تھیں کہ باپ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔ اسی وقت سے حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے برادر زادے کو اپنے دہن تربیت سے لے لیا اور حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ آپ کا خیال رکھا اور تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ اسی طرح شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ رفیع الدینؒ بھی اپنے مرحوم بھائی کی اس یادگار سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

موت و نحو کی ابتدائی کتابیں تو آپ نے اپنے والد مرحوم سے ہی پڑھی تھیں بلکہ ان کے وصال تک آپ کو صرف و نحو میں کامل دسترس حاصل ہو چکی تھی۔ خاندانی رسم و رواج کے مطابق بچپن میں آپ کو ریاضی کی تعلیم بھی دی گئی اور ریاضی میں آپ نے اس قدر عبور حاصل کر لیا کہ مشکل سے مشکل مسائل حل میں مہر میں حل کر لیتے تھے ابھی چھ برس کے ہی تھے کہ آپ نے اقلیدس کے تمام لازمی اصول نوک زبان کر لینے تاریخ سے بھی آپ کو بہت زیادہ دلچسپی تھی تاریخ کے لینے جغرافیہ سے واقفیت چونکہ ضروری ہے اس لیے آپ نے جغرافیہ کی

کتابوں کو بھی پڑھا اس وقت مختلف قسم کے جغرافیہ نصابِ سلیم میں داخل تھے اس لیے آپ نے جغرافیہ کی بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی۔ آپ کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ طالبِ علی کے زمانہ میں ہی ہندوستان خصوصاً پنجاب کے جغرافیہ کو زیادہ دیکھا کرتے تھے شاید اسی خطہٴ ارض کو اپنے ارادوں کی تکمیل کے لیے پچھن ہی سے زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ آٹھ برس کے ہوئے تو آپ کو حفظِ قرآن کی سعادت بھی نصیب ہو گئی اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ بعض حفظِ متن ہی نہ تھا بلکہ ترجمہ و معانی قرآن پاک تک آپ کو رسائی حاصل ہو چکی تھی۔

والدِ مرحوم کے دنیا فانی سے عالم جاودانی کی طرف رختِ سفر باندھ جلنے کے بعد منطقِ فلسفہ اور دیگر فنون کی زیادہ تر کتابیں آپ نے شاہ عبدالقادر سے ہی پڑھی تھیں ان کے علاوہ شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبدالحی سے بھی آپ نے کسبِ فہم کیا حدیث کی زیادہ تر کتابیں آپ نے حضرت شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں اور اپنی خداداد استعداد سے بہت جلد حدیث میں مہارت حاصل کر لی بعض سوانح نگاروں کے بقول تیس ہزار احادیث مبارکہ آپ نے حفظ کر لیں۔ مولانا کرامت علی حیدر آبادی فرمایا کرتے تھے کہ میں حدیث میں مولانا شہید کا ہم سبق تھا مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کبھی مطالعہ نہیں کرتے تھے۔ ساتھی آپ کو بے پرواہ کہتے اور شاہ عبدالعزیز جہکے پاس شکایت کرتے رہتے تھے۔ شاہ صاحب بھی شکایتیں سننے سننے مجبور ہو کر ایک دن جماعت میں تمام طلبہ کے سامنے فرماتے لگے اسمعیل! تم مطالعہ نہیں کرتے۔ اور کھیل کود میں زیادہ دلچسپی لیتے ہو۔ سن کر آپ نے جواب دیا، حضور! آپ مجھ سے، کچھ پڑھا ہوا دریافت فرمائیں، تو شاہ صاحب نے اسی مجلس میں آپ سے کچھ سوالات دریافت فرمائے۔ آپ نے اس قدر حسنِ پیرایہ بیان میں انہیں حل کیا کہ وہی ساتھی جو اسباق میں آپ کے دلچسپی نہ لینے کے پیشِ نظر اکثر نالاں رہتے تھے اب تحسین و آفرین کے کھول ببارہے تھے اور استاد محترم حضرت شاہ عبدالعزیز کی مسرت کی بھی انتہا نہ تھی۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ عمر کے بارہوی برس آپ اقلیدس کی نہایت مشکل کتاب "صدر" پڑھ رہے تھے اور اس کے آٹھ آٹھ دس دس صفحات بغیر کسی مقام

پڑے کے پڑھ جاتے تھے اور استاد سے کچھ دریافت نہ کرتے عبدالکریم بخاری ایک معلم علم
 آپ کے ہم درس تھے وہ آپ کی ذہانت و فطانت کی وجہ سے آپ سے حد کرتے تھے ایک
 دن آپ نے کتاب کھولی مگر یاد نہ رہا کہ کل کہاں تک پڑھا تھا۔ ورق گردانی کرتے ہوئے
 عبدالکریم نے دیکھا تو جھلا کر کہنے لگے میاں! نکھی مار کر رکھ لیا کہ و تا کہ سبق تلاش کرنے میں
 تمہیں کسی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ آپ نے اس کا قسم سے جواب دیا اور خاموش ہو رہے
 ایک دن "صدرا" کا انتہائی مشکل مقام تھا مگر آپ حسب معمول وہاں سے بھی رواں دواں
 گزر گئے بخاری صاحب کا خیال تھا کہ آپ یہاں ضرور رکھیں گے اس لیے ان کی حسین پر
 شکنیں پڑ گئیں اور غصہ سے تلملاتے ہوئے کہنے لگے "صاحبزادہ! تم کچھ سمجھے بھی یا یوں ہی
 گھاس کاٹتے چلے جاتے ہو؟" آپ نے بغیر کسی ناراضی کے اظہار کے بڑی متانت سے فرمایا
 کہ اگر آپ کوئی بات نہ سمجھ سکے ہوں تو دریافت فرمائیے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ اس عبارت
 کی وضاحت کر دیجئے۔ آپ نے اس عبارت کو اس قدر عمدہ، سلیس اور شگفتہ انداز میں حل
 فرمایا کہ استاد محترم اور طلبہ عیش عیش کر اٹھے۔ اس کے بعد آپ نے "صدرا" کے حاشیہ پر
 اعتراض کیا اور اپنے موقف کی تائید میں نہایت ٹھوس دلائل پیش کیے دراصل اقلیدس اور
 ریاضی سے تو آپ کو بچپن سے ہی نہایت دلچسپی تھی۔ بہت تھوڑی مدت میں آپ نے ان پر
 عبور حاصل کر لیا مرنہ حیرت نے لکھا ہے کہ ریاضی کے بڑے بڑے مسائل آپ چٹکیوں میں سلجھا
 دیتے تھے اور لاکھوں روپے کی رقموں کا جوڑ صرف دو چار منٹ کے داخل سے فوراً بتا دیتے تھے
 اور بقول حضرت نواب والا جاہ صدیق حسن خاں علم حساب آپ کی آنکھوں پر رہتا تھا۔ مبدأ
 فیاض بڑی بڑی عالی شان داغ اور غیر معمولی ذہانتوں اور فطانتوں کی دولت سے آپ کو
 مال مال فرمایا ہوا تھا۔ حضرت نواب والا جاہ رقم طراز ہیں :-

جو ہر ذکاوت اور بغایت عالی
 افتادہ بود و حکایات ذہانت و فطانت
 و لے ہنوز نقل ہر مجلس و زین ہر محفل
 اہل علم است

آپ کا جو ہر ذکاوت بہت بلند تھا اور
 آپ کی ذہانت و فطانت کی حکایات اب
 تک اہل علم کی ہر مجلس کے لیے باعث
 زینت ہیں۔

تشریف نے بھی لکھا ہے کہ ایسے فرد کامل کا پیدا ہونا خدائے ذوالجلال کی قدرت کاملہ کا ایک خاص کرشمہ تھا۔ غیر معمولی ذہانت کے ساتھ طبیعت میں استغنا بھی بہت تھا مطالعہ پر چنداں توجہ نہ تھی۔ مقام سبق اکثر محفوظ نہ رہتا کبھی اصل مقام چھوڑ کر آگے سے شروع کر دیتے شاہ عبدالقادرؒ ٹوکتے تو کہہ دیتے کہ بیچ کا حصہ آسان سمجھ کر چھوڑ دیا کبھی پڑھا ہوا حصہ دوبارہ پڑھنے لگتے جب حضرت اس سے متنبہ فرماتے تو آپ اس میں کچھ شبہ فرمادیتے اور وہ شبہ ایسا ہوتا کہ حضرت استاد کو اس کے دفع میں بہت متوجہ ہونے کی حاجت ہوتی ہے پندرہ سولہ سال کی عمر میں ربی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔ دستا فضیلت اور سند فراغت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائی آپ کی ذہانت و طباعی اور فہم و فراست کی دھوم و دھام تمام شہر میں بہت جلد پھیل گئی۔ اس لیے بڑے بڑے عالم جب آپ سے ملتے تو امتحان کی غرض سے سر رہے ایسے مسائل پوچھ لیتے جن کا جواب کتابوں اور مشرحوں کے بغیر ممکن نہ ہوتا۔ لیکن آپ کتابوں کی اعانت کے بغیر فوراً ایسے تسلی بخش جواب دیتے کہ علماء و محو حیرت رہ جاتے۔ سعادت یار خاں زمین کا قول بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ جب انہوں نے آپ کی ذہانت و ذکاوت کو دیکھا تو کہا کہ :-

”اس خاندان سے جو اٹھتا ہے یا اون گزرا اٹھتا ہے“^{۱۶}

ایک مرتبہ شاہ عبدالعزیزؒ نے کسی اہم استفادہ کا جواب لکھا اور اسے اپنی منہ پر چھوڑ کر کسی کام کی غرض سے اندر مکان میں تشریف لے گئے اتنے میں آپ بھی وہاں تشریف لے آئے فتویٰ کو ملاحظہ فرمایا تو اس میں چند فروگزاشتیں نظر آئیں تو آپ نے اپنے قلم سے صحیح کر دی اور فتویٰ وہیں رکھ دیا اور چلے گئے۔ جب شاہ عبدالعزیزؒ آپ تشریف لائے اور اسے ملاحظہ فرمایا تو بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے لگے -

”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ علم ابھی ہمارے خاندان میں باقی ہے۔“

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا رشید الدین صاحبؒ ایک دفعہ درس دیتے ہوئے طلبہ سے فرماتے لگے کہ مولانا پھیل کو دنیات کے ساتھ شغف ہے۔ باقی معقولات کی

طرف توجہ نہیں ہے اتفاقاً مولانا شہیدؒ کو ایک دن بخار آ گیا اور مولانا رشید الدین صاحب عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ مولانا شہیدؒ فرمانے لگے کہ مولانا آج بخار میں داغ پریشان تھا اور اس پریشانی اور انتشار کئی حالت میں فلاسفہ کے فلاں فلاں مسئلہ کی طرف ذہن منتقل ہو گیا اور ان مسائل پر میرے دل میں یہ یہ اعتراضات پیدا ہوئے مولانا رشید الدین خاں صاحبؒ بالکل ساکت رہے۔ وہ اپنے ہونے پر ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ تو فرماتے تھے کہ مولانا بھٹیلہ کو معقولات کی طرف کوئی توجہ نہیں، فرمایا کہ بے شک میں نے یہ کہا تھا مگر اب میری رائے یہ ہے کہ اگر ارسطو اور افلاطون بھی قبر سے نکل کر آجائیں تو مولانا کے بیان کردہ اعتراضات کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس واقعہ کو شاہ عبدالقادرؒ کے اس واقعہ سے ملا کر پڑھیے جو ان کے اور مولوی فضل حق خیر آبادی دمختی صدر الدینؒ کے مابین رونما ہوا جس کا تذکرہ ہم شاہ عبدالقادرؒ کے حالات میں کر آئے ہیں تو اس کا لطف دو چند ہو جائے گا۔

اس سے مرستید کے اس قول کی بھی تائید ہو جاتی ہے جو انہوں نے آپ کے رسالہ منطلق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے اس میں شکل اول کے لبعید الطبیح اور شکل رابع کے ابدہ البدیہات ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو اپنی براہین کو تار عنکبوت سے سسٹت تر سمجھتا، مولانا فضل حق صاحب خیر آبادیؒ نے آپ کی شہادت کی خبر سن کر کہا تھا :

.. وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا۔ کوئی شیئی نہ تھی جس کی انیت اور
لمیت اس کے ذہن میں نہ ہو۔"

اکی دہرے سے تو حضرت والا جاہ نواب صدیقی حسن خاں صاحبؒ نے لکھا ہے :-

مقول و منقول میں اگلے لوگوں کی یاد بھلا دیتے تھے فروغ اصول میں ائمہ کو پورے پر بٹھا دیتے تھے۔ جس علم میں ان سے بات کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ اس فن کے امام ہیں اور جس فن میں ان سے مناظرہ کی نوبت آئے

"در علوم مقول و منقول یاد پیشینیاں از خاطر می برد۔ در علم فروغ و اصول ائمہ و آل را دور تر می نشاند۔ در ہر علم کہ با او سخن رانی دانی کہ دے امام این فن است و در ہر فن کہ باوے مناظرہ کنی استناسی کہ دے"

حافظ ابن علم است تمام عمر خود را اور
اعلائے کلمۃ اللہ و احیاء سنن رسول اللہ و
جہاد فی سبیل اللہ و ہدایت خلق اللہ کرنا
و لے بارام در جائے از بلاد اسلام ناسود
گی تو جان لوگے کردہ اس کے حافظ ہیں
ساری عمر خدا کے کلمہ کی سر بلندی، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن کے احیاء، راہ خدا میں
جہاد اور خلق خدا کی ہدایت میں گزار دی اور کئی اسلامی
مقام پر ایک لمحے کیلئے بھی آرام نہ فرمایا۔

یہ تو پر سبیل تذکرہ چند اقوال آگئے ورنہ جہانزہ علماء کرام اور اساطین علم و فضل نے
تحسین و آفرین کے پھولوں کے جو گلستے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں ان کا تذکرہ ہم آئندہ
ایک مستقل باب میں کریں گے۔ یہاں تو یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام
صاحب کو بے شمار علوم و فنون میں درجہ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالعزیز
نے فرمایا عبدالحی "تفسیر میں، رشید الدین" تحریر میں، مرزا حسن علی حدیث میں اور شاہ اسحاق فاضل
میں میرا نمونہ ہیں لوگوں کو تعجب ہوا کہ آپ نے اس سلسلہ میں حضرت امام صاحب کا اسم گرامی نہیں
لیا؛ چنانچہ آپ سے استفسار کیا گیا تو فرمائیے گئے۔ ان کا علم کسی خاص شعبہ میں محدود نہیں،
جنہوں نے میرے عہد شباب کا علم دیکھا ہے، اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لو، الغرض علم و
فضل میں آپ کا مقام بہت ہی زیادہ بلند تھا اسی وجہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز نے آپ کو
"حجۃ الاسلام" کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے

بعض لوگوں نے حضرت امام صاحب کی طرف درزشوں

وغیرہ کے متعلق بعض ایسی روایات کا انساب کیا ہے جو

غیر مستند روایات

صحیح کے ساتھ ثابت نہیں ہیں مثلاً "مرزا میرت دہلوی نے "حیات طیبہ" کے باب دوم میں
شمیر زنی، نیزہ بازی، پٹے بازی، تیراکی، سوادری اور بنوٹ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ
لکھا ہے کہ آپ تیز دھوپ میں مسجد فوج پوری کے پتیلے ہوئے فرش پر گھنٹوں برسنہ پاؤں چلتے
رہتے تھے، کئی کئی روز بھگے پیاسے رہتے۔ کڑکے جاڑوں میں برسنہ رہنے کا عادی بنا لیا۔
کم سونے کی اتنی عادت پیدا کر لی کہ آٹھ آٹھ دس دس دن تک نہ سوتے تھے یہ سب روایات
فرض معلوم ہوتی ہیں۔ مولانا غلام رسول ہر مرحوم نے بھی جو کہ تحریک مجاہدین کے سلسلہ میں متخص

و SPECIALIST) کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس باب میں تین عظیم الشان کتابوں کے مصنف ہیں، ان روایات کو غیر مستند قرار دیتے ہوئے لکھا ہے۔

۔ شاہ صاحب لاریب ایک غیر معمولی انسان تھے اور روزشوں یا دورے کے بغیر بھی ان کی عظمت میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔

مگر انہوں نے ان روایات کے غیر مستند ہونے کے دلائل ذکر نہیں فرمائے واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ کی اولاد میں صرف ایک صاحبزادی تھی جس کا نام زینبؒ تھا شاہ صاحب نے اسے شاہ رفیع الدینؒ کے صاحبزادے عبدالرحمنؒ عرف مصطفیٰ کے نکاح میں دے دیا تھا ان کے ہاں بھی صرف ایک بچی تو لے ہوئی جس کا نام کلثومؒ رکھا گیا۔ شاہ عبدالقادرؒ نے کلثوم حضرت امامؒ کے حوالہ عقد میں دے دی تھی اس طرح ان کو حضرت امام سے کئی نسبتیں پیدا ہو گئی تھیں، اولاً یہ کہ وہ آپ کے حقیقی تایا تھے، ثانیاً انہوں نے آپ کو متبغی بنا لیا تھا۔ ثالثاً اپنی نواسی سے آپ کا نکاح کر دیا۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی زندگی میں کل جائیداد حصص شرعیہ کے مطابق اپنی صاحبزادی اور بھائیوں کے نام کر دی تھی اور ان کی اجازت سے ایک حصہ حضرت امام کو بھی دے دیا تھا۔

حضرت امام محمد سمیع شہیدؒ کے ہاں صرف ایک صاحبزادہ گرامی شاہ محمد محمد صاحبؒ

اولاد نے جنم لیا۔ آپ کی ولادت و نشأت دہلی میں ہوئی تحصیل علم سے فراغت کے بعد مندرتدریس پر رونق افروز ہوئے انتہائی عابد و زاہد اور تہجد گزار و شب زندہ دار تھے ساری زندگی قناعت، عفاف، توکل، استغناء، تبسّل الی اللہ اور دنیا سے بے رغبتی کے ساتھ گزار دی۔ حتیٰ کہ البرص نظر تیسری بادشاہ نے اکثر آپ کی ملاقات کی تمنا کی اور اراکین سلطنت کے ہاتھ پیغام ملاقات بھیج کر قلعہ کو قدم مہینت لزوم سے نوازنے کی استدعا کی مگر آپ نے جواب میں یہی فرمایا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ مجھ سے ملاقات چاہتے ہیں ان کی بزرگی اور تقدس مجھ میں نہیں ہے اسی عذر کے پیش نظر آپ کبھی ملاقات کے لیے نہ گئے۔

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ ۱۔
 مولانا محمد عمر نہایت عابد و زاہد آدمی تھے نماز نہایت ہی خشوع و
 خضوع سے ادا کرتے، رکوع و سجود میں آناکٹ طویل کرتے کہ آدمی
 سبحان ربی اعظم، سبحان ربی الاعلیٰ ۲۷-۲۸ بار پڑھ لیتا۔

خاں امیر شاہ صاحب نے مفتی صدر الدین صاحب کی زبانی یہ بیان فرمایا ہے، مشہور تھا
 کہ مولوی محمد عمر صاحب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیارت ہوتی ہے اس پر
 میں اور امام صاحب جامع مسجد اور دو دوسرے اشخاص نے اصرار کیا کہ ہم کو بھی زیارت کرا
 دیکھئے مگر مولوی محمد عمر صاحب نے منظور نہ کیا لیکن ہم نے اپنا اصرار برابر جاری رکھا۔ ایک مرتبہ
 میں نے خواب میں دیکھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جامع مسجد کے منبر پر تشریف فرما ہیں
 اور مولوی محمد عمر آپ کو مورچھل جھل رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ صدر الدین آؤ جناب رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لو اور بعینہ یہی خواب امام صاحب نے دیکھا اور اسی طرح ان دوسرے
 اشخاص نے دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو میں امام صاحب کی طرف چلا تا کہ ان سے یہ خواب بیان
 کروں اور وہ اپنا خواب بیان کرنے کے لیے میری طرف چلے اور وہ دوسرے اشخاص بھی ہماری
 طرف چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ایک مقام پر ہم سب مل گئے اور میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس
 جا رہا تھا۔ رات میں نے یہ خواب دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس آ رہے تھے ہم نے
 بھی بعینہ یہی خواب دیکھا ہے اب ہم سب مل کر مولوی محمد عمر صاحب کے مکان پر آئے تو اس
 وقت مولوی صاحب اپنے مکان کے سامنے ٹھل رہے تھے ہم نے ان سے یہ خواب بیان کیا تو
 انہوں نے کہا کہ نہیں میں ایسا نہیں ہوں اور یہ کہتے ہوئے جھاک گئے۔

آپ کے اساتذہ کرام میں سے صرف حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کا اسم گرامی معلوم ہو
 سکا ہے آخر کار اس مجسم اخلاق للہیت اور پکیہ زہد و اتقاؤ نے ۱۲۱۵ھ میں اپنی جان
 جان آفرین کے سپرد کر دی اور اس طرح خاندان شہید کا خاتمہ ہو گیا۔ اگرچہ روحانی اعتبار
 سے تمام تربیتیہ پاک و منہد اسی دو دان عالی سے منسلک ہے مگر آہ اجماعی طور پر اس کچھ
 گراں مایہ کا نایاب موجد ناکس قدر افسوس ناک ہے۔

اے فلک یوں بھی مٹاتے ہیں کسی عاشق کو
نہیں کا نقشِ قدم تک نہ بیا باں میں رہا

حضرت سید احمدؒ کو دہلی میں تشریف لائے
ہوئے ابھی تھوڑی مدت ہی ہوئی تھی

حضرت سید احمد کا آغازِ بیعت

کہ آپ نے بیعتِ طریقت لینے کا سلسلہ شروع فرمادیا اور یہ ۱۲۳۴ھ بمطابق ۱۸۱۸ء کی بات ہے
آپ کے دستِ حق پرست پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ
پہلے تھے۔ آپ نے حضرت امام صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالمحی صاحبؒ سے پہلے بیعت کی
اور ترقی درجات و بلندی مراتب میں وہ مقام حاصل کر لیا کہ یہ دونوں مقدس شخصیتیں ہی آپ کو رشک
کی نگاہوں سے دیکھتی ہیں آپ کے بعد یہ دونوں بزرگ بھی بیعت ہو گئے جس کی تفصیل حسب
ذیل ہے۔

ایک روز مولانا عبدالمحی صاحبؒ نے اسرارِ نماز اور حضورِ قلب کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز
صاحبؒ سے گفتگو کی۔ انہوں نے فرمایا کہ تقویٰ و اخلاق کی کتابوں میں ان امور کی تشریح موجود
ہے مثلاً "احیاء علوم الدین" وغیرہ لیکن مُرشدِ کامل کے بغیر حصولِ مقصد مشکل ہے اور اس کے لیے
انہوں نے حضرت سید صاحبؒ کی طرف رجوع کا مشورہ دیا۔

مولانا عبدالمحی صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کے مشورہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے فوراً حضرت سید
صاحبؒ کی طرف رجوع کیا اور خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا تو حضرت
سید صاحبؒ فرماتے لگے :-

نماز کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ رتبہ ذوالجلال والاکرام نے حضرت انسان کو اشرف
المخلوقات بنایا اور اس کے سر پر تاجِ خلافت رکھا ہے لہذا اسے حکم دیا کہ اس کے دربارِ عالی
میں روزانہ حاضری دے ورنہ غیر حاضری کی صورت میں سخت باز پرس کی جائے گی۔ پس نماز اس
شہنشاہِ عالی کے بلند مرتبہ دربار میں حاضری سے تعبیر ہے۔ لہذا نماز پڑھتے وقت یہ ملحوظ خاطر
رکھنا چاہیے کہ میں کس ذاتِ اقدس کے دربار میں حاضری دے رہا ہوں اس دربار کے تقدس کا
تقاضا ہے کہ انسان پاک اور طیب لباس زیب تن کرے اور ہر طرح کی صفائی، پاکیزگی، نظافت

اور طہارت کا خیال رکھتے اسی لیے قبل از نماز وضو ضروری قرار دیا گیا اور اگر ضرورت ہو تو غسل بھی پھر نماز میں خشوع و خضوع کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر رکن کے مضمون پر غور کیا جائے اور جس سورہ کی تلاوت کی جا رہی ہو اس کے مضامین پر بھی تدبیر کیا جائے۔

در بار الہی میں انتہائی عقیدت، احترام، تعظیم اور اخلاص نیت سے کھڑا ہونا چاہیے اور تصور یہ ہو کہ میں ہر طرف سے اپنے رُخ کو پھیر کر صرف اور صرف اسی کی طرف موڑ رہا ہوں اور جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے ایسے ہی رُخ کی توجہ بھی ذاتِ اقدس کی طرف ہونی چاہیے یعنی نماز پڑھنے والے کو ظاہری و باطنی ہر طرح سے خدا سے لولا گائینی چاہیے۔

جب قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھوں کو کالوں تک اٹھائے اور اللہ اکبر کہے تو تصور میں یہ ہو کہ اے اللہ! میں دنیا و مافیہا سے دستبردار ہو کر تیری طرف متوجہ ہو رہا ہوں اور دونوں ہاتھ سینہ پر باندھ کر نہایت خشوع و خضوع اور ادب سے کھڑا ہوا اور تصور یہ ہو کہ اس شہنشاہِ عالمی کے دربار میں کھڑا ہوں جو کہ میری تمام حرکات و سکنات کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔

بہر حال استفتاح پڑھے چونکہ شیطان لعین انسان کا ازلی وابدی دشمن ہے جو ہر وقت اسے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے دور کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتا ہے لہذا اس خطرہ کے پیش نظر کہ وہ کہیں بہکانہ دے تو خود پڑھنا ضروری قرار دے دیا گیا اور اس کے بعد سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورہ تلاوت کرے اور پھر ارادہ پا بوسی کرتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر دربارِ الہی میں جھک جائے اور خیال میں ہو کہ اے اللہ! تیری عظمت و جلال کے پیش نظر میری کمرجھکی اور زبان سے سبحان ربی العظیم کا نغمہ الاپ رہا ہوں۔ جب رکوع میں حضور کی سی کیفیت پیدا ہو جائے تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتا ہوا سیدھا کھڑا ہو جائے اور دل میں خیال یہ کرے کہ اے اللہ! میں تیری اطاعت و فرمانبرداری پر مستقیم ہو گیا ہوں۔ اب پھر ارادہ پا بوسی سے اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ ریز ہو جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ کا بار بار اس تصور سے وزو کرے کہ اے اللہ! میں نے اپنے اعضاء میں سب سے افضل یعنی سر کو تیرے آستانہِ عالیہ پر رکھ دیا ہے۔

زندگی کی اب یہی سب سے بڑی ہے آرزو

ہو جو بین شوق میری اور تیرا آستان

سجدہ چونکہ تقرب الہی اور انوار و تجلیات کے نزول کا عمل ہے اس لیے بندہ ہیبت خداوندی کے سبب تمام غمخون ایک مرتبہ عرض کرنے سے قاصر ہے اس لیے حکم ہوا کہ کچھ دیر ٹھہر کر دوسری بار پھر عرض کرے اسی وجہ سے سجدہ سے سر اٹھا کر کچھ دیر بیٹھنا پڑتا ہے اور کہنا پڑتا ہے "اللهم اغفر لی و ارحمہنی و اهدنی و ارزقنی ذرا رضی اجابنی پھر اللہ اکبر کہہ کر سجدہ دین ہو جائے۔ اسی طرح دوسری رکعت پڑھے اور خیال میں ہو کہ اب میں دوبارہ الہی میں بیٹھنے کے قابل ہو گیا ہوں اور قصہ میں بیٹھ جائے چونکہ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر و بار میں خاموش بیٹھنا مسوور ادب ہے لہذا قصہ میں بیٹھے چھٹے ذکر الہی میں جلب اللسان رہنے کا حکم ہوا "التحیات لیلہ" الخ پھر خیال کرے کہ اب دوبارہ خداوندی سے رخصت کا وقت آ گیا لہذا سرور دنیا و دین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور اپنے لیے دعا کے بعد دائیں بائیں کے نمازی بھائیوں اور فرشتوں کو سلام کہتا ہوا رخصت ہو جاتے۔ یہ کیفیت بیان کرتے ہوئے آخر میں سید صاحب نے فرمایا :-

مولانا صاحب! اصولِ این مقصد بہ

گفتگو راست نمی آید۔ ہمیں نماز است کہ در بدو نوبت سید الانبیاء و صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل امین محکم رب العالمین برائے تعلیم آں امامت فرمودہ اند۔ بیا برخیزو تحریرہ دور رکعت نماز بہ اقتدایم بر بند مولانا علیہ الرحمۃ حسب المأمور بہ عمل آودہ تحریرہ دور رکعت نماز بہ اقتدائے آں عالی جناب بر بستند۔ درین مقام اکثر آں عالی مقام، (مولانا عبدالحی) بیان سے فرمودند کہ آنحضرت در آں دور رکعت یافتہ ام مہرچ گاہ در عمر خود نیافتہ ام ^{صلی} ۶

مولانا صاحب! یہ مقصد گفتگو سے حاصل نہیں ہو سکتا یہی نماز ہے جو حضرت جبرئیل امین نے بحکم رب العالمین امام بن کر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا و نوبت میں پڑھائی تھی۔ اٹھیے اور دو رکعت نماز میرا اقتداء میں پڑھیے۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے حسب حکم سید صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی اقتداء میں دو رکعت نماز کی نیت بانہ فرمائی۔ اور آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں جو کچھ حاصل ہوا وہ سارا زندگی حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا کرامت علی صاحب جون پورسی نے اس بارے میں مولانا عبدالحی صاحب کا جو بیان اپنی کتاب "نور علی نور" میں نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا عبدالحی نے سلوک الی اللہ کے متعلق شاہ عبدالعزیز سے استفسار کیا تو انہوں نے حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا مشورہ دیا مہر خند کہ تصوف و سلوک میں حضرت شاہ صاحب موصوف کا مقام بہت بلند تھا لیکن مولانا محترم کی قسمی نہ ہوئی تو شاہ عبدالعزیز نے سید صاحب کی طرف مراجعت کے لیے کہا۔ چند روز بعد سید صاحب، مولانا عبدالحی اور حضرت امام صاحب رات کو مدرسہ میں سوئے ہوئے تھے کہ آدھی رات سے کچھ قبل حضرت سید صاحب نے مولانا کو آواز دی اور فرمایا اٹھیے اور اس وقت اللہ کے لیے وضو کیجئے، دو تین قدم چلنے کے بعد روک کر بار بار فرمایا اور پھر فرمایا کہ اللہ کے لیے نماز پڑھیے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ سن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں شاہدہ جلال میں اس طرح غرق ہوا کہ کچھ ہوش باقی نہ رہا۔ اور روتے روتے آنسوؤں سے داڑھی تر ہو گئی۔ جب دو رکعت نماز پڑھ چکا تو خیال آیا کہ فاتحہ نہیں پڑھی ہے عزیمت باندھ لی غرض اسی طرح بار بار کسی فرض کے ترک کا خیال آتا اور میں از سر نو نیت باندھ لیتا اس طرح کم و بیش سو رکعت پڑھ لیں پھر استغفار پڑھنے لگا حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔

سید صاحب سے بیعت، حضرت مولانا عبدالحی نے صبح اپنا تمام ماجرا حضرت امام صاحب سے کہہ سنایا حضرت نے سماعت فرماتے ہی مولانا کو ساتھ لیا اور حضرت سید صاحب کی خدمت میں جا پہنچے۔ آپ نے حضرت امام صاحب کو بھی مولانا صاحب کی طرح دو رکعت نماز پڑھائی۔ اسی دن سے ان دونوں مقدس شخصیتوں نے حضرت سید صاحب کے دامن کو اس طرح تھا کہ تاز لیت جہان نہ ہوئے صاحب الزوار کا دامن نے بھی لکھا ہے۔

.. شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی اکٹھے امتحان کی غرض سے سید صاحب کے پاس پہنچے اور نماز میں حضور قلب کے متعلق سوال کیا تھا سید صاحب نے منکراتے ہوئے فرمایا آج رات میرے مجربے میں آکر میرے پیچھے دو رکعت نماز ادا کیجئے؛ چنانچہ دو رکعت نماز سید صاحب کے ساتھ

پڑھ چکنے کے بعد دو رکعتوں کی نیت باندھ لی۔ سید صاحب کی صحبت اور حقانی توجہ کی برکت سے ساری رات استغراق میں گزار دی بس اس وقت سے ایسے معتقد ہوئے کہ پھر ساتھ نہ چھوڑا، ہنر نے بھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”سید احمد صاحب کے پہلے دو مرید وہ شخص تھے جو اپنے لاشائی ضمیری جوہروں اور اعلیٰ قابلیتوں میں اپنے وقت کے فرد اکمل تھے یہ دونوں فرد اکمل دہلی کے سب سے بڑے حکیم یا فاضل اجل حضرت شاہ عبدالعزیز (م) کے کفن سے تعلق رکھتے تھے لکن

لیکن یاد رہے کہ یہ دونوں بزرگ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھلٹی کے بعد حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ ”مجھے بیعت کیے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز شاہ عبدالعزیز کی خدمت والا درجہ میں حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ میاں! سید کے فیض صحبت سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں ان کی کیفیت بیان کرو۔ میں نے عرض کیا کہ سید عالی تبار کے رتبے کا اندازہ میرے لیے مشکل ہے، البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ خدا نے آپ پر خاص احسان فرمایا جس کا شکر واجب ہے۔ آپ کو دو ظم عطا فرمائے تھے ظم ظاہر کے حامل شاہ عبدالقادر تھے ظم باطن کی وراثت سنبھالنے کے لیے خدا نے سید صاحب کو کھڑا کر دیا میں کوشہ عبدالعزیز نے اپنے بارے میں کلمات عجز کیے، پھر فرمایا :-

میاں! یہ بات سمجھنے کے لائق ہے۔ بارگاہِ احدیت کے محب بہت ہی محبوب کیا ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ جناب رسالت آگ جیب رب العالمین تھے۔

فرمایا : مرتبہ محبوبیت مرتبہ رسالت کی طرح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا ہو۔ میں نے عرض کیا : مثلاً محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی (م)

فرمایا : محبوبیت کا مرتبہ سید عبدالقادر جیلانی (م) پر بھی ختم نہیں ہوا۔ محبت ہمیشہ بلا محنت اور رنج و لغت میں مبتلا رہتے ہیں اس کے برعکس محبوبوں کو کوئی تکلیف نہیں دیتا بلکہ ان کے راحت و آرام کو دل و جان سے پسند کیا جاتا ہے۔ رب العالمین کے محبوبوں کو اکثر سرگردانی و پریشانی لاحق

رتی ہے، لیکن محبوبانِ بارگاہِ اقدس دنیا میں البتہ فاخرہ، اطعمہ لذیذہ اور خدم و حشم سے
تمنا کرتے ہیں اور آخرت میں اس سے بھی زیادہ انعام پاتے ہیں۔
آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز نے سید صاحبؒ کا نام تو نہ یا لیکن تمام اشارے
براہتہٗ آپ ہی کی طرف تھے۔

انہی دنوں یعنی ۱۲۳۰ھ میں آپ کے مرنے، مشفق استاد اور ہم محترم
حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے اب حضرت
امام صاحبؒ نے علوم و فنون کی تدریس کا بیڑا اٹھایا اور خاندانی روایات کے مطابق مسند تدریس کی
زینت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسے چار چاند لگا دیئے۔

پچنانچہ مولانا ابوبکیلی امام خاں نوشہری رقمطراز ہیں۔

”آپ نے اپنے آبائی دارالالتعمیم مدرسہ رحیمیہ کی مسند پر تمکین کے ساتھ
ہی قرآن و حدیث کی تدریس شروع فرمادی۔ نصاب میں مجملہ کتب مروجہ
علوم و فنون کے ایک جامع النصاب کتاب (کہ اس وقت کے مکاتب
میں اس کا وجود نہ تھا) یعنی قرآن مجید گلے میں آویزاں شہر کاہر کوچہ و
بازار مدرسہ رحیمیہ کے محققہ مدارس میں۔ موسم برسات میں یہ مدرسہ دریائے
جمن پر منتقل ہو جاتا ہے کہ سیدنا اسمعیل دریا میں پیرا کی کی مشق بھی
فرما رہے ہیں اور طلباء کو بھی پڑھا رہے ہیں۔ آخر جامع مسجد کی سیڑھیوں
پر شاہ محمد اسمعیل صاحبؒ کا یہ درس، درس خارجی (جسے آج کل
لیکچر کہا جاتا ہے) کی شکل میں ہونے لگا۔ اس کی گونج ادھر بہار، ننگال
و دکن تک اور ادھر پنجاب کی وادیوں سے گونجتی ہوئی کوہستان ہمالہ
کے اس حصہ سے جا مل کر اٹی جو کشمیر اور کابل کے درمیان پھیل
رہا ہے۔“

لیکن افسوس کہ آپ کو تدریس کے لیے بہت کم وقت میسر آیا کیوں کہ آپ سید صاحبؒ
اور دیگر اصحاب و رفقاء کی معیت میں شوال ۱۲۳۲ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۸۲۱ء کو فریضہ

مع ادا کرنے کے لیے رائے بریلی سے سوئے سحارِ مقدس روانہ ہو گئے اور دو سال، دس مہینے کے بعد ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ بمطابق ۲۹ اپریل ۱۸۲۳ء کو وطن واپس تشریف لائے اور مراجعت کے بعد پھر تنہا جہاد کے انتظام میں مصروف ہو گئے اور مراجعت اور تفصیل کے ساتھ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ نے دورانِ تدریس کن کن کتابوں کا درس دیا اور کن کن حضرات نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ تاہم ان لوگوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جنہوں نے آپ کے لیکچرز اور وعظ و ارشاد کی محفلوں میں شرکت کر کے آپ کے علمِ فضل سے استفادہ کیا۔ اسی طرح بقول مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان لوگوں کی تعداد بھی دو اڑھائی لاکھ سے متجاوز ہے جو "تقویۃ الایمان" کا مطالعہ کر کے آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہی درست ہو گئے۔ اور آپ کے بعد اس سے خلقِ خدا کو جو نفع ہوا اس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا مراجعت اور تفصیل کے ساتھ آپ کے تلامذہ کے متعلق علم نہیں ہو سکا۔ تاہم جستجو اور تلاش کے بعد آپ کے جن تلامذہ کا سراغ مل سکا ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

تلامذہ

- ۱، حضرت سید احمد شہید (۲)، مولانا سخاوت علی جونپوری (۳)، مولانا عبدالحق بنارسی،
 - ۴، مولانا عبد اللہ علوی (۵)، مولانا عبد الہادی جھوکوی (۶)، مسجد محمد بن علی نصیر آبادی
 - ۷، مولانا معین الدین سہسوانی (۸)، مولانا وحید الدین بھلتی (۹)، مولانا دلایت علی صادقپوری
 - ۱۰، مولانا کرامت علی دلہوی (۱۱)، مولانا جعفر علی بستوی (۱۲)، مولانا جلال الدین بنارسی۔
- اب ان حضرات گرامی کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے، و بیدہ التوفیق

حضرت ام ہام مجاہد بکیر شہید سعید سید احمد
بن عرفان بن نور حسنی بریلوی، شیخ الاسلام

قطب الدین محمد بن احمد دہلی کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے سینا امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے آپ ۶ صفر ۱۲۳۹ھ (۲۹ نومبر ۱۸۲۳ء) کو پیر کے دن رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں آپ کو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ لیکن کوششوں کے باوجود آپ کی طبیعت تحصیلِ علم کی طرف مائل نہ ہوئی

لیکن اس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکیں اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آپ تمام عمر ناخواندہ ہی رہے جیسا کہ بعض لوگوں نے اہانت کا افسانہ مشہور کر رکھا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ عربی فارسی بخوبی جانتے تھے۔ جب ۱۲۳۵ھ میں دہلی گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے آپ کو خوش آمدید کہا اور اپنے بھائی عبدالقادرؒ کے پاس اکبر آبادی مسجد میں آپ کے قیام کا انتظام کر دیا وہاں آپ نے شاہ عبدالقادرؒ سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں پھر شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت کی سچی کہ علم و معرفت میں آپ کو بہرہ وافر نصیب ہو گیا۔ اس وقت آپ کے مفصل حالات بیان کرنا مقصود ہے اور نہ اس کی گنجائش آپ کے سوانح حیات میں کئی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اس وقت یہ بیان کرنا مطلوب ہے کہ حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ کو اللہ تعالیٰ نے جن بہت سی سعادتوں سے نوازا ان میں سے ایک قابل فخر یہ بھی ہے کہ آپ کے پیرو مشد حضرت امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ نے بھی آپ سے کسب فیض کیا، تعلیم حاصل کی، اور آپ کے تلامذہ میں شامل رہے چنانچہ امیر شاہ خاں صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

”میرے استاد و میاں جی محمدی صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں نے مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ سے ”کافیہ“ شروع کیا تھا۔ اور سید صاحبؒ جب تشریف لائے تو انہوں نے شاہ اسماعیل صاحبؒ سے ”میزان“ شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے ”کافیہ“ میں پکڑ لیا اور ”کافیہ“ ہی پڑھتے ہوئے انہوں نے ”مشکوٰۃ“ بھی شاہ صاحبؒ سے شروع کر دی اور کوئی کتاب مولوی اسماعیل صاحبؒ سے بھی پڑھتے تھے۔“

مولانا سخاوت علی بن رعایت علی بن درویش علی بن نذر علی عمری جو نیو پوریؒ

مولانا سخاوت علی جو نیو پوری

مشہور علماء میں سے ہیں۔ آپ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے چھوٹی کتابیں مولانا قدرت علی رودلوئیؒ سے اور متوسط مولانا احمد اللہ نامیؒ اور مولانا احمد علی چربا کوٹیؒ سے پڑھیں۔

جب کہ مطولات کی تعلیم آپ نے حضرت امام محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحمیڈ بڑھانوی سے حاصل کی۔ حضرت سید احمد کے ہاتھ پر بیعت کی اور کچھ مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر جنپور واپس آ گئے اور شیعہ سے جامع مسجد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں جمعہ، جماعت اور قرآن مجید کی تعلیم کے لیے مدرسہ کا انتظام کیا۔ پھر آپ باندھ چلے گئے اور دو سال تک درس و تدریس میں مشغول رہنے کے بعد جنپور واپس تشریف لے آئے ۱۲۶۴ھ میں اپنے خالو مفتی محمد غوث جنپوری کے ساتھ حرمین شریفین چلے گئے اور حج و زیارت کے بعد واپس وطن تشریف لے آئے اور سات آٹھ سال تک درس و تدریس کی محفول کو گرم رکھنے کے بعد ۱۲۷۲ھ میں اپنے اہل و عیال سمیت مکہ معظمہ ہجرت کر گئے اور وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آپ بہت بڑے عالم، محدث، فقیہ اور زاہد تھے گونا گوں اوصاف حمیدہ کے مالک تھے، خلقِ خدا نے آپ سے بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ کی تصنیفات میں سے "القوم فی احادیث النبی الکریم" اور "منطق کی ایک کتاب" "الاسلم" کے نام ملتے ہیں نیز آپ نے نسخ و منسوخ معرفت اوقات نماز، بیعت اور فقہ و سلوک کے متعلق بھی چند رسائل تصنیف فرمائے۔ ۶ شوال ۱۲۷۷ھ میں مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضرت شیخ عبدالحی بن فضل اللہ عثمانی

بنارس قصبہ نیون ضلع انام میں ۱۲۰۶ھ

شیخ عبدالحق محدث بنارسی

میں متولد ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار نیون سے ترک سکونت کر کے بنارس میں قیام پذیر ہو گئے آپ نے پہلے اپنے والد صاحب اور دیگر علماء سے پڑھا اور پھر علمی تشنگی کو تسکین بخشنے کے لیے دہلی روانہ ہو گئے اور وہاں آپ نے شیخ عبدالقادر محدث دہلوی، مولانا عبدالحمیڈ بڑھانوی اور حضرت امام صاحب سے حدیث کی کتابیں پڑھیں فراغت کے بعد حج کے لیے تشریف لے گئے۔ پھر دوبارہ سید صاحب، حضرت امام صاحب اور دیگر فقہاء کے ساتھ حج کے لیے گئے، ان دنوں ارباب حکومت نجدیوں سے بہت زیادہ بگڑے ہوئے تھے ان کے ساتھ جنگ کو ختم ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا، اگر کوئی شخص موحدانہ عقائد کی اشاعت

میں سرگرم نظر آتا اور بدعات کی تردید میں سختی سے کام لیتا تو اسے وہابی سمجھ کر فدا انتقام کے
 شکنجے میں کس دیا جاتا۔ مولانا عبدالحق صاحبؒ بہت تیز مزاج تھے آپ غیر شرعی رسوم کی تردید
 بہت سختی سے کرتے تھے بعض شخصی دوستوں نے شکایت کر دی کہ یہ وہابی ہیں! چنانچہ
 آپ پر مقدمہ قائم کرویا گیا۔ لیکن مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ضمانت دے کر چھڑا لیا، جو اب
 وہی کے موقع پر بھی مولانا عبدالحق صاحبؒ نے ہی عدالت میں بات کی۔ جدہ میں آپ
 زفقار سے جد ہو گئے اور صنعاء میں چلے گئے وہاں سے آپ امام قاضی محمد بن علی شوکانیؒ
 قاضی عبدالرحمن بن حسن بھکلیؒ، شیخ عبد اللہ بن محمد بن اسمعیل امیر یمنیؒ اور شیخ
 محمد بن عابد احمد علی سندھیؒ سے ۱۲۳۵ھ میں حدیث کی سندیں حاصل کر کے ہندوستان
 آئے، آپ نے سات مرتبہ حجاز مقدس کا سفر اختیار کیا، آخری سفر دنیا سے بھی سفر
 عنایت ہوا۔

آپ نے اپنے سفر میں کچھ حالات کو ایک رسالہ میں لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ
 میں نے مدینہ طیبہ سے جب یمن کی طرف امام شوکانیؒ کی زیارت کے لیے رخصت سفر
 باز ہوا تو راستہ میں بے پناہ مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرتے ہوئے صنعاء پہنچ گئے جب
 امام موصوفؒ سے ملاقات ہوئی تو بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور فرمانے لگے عمر کیا ہے؟
 پڑھا کیا کچھ ہے؟ جب میں نے جواب دیا تو انہوں نے اپنی تصنیفات کا ایک ایک
 نسخہ عنایت فرمایا اور ان کے مطالعہ کے لیے کہا۔ میں ہفتہ میں سو موار اور جمعرات دو
 دن آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور سماعت کرتا سمجھا کہ اس شانہ میں بیمار پڑ گیا جب
 اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت عنایت فرمائی تو امام شوکانیؒ کسی سفر کے لیے تیاری کر رہے
 تھے میں الوداع کہنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بڑی شفقت سے
 پیش آئے، میں نے کچھ کتابوں کے بعض حصے آپ کے پاس پڑھے تو آپ نے اپنے
 دست مبارک سے سند اجازت لکھ کر مجھے عنایت فرمائی نیز آپ نے مجھے اپنی سند
 "اتحاف الاکابر بآسانہ الدفاتر" دی اور فرمایا اسے نقل کر لو چنانچہ میں نے اسے
 نقل کر لیا۔ یہ جمعۃ المبارک ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۲۳۵ھ کا واقعہ ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب نے ایک رسالہ میں شیخ محمد عابد سندھی کی اسانید اور ایک دوسرے رسالہ میں سید عبداللہ بن محمد امیر کمانی سے ملاقات کے واقعات وغیرہ کو بھی ذکر کیا ہے۔ سید امیر کمانی جتنے بھی آپ کو سند عطا فرمائی۔

اسی طرح آپ نے ایک رسالہ میں قاضی عبدالرحمن بن احمد بن حسن بھکلی سے ملاقات کے واقعات کو قلم بند کیا ہے قاضی موصوف نے آپ کو منظوم سند مرحمت فرمائی۔ مولانا عبدالحق صاحب مقلد نہ تھے بلکہ مجتہد تھے اور نصوص کتاب و سنت پر عمل پیرا تھے اسی وجہ سے علماء احناف سے مسئلہ اجتہاد و تقلید کے متعلق آپ کے مباحثے ہوتے رہتے تھے اس موضوع پر آپ نے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی جس کا نام "الرد الغریب فی اطلع عن التقليد" ہے۔

جمعات کی شب مورخہ ۲ ذوالحجہ ۱۲۷۶ھ کو منیٰ میں حالت احرام میں اللہ کو پیار ہو گئے اور جمعہ کی رات مسجد خنیف کے دروازہ کے پاس دفن کیے گئے اللہم اغفرلہ، و ارحمہ۔

مولانا عبداللہ بن قاسم علی خاں جہانزہ علماء کرام میں سے تھے۔ آپ کا اصلی وطن مٹو قائم گنج ضلع فرخ آباد تھا۔ چونکہ بچپن سے ہی لودو باش دہلی میں رہی اس لیے یہی وطن ٹھہرا گیا آپ نے دیگر علماء کے علاوہ حضرت امام صاحب سے بھی علم کی تحصیل کی، ادب، شعر، انشاء، طب اور دیگر فنون میں بڑی مہارت رکھتے تھے، سرسید لکھتے ہیں :-

"بسبب استعداد خدا داد کے ہر فن میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے خصوصاً نظم و نثر تازی و دری میں اور چونکہ فن فارسی میں خواہ باعتبار انشاء و نظم و نثر کے خواہ اعتبار درس و تدریس کے مزاوت کمال اور مشغولی اوقات بہت رہتی تھی۔ اسی فن کی نسبت سے شہرت پائی تھی اگر اعتساف و جی سے دور اور حسد و رشک سے خالی ہو کر اس زبیدہ ارباب کمال کا حال دیکھا جائے اور رتبہ سخن پر نظر کی جائے تو

معلوم ہو کہ ذاتِ تقدس آیات اس صاحبِ استعداد کی کیا جوہر
 قدسی تھی کہ پرکارِ دوزِ فلکی بعد ہزار گردش کے بھی ایسا نقشِ پدید
 نہیں کر سکتی اگر نظم ہے زمین تراز گل ہے اور اگر نثر ہے مطبوع تر
 ازل ہے۔ کاغذ ان کی بیاض کا بسبب شگفتگی معنی کے گل سے خنداں
 ترا و قلم بسبب رفتارِ دل کش کے سرو سے ہنر ماں تر، سطور تازگی مضامین
 سے موز سبزہ میراب اور نقاط بسبب کیفیت معنی کے قطرات شراب
 زبان قلم تراہے ہائے شیریں سے بلبل اور اوراق سفیدہ مضامین رنگین
 سے برگ گل ہے.....

مولانا عبد الغنی خاں رقم طراز ہیں :-

علوی مولوی عبد اللہ خاں کی جائے ولادت
 موقوفہ گنج ضلع فرخ آباد ہے آپ بچپن میں
 ہی اپنے والد کے ساتھ دہلی تشریف لے
 گئے اور وہاں کے نامور علما و کرام سے کسبِ
 علوم اور تکمیلِ فنون کی۔ آپ اکثر فضائل کے
 جامع تھے۔ انشاء و سخنوری میں مہارت مآ
 رکھتے تھے امام بخش صہبائی، محمد حسین بہجور
 ناظم اندور اور مولوی امین الدین خاں امین
 دہلوی آپ کے شاگرد ہیں شیخ ابراہیم ذوق
 اور مومن خاں کے ساتھ کمال اتحاد و ارتباط
 رکھتے تھے "انشائے صغیر" اور "صحیح نامہ"
 آپ کی تصنیفات ہیں قرابتِ قربہ کی وجہ سے
 بیجا کا رٹولٹ کے ناموں تھے آخر عمر میں وطن
 تشریف لائے اور وہیں فوت ہو گئے۔

"علوی مولوی عبد اللہ خاں مولدش
 موقوفہ گنج ضلع فرخ آباد ورن صغیر با
 پدر بہ دہلی رفت و کسبِ علوم و تکمیلِ فنون
 از علمائے نامدار آں دیار نمود جامع اکثرے
 از فضائل بود در انشاء و سخنوری قدرت
 تمام داشت امام بخش صہبائی و محمد حسین
 بہجور ناظم اندور و مولوی امین الدین خاں
 امین دہلوی شاگرد آں اوئید۔ با شیخ ابراہیم
 ذوق و مومن خاں کمال اتحاد و ارتباط داشت
 انشائے صغیر و صحیح نامہ از تصنیفات
 شریفہ اوست بقربتِ قربہ خاں مؤلف
 خاکسار بود، در عمر آخر عمر بوطن مراجعت
 نمود و وہاں جا فوت شد"

آپ سید احمد صاحب سے بیعت بھی تھے اُردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے لیکن اصلاً فارسی کے شاعر تھے آپ کی نظم و نثر کے کچھ نمونے آثار الصنادید میں دیکھے جاسکتے ہیں سید صاحب کی مدح میں آپ نے درج ذیل اشعار کہے ہیں

برخیز ای بجا رنگستانِ احمدی کاندہ سبز زانہ ہولٹے تو یافتند
آں گوہرے کہ حاصل صد گنجِ شانگان یک فلس را لکانِ زبہا تو یافتند
آں لالہ شگفتہ بارخ سیادتے کز گلشنِ مدینہ صلبے تو یافتند
گنڈار کو ہمارا باو غاں سنگِ دل کایں ابلہاں ر قیمت جا تو یافتند
دریاب ای سیج کہ دل خستگانِ کفر بہادہ گوشِ دل بصدائے تو یافتند
نشاب ای کلیم کہ لب تشنگانِ دین آبِ جگر بضرِ عصائے تو یافتند

امروز سرخروئے اسلام در جہاں
موقوف تیغِ کفر زادے تو یافتند

آخر عمر میں جب تشریف لائے تو نواب سید محمد علی خاں بہادر شمس آبادی کے ہاں ملازم ہو گئے تو مدتہ العمر انہیں کے پاس مقیم رہے حتیٰ کہ بہ عارضہ تپِ محرقہ ۱۲۶۲ھ میں انتقال فرما گئے کسی نے آپ کی تاریخ وفات کہی تھی۔

علوی کہ چو اوند او کس داو سخن چوں اوزر سیدہ کس بضرِ یادِ سخن
ناگہ ز جہاں رختِ آقامت بر بست ہاتھ گفتمہ افتاد بنیادِ سخن

حضرت نواب والا جاہ سید صدیقی حسن خاں مرحوم نے اپنی کتاب "العلم النخاق من علم الاشفاق" کے آخر میں اپنے کتب خانہ سے متعلق ایک فہرست میں آپ کی ایک کتاب "المنہج السدید فی رد التقلید" کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ بزبانِ فارسی ہے چنانچہ فرماتے ہیں "المنہج السدید فی رد التقلید" بالفارسی للعالم المتقی عبد اللہ خاں بن قاسم علی خاں العلوی تلمیذ الشیخ العلامة محمد اسماعیل شہید صاحب تقویۃ الایمان؛

یاد رہے کہ حضرت نواب صاحب کے خزانہ اکتب میں اس کا مخطوطہ تھا کیوں کہ یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنی کتاب میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے مولانا

ام خاں نوشہروی نے اپنے ایک مقالہ "کتب خانہ امیرالملك میں یمنی نوادر" میں اس کتاب کے متعلق لکھا ہے کہ یہ تقویت الایمان کی شرح ہے جیسا کہ اس کے متن میں مذکور ہے

حضرت مولانا عبد الہادی جھوکوی علاقہ چمپارن کے ایک گاؤں جھومکا میں شہزادہ میں ایک

مولانا عبد الہادی جھوکوی

بہت پرست گھرانے میں پیدا ہوئے، کتاب، حساب، انشاء، تاریخ اور انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کی نیز امور سلطنت سے متعلق قوانین کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ انہیں از بر بھی کیا، ایک امتحان کے سلسلہ میں عظیم آباد گئے کہ خوش قسمتی سے حضرت سید احمدؒ کی زیارت ہو گئی۔ آپ ان دنوں حجاز مقدس کی طرف جاتے ہوئے یہاں فروکش تھے۔ مقدر کا ستارہ چمکا اور آپ حضرت سید صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے کفر سے تائب اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر خصوصی نوازش یہ بھی ہوئی کہ آپ کو حضرت امام صاحبؒ، مولانا دلایت علی عظیم آبادی، سید حسن بن علی بخاری قنوجی اور حضرت شاہ محمد مسیحی ایسے کبار ائمہ فقہان سے تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی چنانچہ حضرت سید صاحبؒ نے آپ کو بہار کے علاقہ سارن اور چمپارن میں اپنا نائب مقرر فرمادیا، آپ نے اس علاقہ کے دورے کیے اور حکمت و دانش کے ساتھ دعوت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری کیا چونکہ مسلک اہل حدیث سے وابستہ اور ائمہ سلف کی روش کے متبع تھے اس لیے مخالفین و معاندین نے ایک محاذ قائم کیا اور آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گئے لیکن یہ تمام تکلیفیں اور مصیبتیں آپ کے پایہ استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کے لوگوں کو آپ کے وجود مسعود سے بہت نفع بخشا بالآخر سفر حج میں تھے کہ بلاوا آگیا اور ۱۲۶۵ھ میں آپ نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

مولانا سید محمد بن علی بن محمد بن تقی
بن عبد الرحیم بن بدایت اللہ حسنی

سید محمد بن علی نصیر آبادی

نصیر آبادی بہت بڑے عالم و عابد تھے۔ آپ نے پہلے لکھنؤ کے اساتذہ سے پڑھا اور پھر مزید تحصیل علم کے لیے حضرت امام صاحبؒ کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ آپ سید صاحبؒ

سے بیعت بھی تھی، ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے مولانا عبدالحی بن فخر الدین صاحب "نزهة الخواطر" کے دادا مولانا سید عبدالعلی جو ان کے برادرِ عظم زاد تھے۔ سید خواجہ احمد نصیر آبادی اور بہت سے دوسرے لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا۔ ہفتہ کی رات یکم شعبان ۱۲۸۶ھ میں بعمر ۷۰ سال بہ عارضۃ فالج اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا معین الدین بن بخشش الدین انصاری

سہوانی بہت بڑے عالم، خطیب اور عابد و زاہد تھے، ولادت سہوان میں ہوئی۔ بچپن بھی وہاں گزارا پھر طلب علم کے لیے رامپور چلے گئے اور اساتذہ وقت سے درسی کتابوں کو پڑھا علی تشنگی کی تسکین کے لیے کچھ اور شہروں کے سفر بھی اختیار کیے بالآخر حضرت امام صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کی خدمت میں پہنچے اور طویل مدت تک ان کے پاس رہ کر فیوض و برکات حاصل کرتے رہے پھر اپنے شہر واپس دعوت و ارشاد میں مصروف ہو گئے اور بلاخوف و تردید لائٹ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تقاضوں کو پورا کرنے لگے اس طرح بے شمار خلق خدا کو آپ سے بہت بہت فائدہ پہنچا۔ ۱۳۴۲ھ میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

مولانا وحید الدین بھلتی

مولانا وحید الدین بن معین الدین بھلتی دہلوی عالم باعمل، عبد صالح اور بہت بڑے مجاہد تھے دہلی سے بیس میل کے فاصلہ پر واقع بستی بھلتی میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ علم کی تحصیل آپ نے حضرت امام صاحب سے کی نیز تیرہ سال تک آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز رح اور شاہ عبدالقادر کی صحبت بھی نصیب رہی پھر حضرت سید صاحب کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کی صحبت میں حرمین شریفین کا سفر کر کے حج و زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ اور پھر سرحد کے سفر میں بھی آپ سید صاحب کے ساتھ رہے۔ مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں سید صاحب نے جب مولانا عبدالحی اور امام صاحب سے فرمایا تھا کہ آپس میں تبرک مقام میں کچھ علوم دینیہ کا مشغلہ ہونا چاہیے یہ وقت فضیلت ہے۔ تو مولانا عبدالحی صاحب نے حافظ سید محمد کو مشکوٰۃ کا اور امام صاحب نے مولانا

وحید الدین صاحب کو اپنے جید محترم کی کتاب حجۃ اللہ المبالغۃ کا درس دینا شروع کیا حتیٰ کہ دونوں مجلسوں میں طبری کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرنے لگے اور اس طرح عوام الناس کو بھی اپنے عہد کے ان دونوں جلیل القدر علماء سے استفادہ کا موقع ملا۔

تعلیم و تعلم، حضرت مولانا ولایت
مولانا ولایت علی ضاوقپورمی | علی بن فتح علی بن دارت علی بن محمد بن سعید ہاشمی

صاوقپوری عظیم آبادی علماء ربانیوں میں سے تھے آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۵۰ھ ۱۸۶۹ء میں صاوقپور کے ایک ممتاز زبیری خاندان میں ہوئی جسے عظیم آباد میں امارت و ریاست کا درجہ حاصل تھا شرفاً ہند کے معمول کے مطابق چار سال کی عمر میں آپ کو کتب میں بٹھایا گیا ذہانت و ذکاوت وافر سے سات برس کی عمر میں آپ کی استعداد اسی حد تک پہنچ گئی کہ استاد سے تشفی نہ ہوتی تھی تو پھر والد بزرگوار نے اپنے نو نہال کو زویہ تعلیم سے آراستہ کرنے کا بیڑا خود اٹھایا۔ بارہ برس کی عمر میں جب آپ نے مخقرات سے فراغت حاصل کر لی تو آپ کو معقول کے مشہور استاد اور مذہب امامیہ کے مجتہد مولانا رمضان علی کے حلقہ درس میں داخل کر دیا گیا پھر مزید تحصیل علوم کے لیے ماہر معقول و منقول مولانا محمد اشرف بن نعمت اللہ کے پاس لکھنؤ تشریف لے گئے اور تقریباً چار سال تک وہاں اقامت پذیر رہے اسی عرصہ میں حضرت سید صاحب سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی صحبت میں نقد و دل بازی بیٹھے لکھنؤ سے فراغت کے بعد کچھ مدت کے لیے اپنے شہر تشریف لے آئے اور جمعہ و جماعت، درس و تدریس اور غلط و تذکر میں معروف ہو گئے لیکن جلد ہی پھر سید صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے اور اسی عرصہ میں حضرت امام صاحب سے کتب حدیث کو پڑھا شروع کر دیا۔

سادگی : حضرت امام صاحب نے اپنی جماعت میں آپ کو اپنا نائب مقرر کر دیا تھا مگر آپ کو اب اسوہ حسنہ نبوی سے ایسا ذوق حاصل ہو چکا تھا کہ آپ اپنی عبادت والوں کی آپ کی خدمت کیا کرتے تھے اور جنگل سے لڑکیاں کاٹ کر اور اپنے سر پر رکھ کر لایا کرتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتے اور مٹی گارے کا کام خود انجام دیتے چنانچہ اسی زمانہ میں آپ کے والد ماجد نے ایک خدمت گار کو جو پچپن میں آپ کی خدمت میں

رہتا تھا، چار سو روپے نقد و ملبوسات پیش بہا دے کر روانہ کیا۔ ملازم نے بریلی پہنچ کر سید صاحب کے قافلہ میں آپ کو دریافت کیا، لوگوں نے بتایا کہ دریا کنارے وہ مٹی کا کام کر رہے ہیں۔ دریا کے کنارے بہت سے لوگ تعمیر مسجد و مکان قافلہ میں مصروف تھے مولانا بھی ایک ٹوٹا سیاح تہنید باندھے ہوئے گارے میں تھڑے ہوئے کام میں مشغول تھے۔ آپ کی صورت ایسی متغیر ہو گئی تھی کہ یہ قدیم ملازم وہاں پہنچ کر اور آپ سے ہم کلام ہو کر بھی آپ کو نہ پہچان سکا۔ بلکہ مولانا ولایت علی صاحب کے خود اقرار کرنے کے باعث اس نے اسے تمسخر پر محمول کیا اور سخت ناراض ہوا آخرش آپ نے فرمایا اچھا پھر جا کر قافلہ میں تلاش کرو۔ جب وہ قافلہ میں واپس آیا تو لوگوں نے اس کو لیتین دلایا کہ مولوی ولایت علی عظیم آبادی وہ شخص ہیں جن سے تم دریا کنارے بات کر آئے ہو، تب وہ دوبارہ آپ کے پاس آ کر اپنی جسارت پر نادم و پشیمان ہوا اور آپ سے معافی چاہی۔ آپ نے اسے گلے سے لگایا اور بہت اخلاق و تواضع سے پیش آئے۔ اس ملازم نے نقد و ملبوسات پیش کر کے ان کے استعمال کی آرزو ظاہر کی اور آپ کی طبیعت دیکھ کر زار زار رونے لگا مگر آپ اسی روز رات آتے ہی نقد و ملبوسات جیسے بندھے ہوئے تھے، سید صاحب کے حضور میں رکھ کر خاموش چلے آئے۔ آخرش ملازم چند روز تک آپ کو اسی حالت میں دیکھ کر آپ سے رخصت ہوا اور واپس آ کر آپ کے بزرگوں سے ساری کیفیت بیان کی۔ اس کیفیت کو سن کر آپ کے والد ماجد اپنے فرزند خود مولوی فرحت حسین کے ہمراہ بریلی پہنچے اور سید صاحب کی صحبت میں بہا سے فیض یاب ہوتے رہے۔

آپ سید صاحب کے ساتھ ہجرت کر کے بغرض جہاد لگے تھے لیکن سید صاحب نے آپ کو دعوت و

مختلف واقعات

تبلیغ کی غرض سے حیدرآباد بھیج دیا۔ حیدرآباد میں آپ کم و بیش چار سال رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود مسعود سے اپنے بعض بندوں کو ہدایت فرا دی۔ اسی اثناء میں معرکہ بالاکوٹ میں حضرت صاحب، حضرت امام صاحب اور بہت سے دیگر فقہاء جام شہادت نوش فرما گئے اور اُدھر آپ کے والد ماجد بھی رحلت فرما گئے تو آپ حیدرآباد سے عظیم آباد تشریف لے گئے۔ دو

سال کی اقامت کے بعد حجازِ مقدس کے سفر پر روانہ ہو کر حج و زیارت کی سعادت حاصل کی اور شیخ عبداللہ سراجِ مضفی مکتہ سے حدیث کی سند بھی لی پھر من، نجد اور حضرموت میں بھی گئے، یمن میں علامہ شوکانیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کی سند حاصل کی، شیخ عبداللہ سراج فرمایا کرتے تھے، مولانا نے حدیث کے لفظوں کی سند مجھ سے لی اور معانی کی سند میں نے مولانا سے حاصل کی۔ یہ شاید اس لیے کہ حضرت امام صاحب سے تلمذ کے پیش نظر آپ میں بہت عمدہ ذوقِ حدیث دانی پیدا ہو چکا تھا۔

جب ہندوستان تشریف لائے تو آپ نے اپنے برادرِ اصغر مولانا عنایت علیؒ کو ترسان بھیج دیا اور خود کشمیر میں جہاد میں مصروف ہو گئے جہاں آپ کو نمایاں کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ لیکن کشمیر کے حکمران نے انگریزوں سے مدخلت کے لیے اپیل کی؛ چنانچہ انگریز آپ کو کچل کر لاہور لے آئے اور انہوں نے آپ کے جہاد پر پابندی عائد کر دی اور آپ کو دو سال کے لیے غلام آباد میں نظر بند کر دیا؛ چنانچہ عظیم آباد پہنچ کر آپ نے درس و تدریس اور دینی کتب کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ مولانا عبدالرحیم صاحب رقم طراز ہیں :-

.. آپ کی اشاعتِ دین کی اتھک کوششِ غرب و شرق، شمال و جنوب کل کو محیط تھی مجمع اور سیلوں (مثلاً بہار کا چراغاں) میں بھی بغرض تبلیغ و پند پہنچتے اور نورِ بافوں کو کرگم میں جا کر اور کسانوں کو ان کے کھیتوں میں جا کر اللہ کی اطاعت و بندگی کی ترغیب دیتے اور ان کی بدزبانوں اور عقول کو شربت کی طرح نوش کر جاتے آپ اپنے دورِ دیر میں قریہ قریہ فروکش ہوتے جاتے اور اللہ کی باتیں پہنچاتے جاتے اس لیے اپنے مخصوص مقامات تک پہنچنے میں مہینوں اور برسوں کی آپ کو دیر لگتی۔ دنیات کی تعلیم کے لیے مکان پر بعد نمازِ ظہر تا نمازِ عصر قرآن و حدیث کا درس دیتے مروجی عبداللہ آپ کے خلفِ اکبر قاری ہوتے۔ دوسرے علماء ایک تفسیر ہاتھ میں لے بیٹھے۔ علماء کے علاوہ مریدوں کی بڑی بڑی بھاری صف

ہوتی۔ قرآن مجید اور "بلوغ المرام" کا لفظی ترجمہ مردوں، عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے تاکہ لوگ اللہ کی مرضی اور غیر مرضی (امرو نہی) سے آگاہ ہو جائیں۔ ان پڑھ بھی نمازوں میں اپنے پڑھنے کی سورتوں اور دُعاؤں کے معانی اور مطالب سے خوب آگاہ ہوتے (عام واقفیت کے لیے سوائے ترجمہ کے دوسری سبیل نہیں) جناب نے شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نبیرہ مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ دہلوی کی خدمت میں ترجمہ قرآن از شاہ عید القادر صاحب اور رسائل مولانا سہیل شہید کے ارسال کی درخواست کی اور جناب شاہ صاحب کے ارسال فرمانے پر پہلے مطبع حسین لکھنؤ میں ان کے طبع کرانے کی سعی فرمائی بعد انکار صاحب مطبع آپ نے زمانہ دور و سیر شمال کے اس خدمت طبع کو اپنے خلیفہ مولوی بدیع الزمان صاحب برہان کے حوالہ فرمایا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ایک ٹائپ پرس قیمتی دس ہزار خرید کر کے بزرگاتِ مآت تکمیل ارشاد کیا۔ پھر تو دیگر مطالعہ شدہ بھی بغرض تکمیل زروال کتب دینی کے طبع کی طرف توجہ کی۔ آپ نے جہاں جیسی ضرورت دیکھی یا لوگوں نے سائل دریافت کیے محض تقسیم کی غرض سے مختصر اور عام فہم رسائل تلمیذ فرما کر لوگوں کے حوالہ کیے ایسے رسائل کی تعداد سو سے کم نہ ہوگی مگر اس وقت صرف چند دستیاب ہو سکے جو مجموعہ رسائل میں شامل ہیں۔ قریہ قریہ جماعت اور امامت اور

واعظین بھی مقرر کیے ۶۲

قیام وطن کے زمانہ میں بھی آپ کا معمول تھا کہ ہر سہفتہ شب سہ شنبہ کو مغرب کی نماز کے بعد اپنے مکان میں مجلس وعظ منعقد فرماتے جس میں بڑی کثیر تعداد میں لوگ شرکت کرتے اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے بیان میں عجیب تاثیر و دلچسپی فرمائی تھی۔ جب قبر قیامت کا ذکر فرماتے تو لوگوں کی حالت دگرگوں ہو جاتی۔ دعوت و تبلیغ کے علاوہ پوری سرگرمی سے آپ امور جہاد میں

بھی بصورت رہے۔ درہِ دُوب وغیرہ کی جنگ آپ کے زمانہ میں ہی لڑی گئی آخر کار آپ نے ۱۳ شوال ۱۲۶۵ھ (یکم ستمبر ۱۸۴۹ء) کو گھر بار چھوڑا اور ہجرت کر کے سوات تشریف لے گئے مولانا یحییٰ علی بن مولانا الہی بخش اور چند دیگر اہل جناب بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے اور ہجرت کے بعد سے اب تک کے عرصہ میں کوئی خاص کارنامہ سرانجام دینے نہیں پاتے تھے کہ ۲۲ محرم ۱۲۶۹ھ (۵ نومبر ۱۸۵۲ء) کو بعارضہ خناق راگرتے ملک بریں ہوئے مستحانہ میں آپ کی قبر ہے۔ وفات پر درج ذیل دو تارنخیں کہی گئیں۔

ولایت علی العالم المتورع توفی بالہجرۃ للدرین ناصر
وہذا الذی قد طابَ حَیًا وَ مَیْتًا فارخ قلبی طابَ غَاذِ مَہْجَاہِرِ

۱۲ ۵ ۶۹

دوسری تارنخ وفات فارسی میں کہی گئی ہے

ولایت علی رہبر دینِ حق بہ ماہِ محرمِ چو شد زیرِ خاک
گواز سر آہِ سالِ وفات شدہ جاو سیرش بہ فردوسِ پاک

آپ کی پہلی شادی سید مقصود علی کی دختر نیک اختر امین سے ہوئی تھی جب یہ وفات پائی تو آپ نے حیدرآباد کے ایک رئیس مرزا احد بیگ کی دختر فرخندہ اختر مراد النساء بیگم سے نکاح کیا۔ آپ کے بطنِ اطہر سے پانچ بچے تولد ہوئے اور آپ نے تیسرا نکاح مولانا الہی بخش کی بیوہ صاحبزادی جمیلۃ النساء سے کیا، ان کے بطن سے چار بچوں نے جنم لیا، اولاد کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ مولانا عبد اللہ ۲۔ رحمت اللہ ۳۔ ہدایت اللہ ۴۔ عبد الرحمن ۵۔ مولانا عبد الحکیم
- ۶۔ مولانا محمد حسن ذبیح ۷۔ شاکرہ ۸۔ زینب ۹۔ محمد حسین

آپ کی ساری زندگی دعوت و ارشاد اور امورِ جہاد میں بسر ہوئی ان مصروفیتوں کے پیش نظر آپ کو تصنیف کے لیے خاص وقت متیئر نہ آسکا تاہم آپ نے بے شمار رسائل مختلف عنوانات پر تصنیف فرمائے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں ۱۔ ردِ شرک (فارسی) ۲۔ شجرۂ باقرہ (اردو) ۳۔ تیسیر الصلوٰۃ (اردو) ۴۔ اربعین فی

تصنیفات

المہدیین (عربی) ۵۔ عمل بالمحدث (فارسی) ۶۔ تبیان الشکر (اردو) ۷۔ دعوت (اردو)

حضرت مولانا ولایت علیؒ ایک ایسے خاندان کے چشم
وچراغ تھے جو بہار کے روسائے کبار میں شمار ہوتا تھا۔

استقامت

نابری ناز و نعمت میں پرورش پائی لیکن عشقِ حق، اولولہ جہاد اور تڑپِ احیائے دین کے پیش نظر
سب کچھ تیج دیا اور اسی راہ کا انتخاب کیا جس میں آلام و مصائب کے سوا استقبال کے لیے کچھ نہ
تھا اور پھر ایسے ایسے کارنامے نمایاں سرانجام دیئے جو اربابِ دعوت و عزیمت سے ہی مخفی ہیں
یاد رہے آپ کے برادرِ اصغر مولانا غنایت علی بھی آپ کے ساتھ برابر کے شریک رہے اور انہوں
نے بھی راہِ خدا میں استقامت اور عزیمت کی زندہ جاوید مثالیں چھوڑی ہیں۔ "اے آلِ صادق پور بہ
کجاست! و اہلِ صادق پور بہ کجا اند! نہ مکان را تمکنے! و نہ کین را تمکنے! الہی ای پیست!"

مولانا کرامت علی بن حیات علی اسرائیلی، شافعی
دلہوی کبار علماء کرام میں سے تھے آپ کی ولادت

مولانا کرامت علی دلہوی

و نشأتِ دہلی میں ہوئی والد ماجد خوشنویس تھے شاہ رفیع الدین صاحب اور مولانا فضل امام بن محمد
ارشد خیر آبادی سے علم پڑھا اور سندِ حدیث شاہ محمد سلحئی صاحب سے لی۔ آپ کو حضرت امام
صاحب سے تلمذ کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھیں مگر تحصیلِ علم سے
فراغت کے بعد مدتِ دراز تک دہلی میں مسند تدریس پر جلوہ افروز رہے اور پھر حیدرآباد تشریف
لے گئے اور ہزار روپیہ مشاہرہ پر منصبِ عدل و قضا پر بیس سال تک فائز رہے۔ سرسید
لکھتے ہیں۔

فضل و کمال ان کا حدِ تقریر اور احاطہ تحریر سے باہر ہے
استحضارِ مسائل اس درجہ کو پہنچا ہے کہ حصول ان کے ذہن میں حکمِ حضورِ
کا رکھتا ہے عرصہ چند سال کا ہوا کہ شہر شاہجہان آباد کو تلاشِ معاش
کی تقریب سے چھوڑا اور حیدرآباد کی طرف راہی ہوئے چونکہ المسافر
وسیلۃ الطفرہ حدیث مشہور ہے گردشِ فلک نے وہاں ان
کے موافقت کی اور بالفعل ہزار روپیہ ماہیانہ کے منصب سے

سرفراز ہیں، اس نواح میں موقباہل اور عشائار کے بسر کرتے ہیں

نظم و نثر ان کا کچھ راقم کو ہم نہیں پہنچا۔

"سیرت احمدیہ" بزبان عربی ایک ضخیم جلد میں آپ کی تصنیف ہے معلوم نہیں سرسید کو اس کا علم نہیں ہو سکا یا مولانا کرامت علی نے ہی اسے سرسید کے آثار الصنادید لکھنے کے بعد تصنیف فرمایا۔ ۱۲۷۷ھ میں حیدرآباد میں آپ کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہیں۔

مولانا جعفر علی بستری بن قطب علی حسینی نقوی
بستری مبعہ امیر ضلع بستری (یو۔ پی) میں ۱۲۱۱ھ میں

مولانا جعفر علی بستری

پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اور تکمیل کے لیے کھنڈ تشریف لے گئے۔ آپ کو حضرت امام صاحب سے بھی تلمذ کی سعادت نصیب ہوئی نیز حضرت سید صاحب سے بیعت بھی تھی۔ آپ کے پھوٹے بھائی سید حسن علی اور والد صاحب تو کلمہ شریفہ جا کر بیعت کر چکے تھے مگر آپ علالت طبع کے باعث نہ جاسکے۔ ان کی بیعت پر سید صاحب کا رنگ دیکھ کر آپ بھی بہت بے قرار تھے۔ ان دنوں گورکھ پور میں مقدمے کی پیروی کے لیے اکثر جایا کرتے تھے اس لیے فیصلہ کر لیا کہ وہیں سے حضرت سید صاحب کی طرف چلے جائیں گے رخصت کے وقت والد صاحب سے دعا کے لیے کہا انہوں نے سمجھا شاید مقدمہ میں کامیابی کے لیے دعا کے خواستگار ہیں چنانچہ انہوں نے دعا کی۔ چھوٹا بھائی چھ میل تک ساتھ گیا اس کے پاس بندوق تھی اس نے پیش کش کی مگر انہوں نے فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو مجھے اللہ تعالیٰ اور دے گا۔ بھائی نے گلوگیر لہجہ میں کہا جب آپ راہ خدا میں جا رہے ہیں تو دنیا کی دولت میرے لیے کیا حقیقت رکھتی ہے سید جعفر صاحب نے اسے تسلی دی اور ساتھ ہی والدین کی خدمت کی از حد تاکید کی۔

سید صاحب جب گھر سے نکلے تو موسم برسات شروع ہو چکا تھا تڑی نالے اور دریا ٹھٹھس مار رہے تھے اور انہیں عبور کرنا بہت دشوار تھا اور پھر لطف یہ کہ پہلی رات ہی آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے اور دردی شدت کے پیش نظر ذرا بھر نہ ٹھوٹے اور اس میں کوئی ایجنہا کی بات نہیں عشاقی کو ان کھٹن منزلوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے اور یہ بھی ان سے ہی پوچھئے کہ ان سنگلاخ گھاٹیوں اور خارزار وادوں کو طے کرتے وقت انہیں کس قدر فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے وہ اشخاص

بہترین عشق و مستی کی راہوں سے گزرنے کا کبھی نصیب نہ ہوا ہوا وہ ٹرپ اور اضطراب کی لذت کیا جائیں یہ حقیقت ہے کہ مشکل منزلیں انہی کی راہ میں آتی ہیں جن میں اضطراب ہو، ٹرپ ہو، کش مکش ہو، حوصلہ ہو اور راہِ خدا میں سرکنا دینے کا عزم ہو۔ اب راہِ حق کے اس مسافر کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے کہ منزلِ نہایت دشوار راستہ نامہوار کہیں صحرا اور کہیں دریا کھلنے پینے کی کوئی چیز ساتھ نہیں اور پھر راستہ میں ہر مقام پر سکھوں کی طرف سے حملہ کا شدید خطرہ لیکن یہ فازی راہِ خدا نہ صرف خود روالِ دواں ہے بلکہ قدم قدم پر ہمراہیوں کو دلولہ تازہ دیتے جا رہا ہے۔ ساتھ ہی اہمیت کو آگے بڑھو ہم آتیں ہیں اور اسلحہ ہمارے پاس موجود۔ اگر سکھوں سے مقابلہ ہو گیا تو انہیں مار کر اونٹ اور گھوڑے لے لیں گے اور پھر بہت جلد حضرت سید صاحبؒ اور اپنے مجاہدین بھائیوں سے جا ملیں گے۔

دس آدمی راستہ میں اور آٹے تھے اب اہل حق کا یہ قافلہ آنتیس (۲۹) افراد پر مشتمل تھا جو کہ ۹ رمضان المبارک ۱۲۴۳ھ (۳۴ مارچ ۱۸۳۰ء) کو پنجتار پہنچ گیا۔ سید صاحبؒ ان دنوں امب تشریف فرما تھے لہذا یہ حضرات سید امب پہنچے۔ مولانا جعفر علی صاحبؒ تقریباً ایک سال تک جہاد میں معروف رہے حتیٰ کہ سانچہ بالا کوٹ پیش آگیا اور انہوں نے وطنِ مراجعت کا ارادہ کر لیا۔

بالاکوٹ سے دلپٹی پر آپ نے دو اہم خدمتیں انجام دیں اول یہ کہ آپ نے انجیستی سے بچھ میل کے فاصلے پر کرسی میں "ہدایت المسلمین" کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی دوسری یہ کہ نواب وزیر اللہ ولد والئی ٹونک اور آپ کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں کی فرمائش پر حضرت سید صاحبؒ اور دیگر حضرات مجاہدین کے حالات پر مشتمل "منظورۃ السعدانی احوال الغزاة و الشہداء" نامی بزبانِ فارسی ایک مفصل کتاب تصنیف فرمائی جس کا دوسرا نام "تاریخ احمدی ہے مگر افسوس کہ یہ نہایت قیمتی معلومات سے لبریز اور ایک اہم دستاویز آج تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے۔

آخر کار عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد یہ غازی اسلام رمضان المبارک ۱۲۸۸ھ (نومبر ۱۹۰۷ء) میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وفات سے قبل آپ نے یہ خواب دیکھا کہ ایک اتھالی آراستہ و پیراستہ مقام میں شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت سید احمد اور حضرت امام محمد اسماعیلؒ اور کچھ دیگر حضرات کرسیوں پر جلوہ افروز ہیں اور ایک کرسی خالی پڑی ہے کسی نے دریافت

کیا۔ یہ کس کے لیے ہے؟

جواب ملا جعفر علی کے لیے۔

اولاد میں زینب نامی صرف ایک دختر فرزندہ اختر چھوڑی جن کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی
برادر اصغر سید حسن علی کے صاحبزادے محمد ذکریا کی اولاد میں سے سید محمد مصطفیٰ، سید محمد احمد،
اور سید محمد صالح ۱۹۲۱ء تک بقید حیات رہے۔ یاد رہے مولانا جعفر علی صاحب حضرت امام حسن
کے تلمیذ رشید ہونے کے علاوہ آپ کے کاتب خاص بھی تھے ۶۶

مولانا جلال الدین بنارسی ^۷
مولانا جلال الدین بن عبدالاعلیٰ بن کریم اللہ
بن ظہور محمد ہاشمی جعفری بنارسی ۱۲۱۹ھ

۱۲۲۱ھ میں بنارس میں پیدا ہوئے۔ شاہ محمد غوث صاحب گویاری کے واسطے سے آپ کا
سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے آپ نے تعلیم اپنے والد صاحب
مولانا احمد اللہ نامی اور حضرت امام صاحب سے حاصل کی اور سند حدیث مولانا عبدالحق بن فضل اللہ
نیونہی سے حاصل کیں اور انہیں بزرگوں کی صحبت کے پیش نظر ترک تقلید اور عمل بالحدیث کا رنگ
آپ پر غالب تھا۔ چنانچہ مولوی خرم علی صاحب سے مسئلہ فاتحہ خلف امام میں آپ کا مناظرہ مشہور
ہے اسی محدث میں آپ نے بزبان فارسی رسالہ "فاتحۃ الصواب فی قرأۃ فاتحۃ الکتاب" محرم
۱۲۵۶ھ میں تصنیف فرمایا پھر اس کا خلاصہ بزبان اردو بنام "زبدۃ اللباب" فرمایا جو مطبع سعید
میں طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے۔ آپ بے حد ذہین تھے حفظ قرآن کا شوق ہوا تو رمضان المبارک کی
پہلی تاریخ کو التزام کیا دن میں ایک پارہ حفظ کر لیتے اور شب کو تراویح میں سنا دیتے۔ خاندان میں مہر
فاطمی کا رواج آپ ہی کی سہمی سے ہوا۔

ایک مدت تک بنارس کالج میں مدرس رہے بڑے بڑے انگریز حکام نے آپ کی شکر گزری
کی ہے آپ کو داسلرے کے دربار میں خاص کرسی ملتی تھی باوجود ایسے اعزاز کے استغنا کا عالم تھا کہ
اپنے لیے عہدہ کی ترقی ناپسند فرمائی اور دنیات کی طرف آپ کی توجہ بہت زیادہ رہی۔ صاحب
کرامت بھی تھے۔

"فاتحۃ الصواب" اور "زبدۃ اللباب" کے علاوہ آپ کی دوسری تصانیف یہ ہیں "زبدۃ القلوب"

”انباط عبارۃ الکافیۃ بالبیان الشافیۃ“ ”فرنگ اخوان الصفا“ اور قواعد اردو۔

جمادی الاولیٰ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۳ء) میں اٹھاون برس کی عمر میں وفات پائی اور سعید الدین احمد
مجید الدین احمد، حمید الدین احمد اور شہید الدین احمد چار صاحبزادگان عالی مرتبت یادگار چھوڑ گئے۔

مولانا محمد حسن صاحب

مولانا محمد حسن صاحب راہپور مبارال سے تعلق
رکھتے تھے امیر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم اللہ

راہپوری کے چچا مولوی محمد حسن صاحب کو ہمیں بچپن سے جانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے استاد میاں جی محمدی
صاحب سے ان کے بہت سے حالات سنے ہیں مولوی صاحب موصوف مولوی اسماعیل صاحب اور
مفتی الہی بخش صاحب کا مدظلیہ کے شاگرد تھے۔

روایت ہے کہ آپ ابتدا میں نہایت نفاست پسند اور نازک مزاج تھے لیکن آپ کی نازک
مزاجی (جس کا حضرت امام صاحب نے علاج کیا) کا جو قصہ حکایات اولیاء میں مولانا گنگوہی سے
منقول ہے بقول مولانا غلام رسول مہر مرحوم ”وہ کسی لحاظ سے بھی قابل قبول نہیں ہم اتنا جانتے ہیں کہ
دورانِ جہاد میں انتہائی سادگی سے زندگی گزارا، یہاں تک کہ اپنے لینے سونے کی بھی کوئی جگہ مقرر نہ
کی۔ سید صاحب کی باتیں سننے کے شوق میں پاس بیٹھے رہتے، نیند آتی تو وہیں پر سو جاتے“
مولانا مہر صاحب آپ کے حالات میں مزید رقم طراز ہیں:-

مولوی محبوب علی دکنوی قافلے کے سرحد پہنچے تو راستے کی تکلیفوں
سے اس قدر پریشان ہوئے کہ دلہی کا قصد کر لیا اور مجاہدین سے بھی کہنا
شروع کر دیا کہ گھر واپس چلو اور اقربا کے جو حقوق تمہارے ذمے ہیں،
انہیں ادا کرو۔ دوسرے مجاہدین کے علاوہ مولوی محمد حسن نے بھی
اس موقع پر مولوی محبوب علی سے گفتگو کی تھی۔

محمد حسن: حضرت! آپ کس دلیل سے مجاہدین کے قیام کو نحوٹھراتے ہیں؟

محبوب علی: آخر یہاں کس کا فرسے جنگ درپیش ہے؟

محمد حسن: جنگ کو قتال کہتے ہیں اور اس کا موقع گاہے گاہے آتا ہے۔ جہاد یہ ہے کہ
اعلامہ اللہ کے لیے سعی کی جائے۔ یہاں سب لوگ اس کام میں مصروف ہیں۔ آپ ان کے فعل

کو عبث قرار دیتے ہیں اگر کسی روز کافروں سے مقابلہ پیش آجائے اور آپ دہلی میں ہوں تو کون سی کرامت سے دُور دراز کا راستہ طے کرتے ہوئے اس میں شریک ہو سکیں گے؟
مولوی محبوب علی یہ دلیل سن کر لاجواب ہو گئے۔

فتح امب کے بعد پابندہ خاں تنولی سے مصالحت کی گفتگو شروع ہو گئی تو ایک مرتبہ شیخ ولی محمد پھلتی اور مولوی خیر الدین شیر کوئی کے علاوہ مولوی محمد حسن کو بھی سید صاحب نے پابندہ خاں کے پاس بھیجا تھا اور وہ سید صاحب کی مجلس شوریٰ کے بھی مستقل رکن تھے یعنی تمام اہم مشوروں میں شریک ہوتے تھے۔

سید احمد علی رائے بریلوی کو سالارِ اعلیٰ بنا کر پھولڑہ بھیجا تو مولوی محمد حسن کو ان کا خاص مشیر مقرر کر دیا گیا۔ یہ اور رحیم بخش قجراج جنگ کے وقت پاس پاس کھڑے تھے۔ جب سید احمد علی کی شہادت کا علم ہوا تو ایک دم گھسان کے رن میں گھس گئے اور مردانگی سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ پھولڑہ ہی کے گرنج شہیدیاں میں سید احمد علی اور دوسرے رفقاء کے ساتھ دفن ہوئے، منظورہ کا بیان ہے شاہ اسماعیل کے بعد شکر اسلام میں عجز، علم، خاکساری اور قابلیت کے لحاظ سے مولوی محمد حسن جیسا کوئی نہ تھا۔

آپ کے ہزاروں تلامذہ میں سے مشتے نمونہ از خردارے، چند ایک کے مختصر حالات ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ تفصیل کے لیے تو کئی دفاتر درکار ہیں آپ کے لیے یہ فخری کیا کم ہے کہ جہاں حضرت سید احمد شہید آپ کے سلسلہ تلمذ میں شامل ہیں وہاں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب آپ حج کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ کے نامور مفتی شیخ عبداللہ سراج بھی آپ کے سلفے دوزانو ہو کر بیٹھے اور اپنے شبہات علمی کو پوچھتے ہیں اور خاص طور پر علم مناظرہ کی تحصیل تو انہوں نے آپ ہی سے کی۔

الغرض بقول غالبؔ

میں چین میں کیا کیا گویا دبستان کھل گیا
بلبلیں سن کر مرے نالے غرغرواں ہو گئیں
آپ جہاں تہاں بھی تشریف لے گئے دبستانِ علم و فضل کھلتے گئے۔

باب سوم

دعوت و تبلیغ

مدرسہ رحیمیہ سے سند فراغت کی تکمیل کے بعد آپ نے جب گزشتہ پیش پر نگاہ ڈرائی اور ماحول کا جائزہ لیا تو ہر طرف شرک و بدعت کی ظلمتوں میں ٹامک ٹومیے مارتے ہوئے انسان نظر آئے آپ نے ان کی حالتِ زار کا مشاہدہ فرمانے کے بعد عزمِ صمیم کر لیا کہ گمشدگانِ راہِ بھائیوں کو شیطانی بگڑ بڈیوں پر چلنے سے منع کریں گے، اور کوشش کریں گے کہ وہ پھر سے صراطِ مستقیم پر چلنے لگیں چنانچہ اس عزم کی تکمیل کے لیے آپ نے وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ لیکن حضرت سید صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر سعیت کرنے کے بعد تو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ کو دعوت و ارشاد، اصلاح و تبلیغِ احیائے دین اور ردِ شرک و بدعات کے لیے وقف کر دیا اور اس مشن کا باقاعدہ آغاز رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ کے پہلے جمعہ المبارک سے کیا۔ اس سے قبل حالت یہ تھی کہ خطبہ حضرات عربی کے خطبات ہی پڑھا کرتے تھے جس سے عربی سے ناواقف عوام کو قطعاً کوئی فائدہ نہ ہوتا اس لیے حضرت امام صاحب نے افادہ عوام کی خاطر عربی کی بجائے اردو میں خطبہ ارشاد فرمایا اور شاید برصغیر پاک و ہند میں یہ پہلا خطبہ تھا جو اردو میں دیا گیا۔ امید ہے کہ قیامت تک آپ کو

اپنے اس صدقہ جاریہ کا ثواب ملتا رہے گا۔ آپ نے اپنے اس ابتدائی خطاب میں دہلی کی جامع مسجد میں "مشکل توحید اور ردِ شرک و بدعت" کو اس قدر جبرأت اور حق گوئی و بے باکی سے بیان فرمایا کہ جہاں دلائل و براہین کی فراوانی پر لوگ عیش عیش کر رہے تھے وہاں تاثیر کا بھی یہ عالم تھا کہ سامعین پر ایک سناٹا طاری تھا اور ان کے دل خشیتِ الہی سے لرزنا لگے اور آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب رواں دواں ہو گئے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

خبر کی آگ کی طرح اس ابتدائی خطاب کا عوام و خواص میں چرچا ہو گیا اس کے بعد آپ نے باقاعدہ ہر جمعہ المبارک کے دن جامع مسجد دہلی میں خطاب فرمانا شروع کر دیا اور علماء بدعت کی طرف سے مخالفت کے طوفان بدتمیزی کے برپا کر دیئے جانے کے باوجود لوگ تھے کہ کشاں کشاں پہنچتے اور کچھ کچھ چلے آتے اور خطاب کے اہتمام تک قوتِ تاثیر کے پیش نظر محویت اور استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ یا کسی ماہر اور مشاق جادوگر نے اپنی کرشمہ سازیوں اور سحر آفرینیوں سے ساکت و جامد بنا دیا ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ یہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پرنہیں وقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

سرسید آپ کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"وخط و نصائح سے اہل غفلت کے کان بھول دیتے جو جو مسائل کہ ان پر موافقت کرنی ضروریاتِ دین سے تھی اور بہ سببِ سستی اور کاپلی کوئی علمائے وقت کے عوام روزگار کیا بلکہ خواص کے گوشِ و ہر دم تک بھی نہ پہنچتے تھے آپ کی سعیِ جہد سے سب پر کھل گئے اور آوازہٴ اعلامِ سنت اور ہدمِ بنیانِ شرک و بدعت کا وضع و تشریف کے کان تک پہنچ گیا باوجودیکہ اربابِ مشیخت اور صاحبانِ شخصیت کے سلسلہٴ اعتقاد و سررشتہٴ ارادت خاص و عام کا ان کے ساتھ مستحکم تھا اور

کسی کو مدانت کا گمان نہ ہوتا تھا۔ اور اس گمان سے کہ اگر مسائل حقہ گوش مردم روزگار تک پہنچا تو ہمارے حق میں موجب ضعف اعتقاد کا ہو جائے گا علم شازعت اور لوٹے مخالفت بلند کر کے درپے اذیت و امانت ہوئے لیکن چونکہ مؤید بتائید اللہ تھے اس ہدایت و ارشاد سے باز نہ آئے اور خلق کو نبیوں تک توفیق اخصیاً سنت نبوی اور ترک بدعات و احداث کی ہوتی کہ ایک اور ہی طرح کا نور پیشانی احوال سے چمکنے لگا اور ان مفسدان مفل کا بازار کا سد ہو گیا اور لوگوں نے جان لیا کہ یہ لوگ طمع اخذ و تجز کے امور حق کو آج تک چھپاتے رہے اور بچشم خود دیکھا گیا کہ وضع و شریف کو توفیق نماز کی ایسی ہوئی کہ مسجد جامع میں نماز جمعہ کے واسطے ایسی کثرت ہونے لگی جیسے عید گاہ میں نماز عیدین کے واسطے ہوا کرتی ہے اور تائید الہی اور ان کی صدق نیت اور خلوص طوہت کی برکت سے الی آلان وہی حال چلا آتا ہے اور یہ ثواب انہیں حضرت کے جریدہ اعمال میں لکھا گیا اور آج تک اس کا اجر ان کی روح پر فتوح پر پہنچا جاتا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک فالحمد للہ علی ذلک۔ آپ کی عادت یوں تھی کہ روز جمعہ اور روز شنبہ کو مسجد جامع میں مجلس وعظ کو مرتب فرماتے تھے طرفہ تو یہ ہے کہ سامعین کو کہ ہزار ہا سے متجاوز ہوتے تھے اس چار روز کے عرصہ میں بسبب اغوائے مغویان ضلالت نہاد کے یا بسبب انحراف نفس آمارہ کے اگر شبہ پیدا ہوتے اور ارادہ کرتے کہ اپنے وعظ میں آپ کی حسن تقریر سے اس کو رفع کریں گے۔ جب درس کی مجلس میں آن کر حاضر ہوتے تو حضرت ابتداء وعظ میں کلمات چند لطیفی تہنید کے ارشاد کرتے اور ان کی تقریر کی جامعیت سے وہ چیزیں مذکور ہوتیں کہ ہر شخص اپنے شبہ کا جواب پاتا اور کچھ خدشہ باقی نہ رہتا یہاں

تک کہ بعد اختتام درس کے کسی کو یہ خلیان نہ رہتا کہ ان شبہات کو پھر اپنی زبان سے بیان کر کے دلیل طلب کرے اور عمدہ مفاد ترویج و تشریح و بدعت اور احمیائے سنت تھا۔ آپ کی سخن تقریر سے وہ مسائل خامضہ کہ طالب علم کو بعد رد و قدح کے ذہن نشین ہوں۔ جہلائے عامی کو مجرد استماع کے کچھ میں آجاتے تھے اور اس طرح منقوش خاطر ہوتے تھے کہ مخالفین سے بعض اہل علم چاہتے تھے کچھ دلائل علمی سے اس کو رد کر کے اس کے ذہن سے نکالیں ممکن نہ ہوتا جب یہ مطالب خوب تھن گئے بموجب ارشاد سید اصفیا یعنی پیر طریق بدہنی کے اس طرح سے تقریر و وعظ کی بنیاد ڈالی کہ مسائل جہاد فی سبیل اللہ بشیر بیان ہوتے اور یہاں تک آپ کے معتدل تقریر سے مسلمانوں کا آئینہ باطن مصفاؤ و مجلا ہو گیا اور اس طرح سے راہ حق میں سرگرم ہوئے کہ بے اختیار چاہنے لگے کہ سر ان کا راہ حق میں فدا ہو اور جان ان کی لوٹے

دین محمدی میں صرف ہوئے

آپ انتہائی سادگی اور بے تکلفی سے وعظ ارشاد فرمایا کرتے تھے جبکہ دستار کہ بقول شخصے ریاکار کے ہتھیار ہیں، کا بالکل اتہام نہ کرتے تھے، خطبہ مسنونہ کے بعد دل سوزی کے ساتھ قرآن حکیم کی آیات تلاوت فرماتے اور پھر کتاب و سنت کی روشنی میں ہی ان کی تفسیر شروع فرمادیتے جیسا کہ ابھی ابھی ذکر کیا جا چکا اس سادہ سے پیرایہ بیان میں ہی قدرت نے وہ تاثیر و دلچسپی فرمادی تھی کہ سامعین کے دل خوفِ خدا سے کانپ اٹھتے اور آنکھیں اشکیار ہو جاتیں اسی لیے بعضی ثقافت نے لکھا ہے کہ حضرت کے ایک ایک وعظ سے وہ نسبتیں پیدا ہو جاتی تھیں جو دس بارہ سال کے اشتغال و مراقبہ سے پیدا ہوتی ہیں "شستہ نمونہ از خردارے" آپ کے بیان کی تاثیر کی چند ایک مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

طوائف کو وعظ

ایک دفعہ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مکان کے دروازے پر کھڑے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ بہت سی حسین و جمیل دوشیزکان بلا پردہ مختلف سواروں پر سوار کہیں جا رہی ہیں آپ نے کسی سے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہیں، کہاں جا رہی ہیں اور پردہ کے بغیر کیوں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ سب طوائف ہیں اور فلاں بڑی طاغف کے مکان پر ایک تقریب میں شرکت کے لیے جا رہی ہیں آپ نے ازراہ تعجب استفسار کیا یہ سب مسلمان ہیں؟ اس نے جواب دیا جی ہاں یہ مسلمان ہیں۔ سن کہ آپ کو شدید صدمہ ہوا فرمانے لگے یہ تو ہماری مسلمان بہنیں ہیں اگر روزِ حشر خدا تعالیٰ نے ہم سے پوچھ لیا کہ انہیں کیوں نہ سمجھایا تو ہم کیا جواب دیں گے۔ اس لیے میں تو ان کے مکان پر پہنچ کر انہیں ضرور نصیحت کروں گا۔

احباب و رفقاء نے کہا کہ آپ کا وہاں تشریف لے جانا قرینِ مصلحت نہیں۔ دشمن ہوائی اڑائیں گے کہ آپ قحبہ خانوں میں بھی جانے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے ان طعنوں اور ملامتوں کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں۔ میں بلا خوف و ہراس لومۃ لاؤم پیغامِ الہی ہر کس و ناکس اور اداؤں و اہلی کے گوشش گزار کر کے رہوں گا۔

اس کے بعد اپنے دل کو سمجھانے لگے اے دل! اگر تیرے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتوں اور چیلوں کو کھلا دیتے جاتیں اور اس حیم کو جس میں تیرا مسکن ہے ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھینچا دیا جائے اور خواہ تجھے کیسے ہی آلام و مصائب کا سختہ مشق بنا پڑے تو نے بہر آئینہ اللہ ہی کی بات کہنا ہے اور اس کے پیغام کو پہنچانے سے قطعاً نہیں رکنا۔ دل نے کہا جب تک میرے اندر جان ہے راہِ خدا میں بڑے سے بڑے آلام و مصائب کو برداشت کروں گا۔

اس جذبہٴ صداقت اور عزمِ صمیم کے ساتھ آپ درویشوں سالکس زیب تن فرمائے ہوئے اس مکان پر پہنچ گئے جہاں تقریب کا انتظام تھا اور صدا کرنے لگے اے اللہ والیو! اے اللہ والیو! چند لڑکیوں نے دروازے پر آکر پوچھا کون ہو؟ فرمایا۔ فقیر ہوں کچھ صدا سناؤں

گاہ انہوں نے سمجھا شاید کوئی تماشہ گیر فقیر ہے دروازہ کھول دیا اور اندر بلا لیا تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ مالکہ مکان بالا خانے پر اپنے مہمانوں کے ساتھ جشن میں مصروف ہے آپ بھی اُپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی بی بڑی شان و شوکت کے ساتھ مہمانوں کے ہجوم میں کرسی پر بیٹھی ہے اور ہر طرف شمعیں اور قندیلیں روشن ہیں۔

آپ چونکہ مشہور و معروف خاندان دلی الہی کے چشم و چراغ تھے اور عقاب المرتبت عالم تھے اس لیے لباس کی خستگی کے باوجود آپ کو پہچان گئی اور ادب سے کھڑی ہو کر کہنے لگی حضرت آپ نے یہاں تشریف لانے کی زحمت کیوں گوارا کی؟ آپ نے فرمایا گہراؤ نہیں کچھ صدا سننے آیا ہوں تم سب اطمینان و سکون سے اپنی اپنی جگہ پر بیٹھی رہو۔ ان کے مقدر کا ستارہ چونکہ چمک اٹھا تھا اس لیے سب ہمہ تن آپ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

آپ نے قرآن مجید کھول کر بڑے خشوع و خضوع اور دلسوزی کے ساتھ کچھ آیات تلاوت فرمائیں جسے سب نے ہمہ تن توجہ کے ساتھ سنا۔ پھر آپ نے ان کا ترجمہ کرنے کے بعد فرمایا یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے۔ مال و دولت کو دوام ہے اور نہ حسن و شباب کو قیام اس مفہوم کا یہ بیان اس قدر پُر تاثیر اور پُر درد تھا کہ سب پر گریہ کا عالم طاری ہو گیا۔

اس کے بعد آپ نے موت و حیات کی کشمکش میں ابتلاء کے وقت کی شدت و تلخی اور انسان کی بے چارگی و بے بسی کی اس طرح تصویر کھینچی کہ تمام کا روتے روتے برا حال ہو گیا۔

پھر آپ نے قبر کی تاریکیوں اور تنہائیوں اور دُعاؤں کی آفتوں اور مصیبتوں اور شکر و نیکیر کے سوالوں کا ذکر شروع فرمایا۔ بس پھر کیا تھا کہ سب پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ نالہ و بکا اور آہ و زاری کی وجہ سے کہرام مچ گیا۔

پھر آپ نے میدانِ حشر اور روزِ قیامت کی سختیوں اور عقوبتوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہاں دوسرے مجرموں کی طرح بدکردار لوگوں کو بھی گرفتار کر کے فرشتے عدالتِ الہی میں حاضر کریں گے ایک بدکردار عورت کے ساتھ سینکڑوں زانی و بدکردار آدمی لائے جائیں گے جو اس کی وجہ سے اس بدعادت کا شکار ہونے تو بتاؤ اس وقت خدا تعالیٰ کے

پس تمہارا کیا جواب ہوگا؟ یہ بیان بھی اس قدر پر درد اور پُرسوز تھا جس کی وجہ سے روتے روتے ان کا بُرا حال ہو گیا اور ہچکیاں بندھ گئیں۔

اس کے بعد آپ نے توبہ کی فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں سرور دنیا و دین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

أَلْتَأْتِبُ مِنَ الذَّنْبِ مَكْنَ لَا ذَنْبَ لَهُ

"یعنی گناہ سے توبہ کرنے والے نے گویا کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔"

اور ساتھ ہی آپ نے نکاح کی فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا کہ جس کا دل چاہے وہ

نکاح کرے۔

جب آپ یہ وعظ ارشاد فرما رہے تھے۔ آناً فاناً سارے شہر میں یہ خبر پھیل گئی

اور لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ دیوانہ وار لپکتے ہوئے دہان آ پہنچے مگر دوپہس کے تمام مکانوں کی چھتوں پر انسانوں کے سر بھی سر نظر آتے تھے اور تمام لوگ ہمہ تن گوش بگداز تھے۔ آپ کے اس بیان کا یہ اثر ہوا کہ تمام عورتوں نے اسی مجلس میں صدق دل سے توبہ کر لی، جوان عورتوں نے بعد میں نکاح کر لیے اور عمر رسیدہ نے محنت مزدوری سے اپنا پیٹ پالنا شروع کر دیا۔

ایک دفعہ آپ جامع مسجد دہلی کی میٹھیوں کے پاس خطاب فرما رہے تھے کہ ایک مخنث کی

ایک مخنث کی توبہ

قسمت کا ستارا چمکا وہ ہندی لگانے ہاتھوں میں چوڑیاں یا ڈال میں کڑے اور سُرخ جوڑا پہنے اذراہ تغنن آپ کے پاس آکھڑا ہوا اور وعظ سننے لگا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ آپ کے مضمونات اثر دکھانے لگے اور اس کی طبیعت پر خوشگوار اثر پڑنے لگا کچھ دیر اور گزری تو اس پر محویت کا عالم طاری ہو گیا اور آپ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے بھی اس کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اس کی نسوانی بیہشت کی مذمت کی، خدا تعالیٰ کی گرفت اور عذابِ آخرت کی شدت اس قدر سوز و گداز سے بیان فرمائی کہ تیر نشانہ مراد پر لگا اور وہ اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً توبہ کر لی، چوڑیاں توڑ ڈالیں، زیورات اتار

پھینکے اور ہندی کارنگ دُور کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں کو میٹھیوں کے پتھروں پر اس قدر زور زور سے رگڑا کہ خون جاری ہو گیا اس کے بعد وہ ہمیشہ آپ کے حلقہ خدام میں شامل رہا اور آپ کی معیت میں ہی خراسان گیا اور وہی کا یہ سعادت مند تخت کھولنے کے مقابلہ میں شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا۔

دربارِ اکبر میں وعظ | ایک فزنیہ آپ نے ایام محرم میں قلعہ کے اندر بھی ایک تاریخی خطاب فرمایا جس میں بادشاہ اکبر ثانی بھی شریک مجلس تھا اس

خطاب کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دن آپ چند معتقدوں کی معیت میں جامع مسجد کے حوض کے پاس تشریف فرما تھے کہ خدام تبرکات لے کر اکبر کو زیارت کرانے کے لیے سوتے قلعہ بارہے تھے۔ لوگوں نے جب ان کو دیکھا تو فوراً تعظیماً کھڑے ہو گئے اور کلمہ طیبہ کا ورد کرنے لگے مگر آپ اور آپ کے معتقدین بدستور بیٹھے رہے اور اس کی طرف قطعاً توجہ مبذول نہ فرمائی۔ تبرکات سے اعتقاد رکھنے والے یہ دیکھ کر بہت نالاں ہوئے اور انہوں نے دربارِ اکبر میں شکایت کی کہ شاہ عبدالعزیزؒ کا بھتیجا اسمعیل دین اسلام کی توہین کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلقاً ادب نہیں کرتا ابھی ابھی جب ہم تبرکات لے کر حاضر خدمت ہوئے تھے تو تمام مسلمان تعظیماً کھڑے ہو گئے مگر انہوں نے تعظیم نہیں کی بلکہ ہمیں اور تبرکات کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا۔

اکبر نے سن کر آپ کی طرف قلعہ میں آنے کے لیے پیغام بھیجا۔ آپ تمام معاملہ سمجھ گئے۔ معتقدوں اور چہرہ افراد خاندان نے مشورہ دیا کہ آپ پہلے ریڈیٹ سے مل کر اپنی مخالفت کی وجوہ بیان فرمادیں مبادا کہ اکبر آپ کو کچھ نقصان پہنچائے۔ جواب میں آپ نے یہ آیت شریفہ تلاوت فرمادی۔

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا اَلَا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا
وَعَلَى اللّٰهِ فليتوكل المؤمنون

فرما دیجئے ہمیں ہرگز کوئی دُراتی یا بھلائی نہیں پہنچتی مگر وہ اللہ نے جو ہمارے لیے لکھ دی ہے۔ اللہ ہی ہمارا مولیٰ ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور فرمایا کہ میں نے دینی و دنیاوی کئی قسم کے مجرم کا ارتکاب نہیں کیا تو کسی طرح کا خون دامن گیر کیوں ہو لہذا میں بلا بھجک اس کے پاس جاتا ہوں۔ جو دریافت کرے گا اس کا یہ بلا جواب دوں گا۔

آپ دربار میں تشریف لے گئے، اکبر نے حوض کے واقعہ کی تفصیل دریافت کی آپ نے فرمایا یہ تبرکات مصنوعی ہیں ان کی تعظیم کے ہم مکلف نہیں۔ آپ نے سلسلہ بیان کر جاری رکھتے ہوئے نہایت نرم لہجہ میں فرمایا جب کہ تبسم بھی آپ کے رخ انور پر قصاں تھا کہ میں تو صرف کہتا ہی ہوں اور آپ ان کو مصنوعی سمجھتے بھی ہیں۔ اکبر نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا سال بھر میں دو دفعہ تبرکات آپ کی زیارت کے لئے لاتے جاتے ہیں آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لئے تشریف نہیں لے جاتے۔ سن کر اکبر چپ ہو گیا اس کے بعد آپ نے کسی سے فرمایا کہ قرآن مجید اور بخاری شریف لاؤ وہ لاتے گئے تو آپ نے انہیں واپس کر دیا اور پھر یہ تعریہ فرمائی۔

ان تبرکات کے متعلق اولاً تو کلام ہے کہ مصنوعی ہیں یا حقیقی۔ اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ حقیقی ہیں تو پھر بھی اکثر تبرکات مثلاً چادر وغیرہ ایسے ہیں جن کا کوئی ذاتی شرف نہیں ان میں شرف محض بلسی کی وجہ سے ہے لیکن قرآن مجید کے کلام الہی ہونے میں قطعاً کوئی شک نہیں اسی طرح بخاری شریف بالاتفاق اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے اور اس کا کلام رسول ہونا بھی قابل انکار ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زین تن فرمائی ہوئی چادر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام کے اشرف ہونے میں کوئی شک نہیں مگر ان تمام باتوں کے باوصف کلام خدا و کلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے ان کی کوئی تعظیم نہیں کی بلکہ بدستور بیٹھے رہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ حضرات تبرکات کی تعظیم ان کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض ایک رسم کے پیش نظر کرتے ہیں۔

اس مضمون کو جب آپ نہایت شرح و بسط سے بیان فرما رہے تھے تو اکبر گردن جھکائے خاموش بیٹھا رہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری رہے۔ دوران خطاب آپ نے دیکھا کہ اکبر کے ہاتھ اور پاؤں میں سونے کے کڑے ہیں اور پاس بیٹھے ہوئے

شہزادہ کی وارثی صاف ہے تو فرمایا کہ مردوں کو سونا پہننا حرام ہے اور شہزادہ تو چنگیا
گھڑا ہے کہ پیچاس برس حضرت شاہ عبدالعزیز کا وعظ سنا مگر اب تک وارثی نہیں
رکھی۔ اس وعظ کا اثر یہ ہوا کہ شہزادہ نے وارثی رکھ لی اور بادشاہ نے فوراً سونے کے
کڑے اتار پھینکے۔

اللہ اللہ حضرت کے خلوص و لہیت کا کیا عالم تھا کہ زبان مبارک سے جو کلمہ بھی
نکلنا تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلا اور یہ لوگ بھی کتنے سعادت مند تھے کہ حق سننے اور اس کے
واضح ہو جانے کے بعد فوراً تسلیم خم کر دیتے تھے، آج فرائض و سنن ترک کرنے
والوں سے ہزار بار کہتے کہ یہ فرض ہے، یہ سنتِ رسول ہے اور مسلمان کا شعار ہے مگر
کیا مجال کہ کس سے مس ہوں۔

کلکتہ میں وعظ

جب حضرت سید احمد صاحب نے کلکتہ کو قدمِ مہینت لڑوم سے
رفوازا اور لوگ لپکتے ہوئے آئے اور آپ کے دستِ حق
پرست پر بیعت کر کے معصیت اور زندگیوں سے تائب ہو گئے تو حضرت امام صاحب نے
زنگ سے وصلے ہوئے ان دنوں کو صیقل کرنے کے لیے ہر منگل اور جمعہ کو ظہر سے شام
تک وعظ فرماتا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی حضرت مولانا عبدالحی صاحب بھی اس مبارک کام میں حصہ
لیا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ کثرت سے شراب نوشی کے عادی تھے۔ لہذا حرمتِ شراب کو
بھی موضوعِ سخن بنایا گیا اور خاطر خواہ کامیابی ہوئی، مولانا جعفر تھانیسری لکھتے ہیں۔

ان بزرگوں کے وعظ کی یہ تاثیر ہوئی کہ خلقت مثل پروانہ گردیدہ ہو
گئی اور ہر ایک بیعت کنندہ کے شراب نوشی سے تائب ہونے پر
شراب کی دوکانیں بند ہوئیں۔ ٹھیکیدارانِ شراب نے اس کی نالیں
بہ حضورِ حاکمانِ شہر کے استعفاء داخل کر دیتے اور کہا کہ صبح و شام
بم ایک خریدار نہیں آتا کس کے ہاتھ فروخت کریں۔

تبلیغِ حضرات کو وعظ

ایک مرتبہ لکھنؤ میں آپ نے اعلان فرمایا کہ کل ہم
شیعوں کی عید گاہ میں وعظ کہیں گے، چنانچہ آپ

حسب اعلان و عظم کہنے کے لیے عید گاہ تشریف لے گئے، اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا مولانا ممبر پر تشریف لائے اور عظم شروع فرمایا، مولوی علقب سوم صاحب، مولوی عبدالحمی صاحب کے صاحبزادے آپ کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ و عظم میں آپ نے تہنیتیہ کی خوب دھجیاں اڑائیں۔ اس عظم میں دو نو عمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھاتی بھاتی تھے جن میں سے ایک کا نام محمد رافضی تھا اور دوسرے کا نام محمد رضی تھا مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے، ان پر اس عظم کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھاتی نے بڑے بھاتی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ شخص جو مذہب تشیع کی اس بے باکی سے ترویج کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دُبلاتپلا آدمی ہے نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار، پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو یہ اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کون سی بات ہے؟ جو اس کو اس بے باکی اور سرفروشی پر آمادہ کر رہی ہے۔ وہ صرف اس کا ایمان ہے۔ اور اب ہم اپنے امہ پر نظر کرتے ہیں ہمارے امہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ ان کی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ لقمیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہو سکتا کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے تھے یا ان کے لقمیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے ہیں یا مذہب اہل سنت و جماعت جو کہتے ہیں کہ امہ نہایت راستگو اور نہایت با ایمان تھے اور ان کی شان "لایخافون فی اللہ لومة لائم" تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں ان کی طرف شیعہ نسبت کرتے ہیں وہ ان کا افتراء ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے درمیان تو پھر جب میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہل سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے

اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چپوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر پر سے اتر جاتے مجھے کچھ عرض کرنا ہے مولانا کچھ کہ شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال کر کے آپ نیچے تشریف لے آئے۔

اس لڑکے نے منبر پر جا کر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جُرات سے مذہبِ شیع کی تردید فرما رہے ہیں اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف تھا اور نہ ان کا دولت کا اور نہ عام رعایا کا محض ایک معمولی شخص ہیں کہ نہ ان کو کوئی جسمانی قوت ہم لوگوں سے ممتاز حاصل ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جُرات دکھلا رہے تھے اس کا سبب کیا ہے؟ اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جاننا بنا دیا ہے۔ میرے نزدیک وہ قوت صرف توبہ ایمانی ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتیٰ کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے؟ اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی، اول تو مذہبِ شیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے پھر اگر اس کو تسلیم نہ بھی کر لیا جاوے تو وہ قوت میں مولوی سمیع صاحب کی صورت میں کم نہ ہوں گے پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی سمیع صاحب کی سی جُرات نہ تھی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں وہ مولوی سمیع صاحب سے بھی کمزور تھے اور اس کی یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہبِ شیع تو کسی طرح سے حق نہیں ہو سکتا اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہبِ خوارج یا مذہبِ اہل سنت اور یا تو ائمہ (لغوذا باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا وہ کچھ سُستی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہبِ شیع سے تائب ہونا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحبِ جواب دیں ورنہ میں سُستی ہوتا ہوں اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا آخر وہ منبر پر سے اُترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا ہوں اب آپ

وخط فرمائیں مولانا نے فرمایا کہ وہ غلط سے جو میرا مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا اس لیے اب مجھے کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔

یہ دونوں لڑکے کسی بڑے و شریف دار کے لڑکے تھے جب یہ سستی ہو گئے تو انہوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے تھے

شہزادی کو تبلیغ
ابراہیم شاہ دہلی کی ایک بہن تھیں جن کو بی چھکو کہتے تھے یہ ابراہیم شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انہوں نے ابراہیم شاہ کو گود میں کھلایا تھا

اس لیے باو شاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے۔ اور تمام شہزادے اور شہزادیاں بھی ان کو بڑا مانتے تھے غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کو سے اور گالیاں بہت دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند شہزادوں اور چند شہدوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسماعیل کو گالیاں دلوانی چاہتیں اور اس کے لیے تدبیر یہ کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے ان کو بھی دعوت دی گئی اور جو شہزادے وغیرہ ان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھرا دیا گیا کہ اسماعیل بی بی کی صحبت کو منع کرتا ہے اور میراں کے برے کو ناجائز کہتا ہے، فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے، فلاں کے توشہ کو۔ شیخ عبدالقادر کی گیارھویں کو منع کرتا ہے، اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھر دیئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔

یہ سب رگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پڑھ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسماعیل صاحب کو ذرا دیر ہو گئی اس پر اور ان کو موقع ملا اور انہوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھیے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا اس پر وہ اور بھی برہم ہو گئیں۔ غرض یہ کہ جب مولانا شہید جلسہ میں پہنچے اس وقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے ان کے ہنسنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسماعیل آ گیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھ کر تار

گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے آپ نے اس کا تو کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا
اٹاؤ! یہ آواز تو چھکوں اماں کی معلوم ہوتی ہے۔ اماں سلام!

جب انہوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کا فور ہو گیا اور انہوں نے
بڑوں کے قاعدے سے اُن کے سلام کا جواب دیا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے کہا اسماعیل
ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو۔ مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا جھلا
میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انہوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے
فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے آبا جان منع کرتے ہیں
میں لوگوں کو بی بی کے آبا جان کا حکم سنانا ہوں اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا
کہ بی بی کے آبا منع کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی ہاں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

"مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

اور حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔
بی چھکو نے جو یہ تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب اگر کوئی عورت کرے گی تو اس کو حرامزادی
کی ناک چٹایا کاٹ لوں گی۔ ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے ہم تو بی بی کے آبا پر ایمان لائے ہیں
جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں گے۔

مجموعوں و مصلیوں میں وعظ

مولوی اسماعیل صاحب کا نذہ صلی (مولوی یحییٰ صاحب
کے والد) اور مولوی عبدالرحیم (رانڈوں کی شادی

والے) بیان کرتے تھے کہ مولوی اسماعیل صاحب مہید کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ
ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے نواح کی محفل تو آپ وہاں پہنچتے اور کھڑے
ہو کر وعظ فرماتے اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ جہاں ناپح یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں
وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپ کے وعظ میں آ جایا کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین
اولیاء میں بھی پہنچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہی اثر ہونے لگا تھا جب
مجاہدوں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسماعیل
کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیے اس پر ایک بڑھے نے آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور کہا کہ میں

ان کو قتل کروں گا غرض یہ عمل طے پا گیا۔ ایک روز مولانا شہید جامع مسجد میں بیچ کے در میں غلط فرار ہے تھے کہ اس بڑھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا سو مولانا تو بیچ گئے مگر وہ تلوار ان کے ایک دوست کے لگی اور ان کا شانہ زخمی ہو گیا (خال صاحب حضرت امیر شاہ نے فرمایا کہ راویوں نے ان کے دوست کا نام لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اس پر مولانا کے دوست اس بڑھے کو لپٹ گئے اور تمپٹر وغیرہ مارے مولانا نے اس بڑھے کو چھڑا دیا اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

اللہ کے دین کی تبلیغ کا یہ جذبہ صادقہ ہی تھا جو دشمنوں کی محفلوں اور مشرکوں اور بدعتیوں کے میلوں وغیرہ میں جانے اور حق سنانے پر مجبور کرتا اور پھر اس مجسم اخلاق اور پیکرِ رشد و ہدایت کے علم اور عفو کا اندازہ لگائیے کہ دشمن خون کا پیاسا ہے اور تلوار کا دار کرنے سے نہیں چوکتا مگر آپ اسے معاف فرمادیتے ہیں اور قطعاً کوئی انتقام نہیں لیتے۔

وَ الْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

سنیدم کہ مروان راہ خدا
دل دشمنان ہم نہ کر دندناک

مخالفت
ان سابقہ صفحات کے مطالعہ سے یہ تحقیق مسبر بن ہو جاتی ہے کہ امام صاحب نے حبیب الہی، عشق رسول، ولولہ جہاد اور تڑپ احمائے دین کے جذبات سے سرشار ہو کر تبلیغ و اشاعت دین میں دن رات ایک کر دیا اور جملہ اہل کرام کی اس سنت پر عمل پیرا ہونے میں قطعاً کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کیا یہ سب کچھ حالات کی موزونی، قوم کی موافقت اور امن، چین اور سکون کے ساتھ انجام پا گیا؟ نہیں ہرگز نہیں یہ ممکن ہی نہیں کوئی سفر طائف اختیار کرے اور پتھر اس کا استقبال نہ کریں۔ آپ کو بھی ان تمام مصائب و شدائد سے دوچار ہونا پڑا، اصحاب دعوت و عزیمت کے راستے میں جو حائل ہوا کرتے ہیں۔

یہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ ایک بوڑھے نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ تلوار کے ساتھ آپ پر وار بھی کر دیا۔ لیکن مشیت ایزدی تھی کہ آپ کو کوئی نقصان نہ

پہنچ سکا بلکہ آپ کا ایک تھی زخمی ہو گیا علاوہ ازیں آپ پر پھبتیاں کی گئیں، گالیاں دی گئیں اور پتھر برسائے گئے مگر صبر و استقامت کا یہ کوہِ گراں میدان میں بڑی آن بان سے کھڑا رہا اور بڑے سے بڑے آلام و مصائب بھی قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکے تو اہل باطل نے ایک اور حیلہ سوچا کہ ڈیڑھ نہر معززین شہر کے دستخط کروا کے دہلی کے انگریز ریڈیٹنٹ کو ایک دست لکھی جس میں الزام لگایا گیا کہ مولانا سمیع اللہ کی تقریروں سے نقص من کا خطرہ ہے اور اندیشہ ہے کہ شدید انتشار پیدا ہو جائے گا جس پر قابو پانے کے لیے فوج طلب کرنا پڑے گی۔ آپ کے سب سے بڑے حریف اور علماءِ سُو کے سرغنہ مولوی فضل حق خیر آبادی اس سلسلہ میں پیش پیش تھے چنانچہ یہ اس وقت انگریزی گورنمنٹ کے ملازم تھے اور سررشتہ دار کے عہدہ پر فائز تھے اس لیے یہ آپ کی تقریر پر پابندی کے احکام صادر کرانے میں کامیاب رہے چنانچہ چالیس دن تک آپ کا وعظ بند رہا۔

آخر کار آپ نے بھی اس حکم کے خلاف اپیل دائر کر دی اور اپنے اسی وجوہات لکھ کر ثابت کیا کہ اگر تقریر بند رہی تو یہ یہ خرابیاں رونما ہوں گی۔ ریڈیٹنٹ نے مولوی فضل حق کو بلا کر کہا:-
 ”مولوی صاحب چالیس دن تک تنہا اسماعیل کا وعظ بند رکھا گیا میری رائے میں یہ بالکل غلط کاروائی ہوئی ہے اتنے بڑے مولوی کے ساتھ ناجائز برتاؤ کیا گیا ہے ابھی حکم لکھ دو کہ وعظ کھولا جائے اور جو کوئی مزاحم ہو اسے قانونی سزا دی جائے۔“

مولوی فضل حق نے وعظ کے اجراء کا حکم تو لکھ دیا لیکن اسے ارسال نہ کیا کئی دن گزرنے کے بعد امام صاحب مولانا عبدالرحیم محدث، مولانا عبدالصمد بنگالی اپنے منشی بہر اللال اور ایک خادم کو لے کر کھچر ریڈیٹنٹ کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ جب اسے آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو فوراً باہر نکل آیا اور اندر کوٹھی میں لے گیا۔ مزاج پرسی کے بعد ریڈیٹنٹ نے خود یہ الفاظ کہے۔

”مولوی صاحب ہمارے سررشتہ دار کی غلطی سے آپ کے وعظ بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا تھا لیکن جب آپ نے واجبی اور معقول وجہیں لکھیں تو

تو میں نے اسی وقت حکم ثانی لکھا دیا تھا تا کہ وعظ قدیمی طور پر جاری کیا جائے اور کوئی مزاحم نہ ہو غالباً آپ وعظ فرماتے ہوئے گئے۔

آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم ثانی موصول نہیں ہوا تو ریڈیٹنٹ نے مولوی فضل متی کو طلب کیا اور نہایت غصے سے کہا کہ جب پچھ روز ہو چکے ہیں میں اجراء وعظ کا حکم دے چکا ہوں تو تم نے میرے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی۔ مولوی صاحب کوئی معقول جواب نہ دے سکے چنانچہ ان کو تین ماہ کے لیے معطل کر دیا گیا اور وہ رامپور چلے گئے اور حضرت امام صاحب اجازت لے کر واپس تشریف لے آئے ریڈیٹنٹ نے نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو الوداع کیا غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فن خطابت میں مکمل دسترس سے نوازا تھا۔ اور پھر اخلاص،

لہیت، تڑپ احیاء دین اور پند و معظت کے جذبہ بے پناہ نے قوت تاثیر کو چار چاند لگا دیتے جذبہ اصلاح کی ایک مثال سماعت فرمائیے۔ ایک مرتبہ آپ نے خطاب فرمایا۔ ابھی بیان ختم کر کے بیٹھے ہی تھے کہ ایک شخص اٹھا آیا اور اس نے حیرت سے پوچھا کہ کیا آپ کا خطاب ہو چکا ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ ہو چکا۔ وہ کھٹ افسوس ملنے لگا کہ میں تو گھر سے دور دراز کا قافلہ طے کر کے اس لیے حاضر ہوا تھا کہ کچھ پند و نصیحت سنوں گا۔ آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ بھائی افسوس نہ کرو میں نہیں پھر سناؤں دیتا ہوں چنانچہ آپ نے پورا وعظ اول سے آخر تک دہرا دیا کہ شاید اسی ایک کو ہدایت ہو جائے لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ صَبْرٍ النعم۔

ڈاکٹر ہنر نے ایک عام و بانی مبلغ کے متعلق لکھا ہے۔

”جہاں تک میرا تجربہ ہے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ایک و بانی مبلغ سب سے زیادہ روحانیت رکھنے والا، سب سے کم خود غرض اور بے لوث ہو گا۔“

جب و بانیوں کے ایک بہت بڑے دشمن کے ان کے ایک عام مبلغ کے متعلق یہ سائنسز ہیں تو کیا و بانیوں کے امام اور ان مسابغین حضرت امام محمد اسماعیلؑ کی لہیت بے غرضی اور بے لوثی کا کوئی اندازہ کر سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جب آپ خطاب فرماتے

تو ہزاروں کی تعداد میں سامعین جمع ہو جاتے حتیٰ کہ ہم عصر علماء و محدث کا شمار ہو گئے چنانچہ مولوی مرزا حسن علی صاحب محدث کھنولہ آپ کی مجلس و عظم میں عجم خلافت دیکھ کر ازراہ حسد کہا کرتے تھے کہ میں بھی قرآن و حدیث کا وعظ کرتا ہوں اور یہ بھی قرآن و حدیث کا وعظ کرتے ہیں مگر میرے وعظ میں دس پانچ آدمی سے زیادہ جمع نہیں ہوتے اور ان کے وعظ میں سارا شہر ٹوٹا پڑتا ہے اور مسجدوں میں سامعین کو بیٹھنے کو جگہ نہیں ملتی۔

انذارِ بیباں اور

قدرت کی طرف سے آپ کو جس بے مثل سخنوری، قوتِ گویائی، خوبیِ تقریر اور زورِ بیان سے نوازا گیا اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک مرتبہ مجلس و عظم میں آپ نے ایک رکوع کی تفسیر و تشریح اس قدر احسن پیرائے بیان میں کی کہ مولانا امام بخش صاحب قصبائی، مولانا عبد اللہ خان صاحب اور مفتی صدر الدین صاحب جیسے جلیل القدر علماء نے جو کہ اس وقت شرکت میں تھے آپ سے درخواست کی کہ یہ بیان دوبارہ کیا جائے آپ نے ان حضرات کے حسبِ استدعا ایک دوسرے جلسہ میں اس رکوع کی تلاوت کی اور ترجمہ کے بعد اس قدر فصیح و بلیغ انداز میں اس کا مفہوم سمجھایا کہ بڑے بڑے علماء و نگ رہ گئے اور پھر لطف یہ کہ آپ نے جو اسرار و رموز بیان فرمائے وہ پہلے دن کی نسبت بالکل مختلف تھے ایک نئی نشست میں بھی سامعین کی طرف سے اسی رکوع کے بیان کی درخواست ہوئی جسے آپ نے شرفِ قبولیت بخشا اور سابقہ دونوں بیانیوں کی نسبت آج بالکل نئے اور اچھوتے انداز سے اس کی وضاحت فرمائی کہ لوگ عیش عرش کراٹھے۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص قوتِ تاثیر سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں بدعتی اور شیعہ اپنی بدعات اور غلط عقائد سے تائب اور غیر مسلم اثرہ اسلام میں داخل ہو گئے یا ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی شخص آپ کی زبانِ فیض ترجمان سے سو حید و اتباع سنت کا بیان سنے اور شرک و بدعت سے توبہ نہ کرے ذلک فضل اللہ یؤتیه لمن یشاء معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی نصرت و حمایت اور اپنے بندوں کی اصلاح کے لیے ہی پیدا فرمایا تھا یہی وجہ ہے کہ جب ہم آپ کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ آپ نے

چند اصلاحی کارنامے

قدم قدم پر ایسے ایسے اصلاحی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جو بہتی دُنیا تک یاد رہیں گے آپ کی تدریس و تبلیغ کا ذکر ہو چکا، حج، جہاد اور تصنیفی کارناموں کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا ذیل میں چند دیگر اصلاحی کارناموں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تظہیر مسجد | آپ کے دور میں مسلمانوں کے دلوں میں مسجدوں کا احترام باقی نہیں رہا تھا حتیٰ کہ دہلی کی جامع مسجد کے اندرونی حوض پر ایک بازار لگتا تھا جس میں سودا سلت اور کھلونوں وغیرہ کی بے شمار دوکانیں تھیں اور تو اور مسلمانوں کی بے حرمتی اس حد تک تبادُل کر گئی تھی کہ مسلمانوں کی اس عظیم الشان مسجد میں ہندوؤں نے بھی دوکانیں لگانی شروع کر دیں حضرت امام صاحبؒ نے خانہ خدا کی بے حرمتی کو جب ملاحظہ کیا تو احترام مساجد کے عنوان سے اس قدر جامع اور پُر از تاثیر خطاب فرمایا کہ لوگوں میں آنا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ اگر انہیں منع نہ کر دیا جاتا تو وہ لاطھیاں مار مار کر دوکانداروں کا براہِ شکر دیتے۔ لیکن اس دانائے روزگار نے نون خرابہ کی بجائے اعتدال کا یہ راستہ اختیار فرمایا کہ تمام سامعین کے تحفظ سے اس مفہوم کی اکبر شاہ کی خدمت میں ایک درخواست ارسال کر دی کہ مسجد میں دوکانیں اور بازار اس کے تقدس کے منافی ہے لہذا اسے فوراً ختم کر دیا جائے پانچواں اکبر نے اس درخواست کو فوراً منظور کر کے مسجد میں بازار لگنے کی ممانعت کا حکم جاری کر دیا۔ آپ کی اس اصلاح کو خاص دعام سب نے بہت زیادہ پسند کیا۔

نکاح بیوگان | حضرت امام صاحبؒ کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ میل جول کے پیش نظر مسلمانوں میں جو معیوب اور غیر شرعی رسوم رواج پا گئی تھیں ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح کرنے کی مجاز نہ بھی خواہ اس کی عمر کا تقاضا کچھ ہی کیوں نہ ہو تھا حالانکہ اسلام میں بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی بالکل معیوب نہیں بلکہ ان میں سے خصوصاً ضرورت مندوں کے نکاح کی تاکید کی گئی ہے اور تو اور خود سرور دنیا و دین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے اکثر و بیشتر بیوہ تھیں اس سنت کے احیاء کی طرف سب سے پہلے حضرت سید صاحبؒ نے توجہ فرمائی۔ آپ کے منجملے بھاتی سید محمد اسحق صاحبؒ کی بیوہ جو ان تھی اور اس کا چھ سات برس کی عمر کا ایک بچہ تھا

احیائے سنت کے پیش نظر آپ نے ان کو نکاح کی ترغیب دی مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا اسی دوران آپ نے خواب دیکھا کہ لکڑیوں کے ایک بھاری گٹھا کو اکثر لوگ اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اٹھانے سے ڈرتے اور وہاں آپ کی یہ بھانج بھی موجود ہیں آپ نے عاجزی و انکاری کے ساتھ ان سے کہا کہ اگر تم ذرا مدد کرو تو میں اس وزنی گٹھے کو اٹھا کر گھر لے چلتا ہوں اولاً تو انہوں نے بھی اس کے بھاری ہونے کی وجہ سے انکار کیا لیکن بالآخر سید صاحب کا اصرار ان کے انکار پر غالب آیا اور وہ راضی ہو گئیں۔ صبح کی نماز کے بعد انہوں نے حضرت امام صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کو اپنا خواب سنایا اور فرمایا کہ اس کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا اور اس رسم قبیح کا خاتمہ کروں گا۔ اس کے بعد سید صاحب گھر تشریف لے گئے اور تمام رشتہ دار خواتین کو جمع کر کے وعظ فرمایا کہ:-

۱۔ اسلام یہ نہیں کہ انسان زبان سے کہے کہ میں مسلمان ہوں یا گائے کا گوشت کھالے اور تختہ کرا لے یا مسلمانوں کی مروجہ رسموں میں شریک رہے۔ اسلام یہ ہے کہ تمام احکام الہی کی تعمیل دل و جان سے کی جائے یہاں تک کہ اگر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح ذبح فرزند کا بھی اشارہ ہو تو اسے خوشی خوشی بجالائے مہنیا ت شرعی کا خیال بھی دل میں آئے تو چاہیں روز تک استغفار کرے۔

انہیں احکام میں سے بیوہ کا نکاح ثانی بھی ہے خصوصاً وہ بیوہ جو جوان ہو۔ افسوس کہ اس زمانے میں بیوہ کے نکاح ثانی کو شرک اور کفر کے برابر سمجھ لیا گیا ہے۔ اس پر عمل پیرائی کو نہایت درجہ قبیح و شنیع تصور کیا جاتا ہے...
..... جو بیوہ نکاح کر لے اسے بہت نازیبا الفاظ سے مطعون کیا جاتا ہے یہ کوئی نہیں سوچتا کہ بات کہاں تک سچتی ہے یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا سب بیوہ تھیں۔

دوسرے دن بھی آپ نے اسی مفہوم کا وعظ فرمایا اور ساتھ ہی اپنی ماہر صاحبہ سے

کہا کہ ہماری بجاوہ کو نکاح پر جس طرح بھی ممکن ہو راضی کرو اور میں صرف یہ اچانکے سنت نبویؐ کی کوشش نظر اصرار کر رہا ہوں ورنہ میرے گھر میں حسین و جمیل اور عفت آب بیوی موجود ہے آخر کار تمام اعتراف و اقرار کے کہنے پر سیدہ ولیہ راضی ہو گئیں اور آپ کا نکاح ہو گیا اس کے بعد سید صاحب نے حضرت امام صاحب سے خطوط کے مسودے مرتب کرا کے دہلی، رامپور پھلت اور دیگر مرکزی مقامات پر بھجوا دیئے تاکہ اس عمل صالح کی خوب خوب اشاعت ہو جائے اس سنت نبویؐ کے احیاء کی ابتداء اگرچہ سید صاحب نے کی مگر پھر حضرت امام صاحب نے بھی اس سلسلہ میں بے پناہ سعی و کاوش کی سب سے پہلے تو اپنی معزز بیوہ ہمشیرہ کو مولانا عبدالحی صاحب کے جہالہ عقد میں دے دیا اور پھر اس مضمون کو اپنے وعظ و ارشاد کا عنوان بنا لیا۔ نکاح ثانی کی فضیلتیں اور اس کو معیوب سمجھنے کی برائیاں ایسی وضاحت اور خوبی کے ساتھ بیان فرمانا شروع کیں کہ دہلی میں ہزار ہا رانڈوں کے نکاح ثانی ہو گئے۔

مولانا جعفر تھامیسریؒ کا بیان ہے کہ ایک معتبر دیرینہ شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ اس وقت دس ہزار کے قریب بکس و بے بس رانڈیں آپ کی سعی اور کوشش سے شوہر و الیاں ہو گئیں اور آپ کی بدولت یہ رسم زولہ ہمیشہ کے واسطے شہر دہلی سے اٹھ کر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہو گئی۔ اسی طرح ایک روز خانم بازار میں تقریباً تیس کبھیوں کو جمع کر کے ان کو وعظ سنایا اس شام ان میں سے آتیس کبھیوں نے توبہ کر کے نکاح کر لئے۔

برصغیر پاک و ہند میں سنی اور شیعہ دو بڑے مذہبی فرقے **اصلاح عقائد شیعہ** اگرچہ ابتداء سے ہی چلے آ رہے تھے لیکن عہد تنلیہ کے آخری دور میں ان دونوں فرقوں میں حصول اقتدار کے لیے مسابقت شروع ہو گئی شیعہ پارٹی اگرچہ تعداد میں قلیل تھی مگر تدریجاً اور تنظیم کے اعتبار سے مضبوط تھی اس لیے اکثر اسے کامیابی حاصل ہوتی اور ہالیوں کے دوبارہ ہندوستان آنے کے بعد تو اسے بہت ہی زیادہ فروغ نصیب ہو گیا۔ اکبرؑ کی مذہبی پالیسی بھی بہت آزاد تھی اور اس کے دور حکومت میں بھی شیعہ کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ یاد رہے کہ اکبر کے نائب السلطنت بیرم خاں کے زوال کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مذہب شیعہ تھا امرائے دہلی کی اکثریت سنی

تھی اور انہیں بجا طور پر یہ شکایت رہتی تھی کہ بیرم خاں شیعہ سے امتیازی سلوک کرتا ہے چنانچہ اس نے شیخ گفٹی کو جو کہ شیعہ تھا صدرِ صدور کے عہدہ پر فائز کر دیا اور اس کو تمام دیگر علماء اور سادات پر فوقیت دیتے ہوئے کورٹس بجالانے سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں بھی شاہی دربار میں شیعہ کو کافی اثر و رسوخ حاصل رہا۔ اوزنگ زیب اگرچہ سنی تھا لیکن اس کے دربار میں بھی شیعہ کثرت تھے حتیٰ کہ اوزنگ زیب کے صاحبزادے بہادر شاہ اول نے تو اپنے دورِ حکومت میں مذہبِ شیعہ کو اختیار کر لیا تھا۔ اور اس نے ۱۰۹۰ھ میں اپنے شیعہ وزیرِ نعم خاں کے مشورے سے حکم دیا کہ خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کے ذکر میں حضرت علیؑ کے نام کے ساتھ **عَلِیٌّ وَوَلِیُّ اللّٰهِ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ** کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے۔ اگرہ، احمد آباد اور بعض دوسرے شہروں میں سنی مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی۔ احمد آباد میں خطیب نے اس پر عمل شروع کیا تو عامۃ المسلمین نے برا فروختہ ہو کر اسے قتل کر دیا لیکن بادشاہ اپنے فیصلہ پر مصر رہا حتیٰ کہ لاہور میں صورت حال انتہائی نازک شکل اختیار کر گئی۔ بادشاہ نے علماء کرام کو مباحثہ کے لیے بلایا اور بزورِ بازو اپنے فیصلہ کی تائید حاصل کرنا چاہی مگر مولانا یار محمد نے نہایت حق گوئی و بے باکی کے ساتھ اپنے موقف سے سر مو نہ ہلنے کا اظہار کیا۔ تو بادشاہ نے کہا تم میرے غضب سے نہیں ڈرتے؟ تو انہوں نے نہایت جرأت سے جواب دیا۔

میں اپنے خدا سے چار چیزوں کی آرزو رکھتا تھا۔ حصولِ علم، حفظِ قرآن
 حج اور شہادت۔ خدا کے فضل سے پہلی تین تو پوری ہو گئیں آرزو
 شہادت باقی ہے جسے قسمت، اگر یہ حاصل ہو جائے ؟

اس مباحثہ میں کئی روز لگ گئے۔ تمام آدمی مولانا یار محمد صاحب سے متفق تھے بالآخر بادشاہ نے افسرِ توپ خانہ کو حکم دیا کہ وہ بروز جمعہ ۲ اکتوبر ۱۰۹۰ھ بادشاہی مسجد کے منبر سے حکم شاہی کے مطابق خطبہ پڑھے مگر زندہ دلان لاہور نے عزمِ مصمم کر لیا کہ حکومت سے ٹکرا جائیں گے لیکن یہ نہ ہونے دیں گے اور اس مقصد کے لیے ایک لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہو گئے بادشاہ نے انسانوں کے اس بھجرنا پیدا کنار کو دیکھا تو اس کے وقار کی موتی ٹوٹ گئی، زرد پتوں کی طرح بھڑکیا اور اسے مسلمانوں کے سامنے جھکن پڑا چنانچہ اس نے اپنا حکم واپس لے لیا اور ملک میں

خطبہ عہد عالمگیری کے مطابق ہونے لگا۔ اس واقعہ کے بعد سی مغل حکمران کو شیعہ عقائد کی پشت پناہی کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ البتہ اٹھارویں صدی میں جو جدید ریاستیں اور حکومتیں قائم ہوئیں ان میں اکثریت شیعہ حکام کی تھی اور مغل حکمرانوں کی پشت پناہی کے پیش نظر مذہب تشیع کے جراثیم دور دور تک پھیل گئے حتیٰ کہ اچھے خاصے سنی گھرانے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے دور میں جب اس صورت حال کو دیکھا تو اس کے اسناد کیلئے ازالۃ الخفا عن خلافت الخلفاء اور قرۃ العین فی تفضیل الشیخین دو بلند پایہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی اس صورت حال کو ملاحظہ کیا اور دیکھا کہ اب تو زہت بایں جا رسید کہ شیعہ مذہب کی نشرو اشاعت کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ شاید ہی کوئی گھر ہو جس کے ایک دو فرد شیعہ انکار و نظریات سے متاثر نہ ہوں حتیٰ کہ ان کے اپنے گھر میں انکے عزیز اور مشہور فارسی دان شاعر میر قمر الدین منت نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا چونکہ یہ صورت احوال ناواقفیت اور غلط فہمی کی وجہ سے پیدا ہوئی اسلئے اس کے تدارک کے لیے تحفہ شاعر عشریہ کے نام سے محرکہ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی اس محرکہ الآراء اور خارا شکات کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکے کہ اس کے دور تصنیف سے لے کر آج تک کے شیعہ علماء نے اپنی تمام قوت بیان اس کی تردید میں صرف کر دی ہے جیسا کہ اہل بدعت نے حضرت امام ہمام محمد اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف لطیف "تقویۃ الایمان" کے نوہ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بھانسنے کیلئے اٹری سے چوٹی تک کا نوہ صرف کر دیا لیکن ظ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

شیعہ علماء و کھنویں سب سے قماز مولوی دلدار علی نے پھونکا ہے اور رسالے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تحریر کا جواب میں لکھے، صوارم الالہیات "حمام الاسلام" اچیلہ السنۃ میں تحفہ آناو عشریہ کے ان ابواب کا جواب ہے جو بالترتیب الہیات، نبوت اور معاد و حجت کے متعلق ہیں رسالۃ ذوالفقار تحفہ کے باب اذیم کے جواب میں ہے خاتمہ دو کتاب صوارم میں اثبات امامت کا ذکر ہے اور رسالۃ غیبت میں شاہ صاحب کے اقوال دوبارہ غیبت کا ذکر ہے حکیم مرزا محمد کمال دہلوی نے تحفہ کے جواب میں نہ صرف نزہت آناو عشریہ لکھی بلکہ ان مباحث سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو تحفہ کی شاعت سے پیدا ہوئے تھے انہوں نے اپنی عمر صرف کر دی اس طرح مفتی محمد علی خاں کنٹوری کا وظیفہ حیات بھی تحفہ کی تردید معلوم ہوتا ہے تحفہ کے باب شتم کا جواب انہوں نے

تشیہ المطاوع و کشف المغائب... میں دیا۔ سیف ناصر ہی میں باب اول "تقلیب المکائد" میں باب دوم بریل سعاد
 میں باب ہفتم اور مصادر الافہام" میں باب یازدہم کا جواب دیا اسی طرح مولوی دلدار علی کے جانشین مولوی محمد
 صاحب نے بھی تحفہ آشاہ عشریہ" کی تردید میں رسالے لکھے تحفہ آشاہ عشریہ" جب تک کہ کچھ توہان کے ایک مشہور شیخ
 میر شرف علی نے وہی ہزار روپیہ تحفہ کا جواب لکھنے کے لیے عرق بھیجا تھا تحفہ آشاہ عشریہ" فی الحقیقت ایک
 سرگتہ الارا کتاب تھی جو کہ شیعہ سنی مسائل کا ایک افسانہ ٹیکلو پیڈیا ہے اگرچہ اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ کی دو
 کتابیں بھی موجود تھیں جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا مگر یہی جامع امدانہ کتاب کوئی نہ تھی اس کتاب کی دوسری
 خصوصیت یہ ہے کہ روایات کے انتخاب میں مولیٰ حق کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے شیعہ مذہب اور خیالات کے بیان میں
 مستند اور معتبر کتب پر انحصار کیا گیا ہے اور تواضع و تفسیر میں فقط اپنی چیزوں کو چا گیا ہے جن پر شیعہ سنی دونوں فریق
 متفق ہیں کتاب کی زبان اور طرز بیان سنی اور مذہبانہ ہے۔ اس تمام داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ کٹھاروی
 صدی میں شیعہ مذہب کو جو فروغ ہوا اسے روکنے میں اگرچہ شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز کی تصانیف کو بڑا دخل تھا۔
 اور یہ اُن کا نہایت علمی کارنامہ تھا لیکن اس کے باوصف حضرت شاہ ولی اللہ کے
 اپنی کتابوں میں اپنے مخصوص مصلحت آمیز طرز بیان کو پیش نظر رکھا اسی طرح اگرچہ حضرت
 شاہ عبدالعزیز کی "تحفہ آشاہ عشریہ" تمانت و سنجیدگی، تہذیب و سادگی اور تحقیق و توفیق
 کے اعتبار سے اپنی مثل آپ ہے تاہم کتاب کے سرورق پر انہوں نے بطور مصنف جو نام لکھا
 وہ حافظ غلام حلیم بن شیخ محمد قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی تھا۔ غلام حلیم آپ
 کا تاریخی نام تھا۔ اسی طرح قطب الدین احمد حضرت شاہ ولی اللہ کا دوسرا نام تھا جو کہ
 شہرت حاصل نہ کر سکا علیٰ ہذا القیاس ابوالفیض حضرت شاہ عبدالرحیم کی کنیت تھی جس کا بہت کم
 لوگوں کو علم تھا۔ لیکن ان تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سب سے زیادہ جس نے
 مجرات و جسارت کا مظاہرہ کر کے شیعہ کے سیلاب کے حملے بند باندھنے کی کوشش کی اور
 سر بازار وہ باتیں کہہ دیں جن کے کہنے کی بڑے بڑے لوگوں کو بند بچروں کے اندر بھی تاب نہ
 تھی وہ حضرت امام محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

حضرت امام صاحب نے لکھنؤ میں قیام کے زمانہ میں جب ملاحظہ فرمایا کہ شرک و عبثت
 کے ساتھ ساتھ دیگر امراض جو اسلام کے رُخ زیا کو مسخ کیے جا رہے ہیں وہ شیعہ عقائد میں

جو کہ سراسر غلط اور کتاب و سنت سے کوسوں بعید ہیں اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ اب سے اسے موضوع سخن بنا کر لوگوں کی اصلاح کریں گے جب آپ کے اس عزم کا احباب و رفقاء کو علم ہوا تو انہوں نے مشورہ دیا کہ فی الحال یہ اقدام اٹھانا مصلحت کے خلاف ہے کیوں کہ یہاں شیعہ حکومت ہے ممکن ہے آپ کو نقصان پہنچے مگر آپ نے فرمایا حکیم کے لیے لازم ہے کہ جو مرض ہو اس کی دوا دے اس وقت مرضِ رضیہاں حدِ اعتدال سے گزرا ہوا ہے اس واسطے اسی مرض کا علاج کرنا از بس ضروری ہے اور اس کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا کہ کوئی خوش ہوتا ہے یا ناخوش۔ چنانچہ آپ نے مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

وَالَّذِيْنَ (الآیۃ کا بیان شروع کیا اور اسی آیت سے ترتیبِ خلافت اور فضائلِ خلفاء ایسی خوبی سے بیان کیے کہ شیعوں سے اس کے سوا کچھ نہ بن پڑا کہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس آیت کی ترتیب کو جامع القرآن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدل ڈالا تھا۔ تو اس وقت حضرت امام صاحب نے عہدِ نادر شاہِ درانی کا ایک قصہ بیان فرمایا کہ اس وقت بھی شیعوں نے جب نادر شاہ نے اپنے سامنے بحث کرائی تھی، اس آیت کے زیرِ بالا ہونے کا عند کیا تھا۔ مگر جب نادر شاہ نے علماءِ یہود و نصاریٰ سے جن کی کتابوں کا حوالہ اس کو چ میں ہے، استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ہماری کتابوں میں بھی نبی آخر الزمان کے خلفائے راشدین کی ترتیبِ خلافت اسی طرح ہے جب نادر شاہ نے یہ سنا تو اس کا غصہ مہر کا، چنانچہ اسی غصہ میں اس نے چند شیعوں کو قتل کر دیا اور رضیہ

شیعت سے توبہ کر لی۔ حضرت امام صاحب کی ان تقاریر سے جن میں آپ نے مذہبِ شیعہ کی خوب و بھیاں اڑائیں خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ بہت سے لوگ مذہبِ شیعہ ترک کر کے اہل سنت میں داخل ہو گئے مثلاً دو شیعہ بھائیوں محمد ادرتضاء اور محمد تفضلی کے آپ کے بیان کو سن کر شیعیت ترک کر کے اہل سنت میں شامل ہو جانے کا واقعہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

عظ و ارشاد کے علاوہ شیعہ حضرات کی اصلاح کے لیے ایک تدبیر آپ نے یہ سوچی کہ کیوں نہ شیعہ کے سب سے بڑے عالم کے پاس جا کر بالمشافہ گفتگو کر کے تب دل و خیالات کیا جائے شاید اسی

ایک دلچسپ واقعہ

طرح کسی کو ہدایت نصیب ہو جائے چنانچہ ایک دن آپ مولوی ولد ارعلی شید کے مکان پر تشریف لے گئے اور گفتگو میں انہیں لاجواب کر دیا اس واقعہ کی تفصیل مولانا محمد جعفر تھانوی کی زبانی سنئے :-

ایک روز مولانا سمیع شہید سپاہیانہ لباس پہنے اور تلوار آبدار گلے میں جمائل کیے ہوئے مولوی ولد ارعلی صاحب مجتہد کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس وقت مولوی ولد ارعلی صاحب طالب علموں کو سبق پڑھا رہے تھے مولانا شہید بطور ذلیلانہ سلام علیک کر کے وہاں بیٹھ گئے چونکہ مجتہد صاحب کے ہاں سوائے بندگی کے اور آداب و تسلیمات کے سلام علیک کا دستور نہ تھا۔ انہوں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تم کون ہو اور کہاں سے آنا ہو؟ مولانا نے جواب دیا کہ میں مسافر سپاہی ہوں۔ ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ مجتہد صاحب نے فرمایا کہ وہ کیا مسئلہ ہے؟ مولانا نے عرض کیا کہ لقیہ اور نفاق میں کیا فرق ہے؟ ذرا اس کو سمجھا دیجئے مجتہد صاحب نے بہت دلائل سے ان کا فرق بیان کیا۔ مولانا نے ان سب دلائل کو رد کر کے ان دونوں کو ایک کر کے دکھایا تب مجتہد صاحب نے مزید دلائل اپنے دعویٰ کے بیان کے ضمن میں بیان کیے۔ مولانا نے ان دلائل کو بھی رد کر دیا تب تو مجتہد صاحب کی آنکھیں کھل گئیں اور اپنے دل میں کہا کہ یہ کیسا سپاہی ہے، جو ہمارے دلائل کا ایک قسم بھی باقی نہیں چھوڑتا مجتہد صاحب اپنے طالب علموں کے سامنے لاجواب ہو کر بہت خفیف ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ ذرا سپاہی نہیں ہے کوئی بڑا علامہ دہرا اور فاضل عصر ہے اس وقت مولانا سے پوچھا کہ آپ کا اسم تشریف کیا ہے؟ مولانا نے کہا عاجز عبد اللہ ہے اس وقت مجتہد صاحب نے اپنے طلبہ کے سامنے خفت دور کرنے کے لیے یہ بات بنائی کہ ایسے مسائل زبانی تقریر سے طے نہیں ہو سکتے آپ تحریری بحث کریں تب مولانا.... سلام علیک کر کے وہاں سے چل دیئے۔ مجتہد صاحب نے آپ کے پیچھے آدمی کو دوڑا کر فرمایا کہ معلوم کرو کہ یہ کون شخص ہے اور کدھر جاتا ہے؟ ان آدمیوں نے دریافت کرنے کے بعد مجتہد صاحب سے جا کر کہا کہ مولوی سمیع دلہوی مریدِ رشید سید صاحب کے ہیں تب مجتہد صاحب نے چند آدمی آپ کے پیچھے دوڑا کر منت و آرزو آپ کو دلہاں بولا بھیجا۔ جب آپ دوبارہ مجتہد صاحب کے مکان پر پہنچے تو مجتہد صاحب نے

سرود اٹھ کر بہت تعظیم سے آپ سے معاف اور مُصافحہ کیا اور اول بار بے آداب پیش نہ آنے کی معذرت کی۔ مولانا تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر رخصت ہو کر اپنے پیروں کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

مجتہد صاحب نے مجلہ اکابر علماء شیعہ کو جمع کر کے ایک بڑا لمبا چوڑا استفتاء امر متنازعہ فیہ کا مع جواب مدلل ہدلائل عقلی و نقلی و مملو بہ لغات مشککہ و مضامین تفاسیر و احادیث و کتب سیر تواریخ وغیرہ لکھ کر آپ کے پاس بھیج دیا جب مولوی دلدار علی صاحب کا آدمی اس کاغذ کو لے کر آیا۔ مولانا صاحب بہرہیت ایک سپاہی گلے میں تلوار لٹکائے ٹہل رہے تھے اور مولوی عبدالحی صاحب مع چند آدمیوں کے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے حاصل کو قطعاً شک نہ ہوا کہ یہ سپاہی مسلح بہ شمشیر مولوی ہوگا۔ اس نے مولوی عبدالحی صاحب کو مولانا سمعیل اپنا کاتب الیہ سمجھ کر کاغذ ان کے حوالے کر دیا۔ مولوی عبدالحی صاحب نے ان مضامین اذق کو جو اس کاغذ میں بھرے تھے دیکھ کر سمجھا کہ بلا موجودگی صدق کتب بہ علم و فن کے جن کا حوالہ اس کاغذ میں ہے جواب الجواب تحریر ہونا محال ہے اور یہ سب کتابیں ایسی حالت سفر میں باسانی میسر ہونا دشوار ہے مولوی عبدالحی صاحب نے ملاحظہ کرنے کے بعد اس کاغذ کو مولانا شہید کے پاس بھجوا دیا۔ مولانا شہید نے ٹہلتے ٹہلتے اس کاغذ کو اول سے آخر تک دیکھا اور اسی دم کاغذ اور مسلم و دوات لے کر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر میں اس اذق مسئلہ کے تمام مندرجہ دلائل کا جواب لکھ کر اس خوبی سے رد کیا کہ پھر اس کا رد جواب حضرت مجتہد صاحب سے نہ بن پڑا۔

شیعہ حضرات کو دیکھ کر سنی مسلمان بھی محرم میں بہت سی بدعات کے مرتکب ہو جاتے تھے خصوصاً عورتیں تو اس سلسلہ میں کچھ آگے ہی تھیں وہ اپنے شیرخوار ذہنوں کو امام حسین کا سقہ بنا کر تعزیوں کے نیچے سے گزاریں تاکہ ان کی عمر اور دولت میں اضافہ ہو۔ نو محرم کو وہ سروں کے بالوں کو کھولی کر ثواب کی نیت سے ان میں بھوسہ ڈالتیں۔ حضرت امام صاحب نے جب ان کی اس قسم کی بے شمار بدعات و خرافات کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے اسناد کے لیے مکر لہستہ ہو گئے کتاب و سنت کی روشنی میں جب آپ نے ان اور دیگر بدعات محرم کی تردید فرمائی تو بہت سے لوگوں نے ان بدعات سے توبہ کر لی حتیٰ کہ کئی مقامات پر شیعوں نے تعزیہ کی رسم سے توبہ کر لی۔

باب چہارم

سفر حج

شوال ۱۲۳۱ھ (جولائی ۱۸۲۱ء) میں حضرت امام صاحب نے حضرت سید احمد صاحب اور دیگر احباب و رفقاء کی معیت میں حج کا قصد فرمایا۔ یہ وہ دور تھا کہ ہندوستان کے مختلف علماء نے بحری سفر میں اندیشہ ہلاکت کے پیش منظر فریڈیج کے اسقاط کا فتویٰ دے دیا تھا۔

اس فتویٰ کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بحر منہد اور بحیرہ عرب پر پرتگیزیوں کا قبضہ ہوا تو انہوں نے حجاج کے لیے خطرات پیدا کر دیئے تھے کیوں کہ پرتگیزی اپنے وطن میں سالہا سال تک مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار رہے تھے اس لیے مسلم دشمنی میں یہ اندھے ہو چکے تھے ہندِ مغلیہ میں انہوں نے اور مسلمانوں کے ازلی و ابدی دشمن انگریزوں نے کئی مرتبہ حاجیوں کے جہازوں کو نقصان پہنچایا اور اس کا انہیں شدید خمیازہ بھی ٹھکنا پڑا لیکن جب مغلیہ سلطنت کمزور پڑ گئی اور فوجی چہرہ دستیال بے لگام ہو گئیں تو بعض علماء نے فتویٰ دے دیا کہ سمندری سفر میں بعض اوقات جہاز ڈوب

پس منظر

جاتے ہیں یا ڈبا دیئے جاتے ہیں لہذا راستہ کے پُراہن نہ ہونے کے پیشین نظر فریضہ حج ساقط ہو گیا کیوں کہ راستہ کا پُراہن ہونا حج کی شرائط میں سے ہے۔ جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط پر عمل پیرا ہونے کی فرضیت بھی ساقط ہو گئی ہے۔

جب اس قسم کے فتویٰ کا چرچا پُرا تو حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اس کی زبردستی

تردید کی اور حج کی فرضیت کے اثبات پر زور دیا۔ منشی خیر الدین نامی ایک شخص نے اصل فتویٰ جو کہ علماء لکھنؤ کی طرف سے تھا اور امام صاحبؒ و مولانا عبدالحی صاحبؒ کی طرف سے اس کی تردید حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس ارسال کر کے آخری فیصلہ طلب کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اصل فتویٰ اور اس پر تعاقب کو دیکھ کر جو محاکمہ فرمایا اس کا خلاصہ حسب

ذیل ہے :-

۱۔ علوم دینیہ و عقلیہ میں اسمعیلؒ اور عبدالحی کا پایہ مجھ سے کم نہیں۔
۲۔ جن لوگوں نے فریضہ حج کو ساقط قرار دیا ہے ان کے سامنے فتاویٰ کی دو چار مشہور کتابوں کے سوا کچھ نہیں حالانکہ ان کتابوں کی سند ہرگز بلند نہیں اور جن معتبر کتابوں پر دین کا مدار ہے ان سے یہ لوگ بہرہ وافر نہیں رکھتے۔

۳۔ ان کے بیان کردہ حالات کی سند درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور ان کے لگائے ہوئے حکموں پر عمل پیرا ہونا سراسر گمراہی کا موجب ہے۔

۴۔ جن حضرات نے آج فرضیت حج کے استقاط کا فتویٰ دے دیا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کل نماز، روزے کی معافی کا بھی حکم نہ لکھ دیں گے؟ زکوٰۃ تو ان کے نزدیک بدرجہ اولیٰ ساقط ہو گئی۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر عزیزی میں بھی یہ سلسلہ تشریحات وَالْفُلُكِ الَّتِي تَجْوِي الایۃ، منکے کے اس پہلو پر توجہ نہ مائی تھی اور لکھتا تھا :-

”ہر چند جہاز را گاہے نوبت بہ تباہی ہم
عارض شود اما بیشتر اوقات بہ سلامت می
اگرچہ جہاز بعض اوقات ڈوب بھی جاتا ہے
لیکن چونکہ اکثر سلامت منزل مقصود پر پہنچ جاتا
ہے اس لیے گاہ گاہ کی غرقابی کو امن طریق کے
شروع۔
خلافت نہیں سمجھا جاسکتا۔

لیکن ان علمی بحثوں کے علاوہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اجتماعی طور پر بہت وسیع پیمانے
پر اس فریضہ الہی کو ادا کر کے مانعین پر توجہ تمام کر دی جائے چنانچہ اس عملی اقدام کے
لیے آپ کے پیرومرشد حضرت سید احمد صاحب میدان میں اترے اور انہوں نے اپنے
تمام عقیدت مندوں کو سید زین العابدین سے خطوط لکھوا کر ارسال فرما دیئے جن کا مضمون
یہ تھا۔

”ہم واسطے ادا ئے حج کے بیت اللہ جاتے ہیں جن جن صاحبوں کو حج
کرنا منظور ہوا نہیں اپنے ہمراہ لائیں مگر یہ حقیقت ہر ایک پر واضح کر دیں
کہ ہمارے پاس نہ کچھ مال ہے نہ خزانہ محض اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے
جاتے ہیں اس کی ذات پاک سے قومی امید ہے کہ وہ اپنے فضل سے
ہماری مراد پوری کرے گا اور جہاں کہیں راستے میں واسطے حاجت ضروری
کے تخریج نہ ہو گا وہاں ٹھہر کر ہم لوگ محنت مزدوری کریں گے جب بخوبی
تخریج جمع ہو جائے گا تب وہاں سے آگے کو روانہ ہوں گے عورتیں اور
ضعیف مرد جو مزدوری کے قابل نہ ہوں گے ڈیروں کی نگرانی پر رہیں گے
اور اس خرچ میں کمانے والے اور ڈیروں پر رہنے والے سب برابر کے
شریک رہیں گے۔“

جن حضرات کی طرف حضرت سید احمد صاحب نے خطوط ارسال فرمائے ان میں حضرت
امام صاحب ہر فہرست ہیں آپ کے علاوہ چند دیگر مکتوب الیہ حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں
مولانا عبدالحی صاحب (بڑھانہ) مولانا وحید الدین ان کے بھائی حافظ قطب الدین اور
والد حافظ معین الدین (پھلت) مولانا وحید الدین۔ حافظ عبد الرب، حکیم مغیث الدین

اور ان کے بھانجے شہاب الدین (سہارنپور) اور ملا دوندے (بہاولپور) کے

تمام حضرات نے جن کو خطوط کھتے گئے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور دعوت پر لبیک
 کہا حضرت امام صاحب نے بھی جواب میں لکھا کہ میں حکیم معیت الدین، مولانا وجیہ الدین، مولانا
 وحید الدین اور حافظ قطب الدین بھلتی کی معیت میں مردوزن پر مشتمل اربانی سو کا قافلہ لے
 کر آراہوں اور ہم گڑھ مکتشر کے گھاٹ سے کشتیوں پر سوار ہو چکے ہیں اس طرح دیگر علاقوں کے
 لوگوں سمیت قریباً چار سو افراد کا قافلہ تیار ہو گیا جو شوال ۱۲۳۶ھ کی آخری تاریخ (۲۰ جولائی
 ۱۸۲۱ء) کو پیر کے دن کامل بے سرو سامانی کے عالم میں رائے بریلی سے روانہ ہوا۔ اور کلکتہ
 پہنچتے پہنچتے اس مقدس قافلہ کی تعداد سات سو تریسٹن تک پہنچ گئی۔ قیام کلکتہ کے دوران بھی
 حضرت امام صاحب نے ایک مجلس میں اپنے علم و فضل کے جوہر دکھائے تفصیل اس اجمال کی
 یہ ہے کہ کلکتہ میں سلطان ٹیپو شہید کے ناذاں کے کچھ افراد رہتے تھے ان میں سے بعض شہزادوں
 کے عقائد مولوی عبدالرحیم فلسفی کی صحبت کے پیش نظر خراب ہو گئے تھے۔ یہ شہزادے غالباً
 سلطان ٹیپو شہید کے پوتے تھے اور مولوی عبدالرحیم گوڈھپور کے باشندے تھے جن کے والد
 کا نام مصاحب علی تھا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے تلامذہ میں
 سے تھے لیکن بعد میں منطق اور فلسفہ میں توغل کے سبب دہری مشہور ہو گئے، سلطان شہید مرحوم
 کے پوتوں نے محمد قاسم خواجہ سرگودھج کو حضرت سید احمد صاحب کو اپنے ماں مدعو کیا۔ سید
 صاحب چند رفقاء کی معیت میں تشریف لے گئے مجلس میں چند مسائل پر گفتگو شروع ہوئی
 شہزادوں کی طرف سے مولوی عبدالرحیم اور حضرت سید صاحب کی طرف سے حضرت امام
 صاحب بات میں حصہ لے رہے تھے مولوی صاحب کو چونکہ اپنے منطقی و فلسفی ہونے پر بڑا
 ناز تھا اس لیے انہوں نے منطق و فلسفہ کی زبان میں بات کی لیکن اس بے چارے کو کیا خبر تھی
 کہ آج کس حکیم الامت اور منکر اسلام سے اس کا واسطہ تھا، حضرت امام صاحب نے اس کی تمام
 باتوں کا اس قدر احسن پیرایہ بیان میں جواب دیا کہ منطقی و فلسفی صاحب کا ناطقہ بند ہو گیا اور
 ہر طرف سے آپ کے حق میں تحسین و آفرین کی صداؤں کا غلغلہ بلند ہوا۔ بڑے شہزادے کو بھی
 اپنے علم پر بڑا غرور تھا اس نے بھی مختلف اسالیب بیان سے تقریر کی اس کا جواب دینے

کے لیے بھی آپ بڑے بے قرار تھے مگر شہزادہ کا جواب حضرت سید صاحب نے اپنے ذمے لیا اور چند ہی لمحوں میں اس کے پندارِ علم کو خاک میں ملا دیا۔ ان دونوں بزرگوں کی ان دل کشین اور ایمان افروز تقریروں کا یہ اثر ہوا کہ وہ اپنے غلط خیالات سے تائب ہو گئے حتیٰ کہ وہ سید صاحب کے حلقہ و بیعت میں شامل ہو گئے اور پھر انہوں نے اہلِ تافلہ کی دعوت بھی کی۔

ذکر کیا جا رہا تھا کہ کلکتہ تک پہنچتے پہنچتے تافلہ کی تعداد سات سو تیرہ تھی ہو گئی تافلہ کو دس جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا اور دس جہازوں کا انتظام کر لیا گیا ہر جماعت ایک ایک جہاز پر دیگر مسافروں کے ساتھ سوار ہوئی ہر جماعت کے لیے ایک ایک امیر سفر بھی متعین کیا گیا تھا ایک مٹھ پتھر افراد پر مشتمل ایک جماعت حضرت امام صاحب کے زیر امارت تھی اور آپ کے حصہ میں جو جہاز آیا اس کا نام "فیض ربانی" تھا۔ امیر شاہ خاں صاحب نے اس سفر میں آپ کے رفقاء و احباب سے مزاح اور خوش طبعی سے پیش آنے کا ایک واقعہ زبانت مولانا عبدالقیوم صاحب نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مولانا وجیہ الدین صاحب بھی مولانا شہید کے ساتھ جہاز میں تھے اور دونوں مل کر حجاج کے لیے آٹا پسیا کرتے تھے آٹا پستے ہوئے مولانا شہید ان کو بھڑا کرتے تھے کبھی آٹا ان کے منہ پر مل دیتے تھے کبھی پیٹ پر کبھی کوئی اور مذاق کرتے تھے ان کے علاوہ مولانا اور حاجیوں سے بھی ہنسی مذاق کرتے رہتے تھے میں لڑھی مولانا عبدالقیوم صاحب اس زمانہ میں بچہ تھا اور مولانا کو مجھ سے بہت محبت تھی اس لیے مولانا اکثر مجھے اپنے پاس رکھتے تھے اور جہاز میں بھی مجھے اپنے ہی ساتھ رکھا تھا۔ اس زمانہ میں بادی جہاز تھے اور مسافروں کو روزانہ فی کس ایک بوتل پانی ملا کرتا تھا۔ اتفاقاً ٹکے ناموافق ہو گئی اور جہاز میں پانی کم رہ گیا اس لیے جہاز والوں نے اعلان کر دیا کہ کل سے پانی آدھی بوتل ملے گا۔ دو دن تک آدھی بوتل پانی دیا اس کے بعد جب پانی بالکل ختم ہو گیا تو جہاز والوں نے کہہ دیا کہ اب پانی بالکل نہیں رہا ہے اس لیے ہم پانی نہیں دے سکتے سب لوگ نہایت پریشان ہوئے۔

اس جہاز میں علاوہ سید صاحب کے تافلہ والوں کے اور بھی بڑے بڑے لوگ سوار تھے اب ان لوگوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں کہ یہ شخص (مولانا شہید) لوگوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے

اسی کی شامت سے ہم پر یہ بلا آئی ہے لہذا اس کو روکنا چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں اس کی اطلاع مولوی وجیہ الدین صاحب اور دوسرے لوگوں کو ہوئی۔ مولوی وجیہ الدین مع چند دیگر اشخاص کے ان لوگوں کے پاس پہنچے اور ان کو مولانا شہید کی عظمتِ شان سے آگاہ کیا اور کہا کہ یہ شامت تمہاری اس گستاخی اور بدگمانی کی ہے کہ تم ان کی نسبت ایسا خیال کرتے ہو تم کو چاہیے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے معافی چاہو اور ان سے معافی درخواست کرو چنانچہ وہ سب لوگ آئے اور سب نے مولانا سے دعا کی درخواست کی۔

مولانا نے فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی دعا کروں گا مگر میری دعا تو مٹھائی کے بغیر چکتی نہیں اس پر ایک شخص نے وعدہ کیا کہ سب جہاز کے لوگوں کو مسقطی طوار کھلاؤں گا اس کی مقدار مجھے یاد نہیں رہی مگر اتنا یاد ہے کہ فی کس پاؤں سے زیادہ تھا اس پر اپنے دوسرے لوگوں سے مل کر دعا کی جس کا اثر اسی وقت ظاہر ہوا اور ایک شہر شیریں پانی کا جو لمبائی چوڑائی میں دو بڑی چار پائٹیوں کے برابر ہو گا دوڑتا ہوا آیا اور جہاز کے پاس کھڑا ہو گیا مولانا نے اس کو دیکھ کر فرمایا اس پانی کو تو دیکھو کیسا ہے؟ لوگوں نے جو چکھا تو نہایت ٹھنڈا اور شیریں تھا اس پر سب لوگوں نے اپنے اپنے برتن بھر لیے اور جہاز والوں نے بھی اپنے طرف خوب بھر لیے جب سب بھر چکے تو وہ پانی غائب ہو گیا۔

اس کے بعد لوگوں نے ہوا کی موافقت کے لیے دعا کی درخواست کی پھر اپنے وہی فرمایا کہ سب دعا کرو میں بھی شریک ہو جاؤں گا مگر میری دعا مٹھائی کے بغیر نہیں چکتی اس پر کسی اور امیر نے کچھ وعدہ کیا جو مجھے یاد نہیں رہا۔ اس پر آپ نے سب لوگوں کے ساتھ مل کر موافقت ہوا کی دعا کی اور ہوا موافق ہو گئی۔ جہاز کا انگر کھول دیا گیا اور جتنے دنوں میں اچھی ہوا کی حالت میں جہاز جدہ پہنچتا تھا اس سے بھی نصف دنوں میں ہمارا جہاز جدہ پہنچ گیا۔

نفوسِ قدس پر مشتمل اللہ والوں کا یہ قافلہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عموماً ہر آفت و بلا سے محفوظ رہتے ہوئے، بنا س میں ایک ماہ، کلکتہ میں تین ماہ، مغنا میں ایک ماہ، کسی جگہ پندرہ دن، کسی جگہ دو چار دن اور کہیں صرف ایک رات قیام کرنے کے بعد شعبان ۱۲۳۴ھ (مئی ۱۸۱۲ء) کو کل دس مہینے سفر میں صرف کرنے کے بعد حرمِ پاک میں پہنچ گیا۔ اس سفر میں چند رفقاء مثلاً عنایت علی عظیم آبادی، عبدالغفار خاں بخاری، سید صاحب کی انجمنِ بوقت ہو گئے اور حضرت امام

صاحب کی والدہ ماجدہ بھی مکہ معظمہ میں اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں۔ آپ کی وفات کا قصہ حسب ذیل ہے۔

اس مبارک سفر میں حضرت امام صاحبؒ کے ہمراہ آپ کی والدہ ماجدہ اور ہمیشہ کمرہ بھی تھیں والدہ

والدہ ماجدہ کا سفرِ آخرت

محترمہ مکہ معظمہ پہنچ کر سخت بیمار پڑ گئیں اور ابھی تک آپ نے حضرت سید صاحب کے دست مبارک پر بیعت نہیں کی تھی بلکہ آپ بیعت سے سخت انکار کرتے ہوئے فرماتی تھیں کہ سید صاحب نے تو ہمارے گھر میں بیعت کی ہے اب ہم الٹی ان کے ہاتھ پر کیسی بیعت کریں؟ لیکن حضرت امام صاحبؒ کی ولی آرزو تھی کہ والدہ صاحبہ، سید صاحبؒ کے دست مبارک پر بیعت کر لیں لیکن سعی بسیار اور بے پناہ اصرار کے باعث آپ انکار ہی کرتی رہیں۔ جب امام صاحبؒ کے اصرار پر آپ کا انکار غالب آتا تو انہیں ایک نذر میر سوجھی کہ کیوں نہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے چنانچہ آپ نے نہایت الحاح و زاری سے دعا کی۔

اے اللہ! میری والدہ محترمہ کا شاید آخری وقت ہے نامعلوم

کب ان کی روح آپ کے پاس پہنچ جائے لہذا انہیں سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی توفیق عنایت فرما دو۔

یہ تدبیر کامیاب ثابت ہوئی اور تیر دن بعد دعا نفاذ فرمادہ کو پہنچ گیا۔ چنانچہ ایک رات والدہ صاحبہ نے خواب دیکھا کہ میدانِ مشرق کا نقشہ ہے، سر پر آفتاب آگ برسا رہا ہے، گرمی کی شدت سے لوگوں کا بُرا حال ہو رہا ہے تا حدِ نگاہ کوئی شجر سایہ دار نہیں کہ سستا لیا جائے اور نہ پانی ہے کہ پیاس کی شدت سے کانٹا بنے ہوئے حلق میں دو قطرے ڈال لیے جائیں آپ بھی دوسرے لوگوں کی طرح سایہ و پانی کی تلاش میں ادھر ادھر حیران و سرگردان ہو کر دوڑنے لگیں اچانک دُور ایک جگہ گھنسا یہ نظر آیا جہاں ایک خلیق کثیر شاداں و قرطاب جلوہ افروز ہے آپ نے کسی سے پوچھا یہ کون سعادت مند ہیں جو اس خزاں کے عالم میں بھی بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت سید احمدؒ اور اُن کے مریدانِ باصفا کا مقدس گروہ ہے۔

گفت این جملہ گروہ احمدی است سائے شانِ ظلِ فیضِ سرمدی است
 تو از ایشان شرکہ تا ذی شالی شوی دور کن افکار تا از ایشان شوی
 خواب دیکھنے کے بعد پریشانی کے عالم میں آپ بیدار ہو گئیں۔ امام صاحبؒ کو بلا کر
 خواب سنایا اور فرمایا کہ فوراً سید صاحبؒ کو بلا لاؤ تاکہ میں بھی بیعت کر لوں۔ چنانچہ آپ
 تشریف لائے تو مخدوم و محترمہ نے بیعت کر لی اس واقعہ کے سات روز بعد پیام اجل آ
 پہنچا اور آپ اللہ تعالیٰ کو بیماری ہو گئیں۔ جنت المعلیٰ میں آپ عجاۃً استراحت میں غفر اللہ لہما
 مولانا محمد جعفر صاحبؒ تھا میری نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :-

نواب وزیر الدولہ مرحوم اور صاحب مخزن بالاتفاق لکھتے ہیں
 کہ مولانا محمد اسماعیل شہید کی والدہ شریفہ بھی اس سفر میں اپنے بیٹے
 کے ساتھ تھیں۔ ادائے حج کے بعد سخت بیمار ہو گئیں اس وقت مخدوم
 سید صاحبؒ کی بیعت سے مشرف نہ ہوئی تھیں بلکہ آپ کی بیعت کرنے
 سے آپ کو سخت انکار تھا اور اپنی خام خیالی کے سبب کہا کرتی تھیں
 کہ سید صاحبؒ نے ہمارے گھر میں بیعت کی ہے اب ہم اٹی ان کے ہاتھ
 پر کیسی بیعت کریں حالانکہ ان کے شوہر مولوی عبدالغنی صاحبؒ اور ان
 کے لائے بیٹے مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ بلکہ اس خاندان کے کل مرد و عورت
 سید صاحبؒ کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے

تعب ہے کہ ان بزرگوں نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کو حضرت سید صاحبؒ کے بیعت
 گنڈگان میں کیسے شامل کر لیا جب کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی وفات ۱۹ رجب ۱۲۰۳ء کو
 ہوئی اور حضرت سید صاحبؒ نے اس وقت عمر شریف کی ابھی تک صرف دو تین بہاریں دیکھی
 تھیں کیونکہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹ صفر ۱۲۰۱ء میں ہوئی لہذا حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ
 کی بیعت کرنے کے کیا معنی؟ قبل ازیں بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔ نا فہم
 ۸ ذوالحجہ کو سنت کے مطابق حج کے لیے روانہ ہوئے تمام مشاعر پر
 طویل دعا میں کہیں عقبہ کے مقام پر تمام رفقائے از سر تو تبرکاً سید صاحب

ادائے حج

سے بیعت کی تجدید کی۔ سب لمبی دُعا میں عرفہ کے دن جبلِ رحمت کے دامن میں کی گئیں اس مبارک دن اور مقام کے تقدس کے پیشِ نظر پھر بیعت کی گئی۔

مولانا عبدالحی صاحب نے حرمِ پاک میں شکوٰۃ اور حضرت امام صاحب نے اپنے جدِ امجد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت، فقہ، تقویٰ، فلسفہ اور سیاست سے اہل عرب کو متعارف کرانے کے لیے ان کی تصنیفِ لطیف "حجۃ اللہ البالغہ" کا درس دینا شروع فرمایا۔ سید صاحب کے وہ محفوظات جو حضرت امام صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب کے اشتراک سے صراطِ مستقیم کے نام سے ترتیب دیئے ہیں مولانا عبدالحی صاحب نے اسی اثناء میں ان کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تاکہ اہل عرب سید صاحب کے علوم و معارف سے بھی استفادہ کر سکیں بعض رقعات نے بھی اس عربی ترجمہ کی نقلیں لے لی تھیں۔

مراجعتِ وطن

حرم کے آخر میں اہلِ قافلہ مکہ معظمہ سے سوئے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور دس گیارہ دن کے بعد مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے اور وہاں ایک مہینہ گزار کر ۹ ربیع الاول ۱۲۳۸ھ کو واپس مکہ معظمہ آگئے۔ رمضان المبارک حرم ہی میں گزارا اور ۱۵ شوال (۲۵ جون ۱۸۲۳ء) کو مکہ معظمہ سے سوئے وطن روانہ ہوئے اور ۲۰ ذوالحجہ (۱۶ اگست ۱۸۲۳ء) کو بمبئی اور ۶ صفر ۱۲۳۹ھ (۱۲ اکتوبر ۱۸۲۳ء) کو کلکتہ پہنچ گئے۔

قصیدہ

اللہ والوں کا یہ مقدس قافلہ جب بخیر و عافیت وطن پہنچ گیا تو سید ابوالحسن نے حضرت سید صاحب کی خدمت میں ایک لمبا قصیدہ پیش کیا اس کے اکثر اشعار "حیاتِ سید احمد شہید" مصنف مولانا محمد جعفر تھانی سری میں موجود ہیں مولانا غلام رسول مہر حرم نے بھی سید احمد شہید میں اس قصیدہ سے منتخب اشعار درج فرمائے ہیں۔ شائقین وہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ذیل میں صرف دو شعر نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جن میں حضرت امام صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب کا تذکرہ ہے۔

رکنِ دین مولوی عبدالحی و شہ اسمعیل
فیض سے تیرے ہوئے کالوں کے سر دفتر
تیری صحبت نے ملائک کی کریمی خاصیت
گو کراہر میں نظر آتے ہیں ہم شکلِ بشر

باب پنجم

جہاد

ابتداءً آفریش سے حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی ہوتی چلی آرہی ہے۔ ضربِ کلیم سے فرعون، لشکروں، تیشہ ابراہیم سے فرود یثرب، کدول اور چیراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی کی ستیزہ کاری ایک حقیقت ہے۔ ترجمانِ حقیقت علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت سے یوں نقاب کشائی کی ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چیراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور ایسی بے شمار حقیقتیں ہیں جو جریدہ عالم پر ثبت ہیں اور حق کی طرف سے باطل کی اس یُورش اور طوفانِ تمیزی کو روکنے کے لیے جدوجہد کو جہاد کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جنگ ایک بُرا فعل ہے۔ کوئی شریف آدمی اس کی حمایت نہیں کر سکتا، فونہالوں کے

اپنے آباء کے سائے شفقت سے محروم ہو جانے، سہاگنوں کے سہاگ لٹ جانے، عمت
 جوانوں کے ابا، سچ ہو جانے اور میدانوں میں خون کی ندیاں رواں دواں ہونے کو کون مستحسن
 نگاہوں سے دیکھ سکتا ہے؟ کون ہے جو سروں کی فصل کٹتے ہوئے دیکھ کر خوش ہو؟ کسٹھن
 کے چھوٹتے ہوئے فاروں کے منظر حسین نظر آسکتے ہیں؟ ہاں وہ کون ظالم ہے جیسے زخمیوں کی
 ٹیٹیں، آہیں اور درد انگیز نالے جانفرا معلوم ہوتے ہیں؟ کوئی نہیں صرف انتہائی بے نخت اور
 سنگدل لوگ ہی اپنے جیسے انسانوں کو آلام و مصائب کا تختہ مشق بنے ہوئے دیکھ کر خوش
 ہو سکتے ہیں، لیکن ٹھہریے کبھی یہ جنگ، ہاں جنگ ایک مقدس فرض کا روپ بھی دھارتی ہے
 جب خدا کو معبود ماننا چھوڑ دیا جائے اور سینکڑوں طاغوتوں کو معبود تسلیم کیا جانے لگے، جب
 شرک و بدعت کی گرم بازاری ہو، جب لوگ رحمن سے کمرٹشی کوکے شیطان کے پیرو بن جائیں،
 جب حدود الہی کو معطل قرار دیا جائے، جب خدا کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرا لیا
 جائے، جب مردوں پر بھلیاں گرائی جائیں اور عورتوں پر ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑے جائیں تو جنگ
 فرض ہے، ایک مقدس فرض اور اس مقدس فرض کی ادائیگی کو اصطلاح شریعت میں جہاد کے
 نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جہاد کے معنی

لفظ "جہاد" جاہد و مجاہد باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی
 محنت، مشقت، تھناب اور کسی کام کے لیے سخت تکلیف برداشت
 کر لینے پر ہمہ تن آمادگی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں یہ لفظ خاص اور عام دو معنوں میں استعمال
 ہوتا ہے عام تو یہ کہ نفس کو ہراس کام کے کرنے پر آمادہ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ سے قرب اور اس
 کے منہ کردہ امور سے بعد کا ذریعہ بنے حدیث میں ہے "المجاہد من جہاد خفسہ"
 (مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے) اور خاص یہ ہے کہ دشمن کے حملہ کی روک تھام کے
 لیے اپنی پوری وسعت و طاقت کے ساتھ ظاہری و باطنی طور پر بے دریغ سعی کرنا۔

یاد رہے کفار کے ساتھ اعلیٰ کلمتہ اللہ کی خاطر جہاد ایک بہت بڑا عمل ہے کیوں نہ
 ہو جب کہ ایک مجاہد اپنے مال و دولت کی پروا نہیں کرتا، بیوی بچوں سے منہ موڑ لیتا ہے اور
 اللہ کے لکھ کی سربلندی کے لیے یا اپنے بھائی بندوں کی حفاظت کے لیے اپنا خون گرانے اور

اپنی جان ایسی قیمتی و عزیز ترین متاع کے قربان کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا بلکہ صدا بنیاد و
انشریح قلب و صدر کے ساتھ کہتا ہے ۔

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اپنے ان جانناز بندوں پر فیاضیوں کی اتہا ہو جاتی ہے
اور وہ معاوضہ میں انہیں نعیم ابدی کی کامرانیوں عطا فرمادیتا ہے ۔ ارشاد ہے :-

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ
لَهُمُ الْجَنَّةَ ط يُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ
يُقْتَلُونَ قَدْ وَعَدَّا عَلَيْهِ حَقًّا
فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ
وَالْقُرْآنِ ط وَمَنْ أَوْفَى
بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا
بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ
وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں
بھی خرید لیں ، اور ان کا مال بھی اور اس قیمت
پر خرید لیں کہ ان کے لیے بہشت (کی جاؤانی
زندگی) ہو۔ وہ کسی دنیوی مقصد کی راہ میں
نہیں بلکہ، اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں
پس مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں یہ وعدہ
اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی
قانون ٹھہرا دیا) تورات، انجیل، قرآن (میں
کتابوں) میں کیساں طور پر، اس کا اعلان ہے
اور اللہ ہے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا
کرنے والا ہو؟ پس مسلمانو! اپنے اس سودے
پر جو تم نے اللہ سے چکایا، خوشیاں مناؤ ،
اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروز مندی ہے

اور یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا :-

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں اپنی تجارت
تباؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟
وہ تجارت یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدْرَأكُمْ
عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنَجِّيكُمْ مِنْ عَذَابِ أَلِيمٍ
هَ تَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ تَجَاهِدُونَ

پر ایمان لاؤ اور اس کی راہ میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہترین کام ہے اگر تم جانو۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ
ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

جہاد کی عظمت و سر بلندی اس انداز سے بیان فرمائی۔

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے کو ان لوگوں کے کام کے برابر ٹھہرایا ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں لڑے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے لڑے اللہ کے نزدیک ان کا درجہ زیادہ بڑا ہے اور وہی لوگ ہیں جو حقیقت میں کامیاب ہیں۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَلْبِتُونَ
عِنْدَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا
وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ أَكْبَرُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ
وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

جہاد کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف اس طرح فرمائی ہے۔

اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح سے صف بانٹے ہوئے جم کر لڑتے ہیں گویا وہ ایک سیر پلاٹی ہوئی دیوار ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
مَّرْمُوسٌ ۝

اور بھی بہت سی آیات میں جہاد اور مجاہدین کے فضائل بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا :-

اللہ کے ساتھ ایمان رکھنے والے اور اس کے رسولوں کی تصدیق کرنے والے مجاہد کو

ان تدب اللہ لمن خسر ج في
سبيلہ لا يخرجہ الا ايمان بي و

اللہ تعالیٰ نے اجر و غنیمت کے ساتھ
گھروا پس ٹٹانے یا حنبت میں داخل کرنے
کی ضمانت دی ہے۔

تصدیق برسلی آن ارجعه بما
نال من أجر او غنمة او اخله
الجنة

جیسے اللہ کے راستہ میں کوئی زخم لگے اور
یہ اللہ کو ہی علم ہے کہ اس کے راستہ میں کسے
زخم پہنچتا ہے روز قیامت اس کے زخم سے
خون کا فوارہ جاری ہوگا جس کی رنگت اگرچہ
خون جیسی ہوگی لیکن خوشبو کستوری کی سی ہوگی
مخدا! اگر مسلمانوں کے مشقت میں پڑ جانے

۱۲) لَا يَكُفُّمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يَكُفُّمُ فِي سَبِيلِ
اللَّهِ الْأَجَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ
جِرْحُهُ يَشْعَبُ وَمَا اللَّوْنُ لَوْنِ
الدَّمِ وَالرَّيْحُ رِيحُ الْمِسْكِ

کا خیال دامن گیر نہ ہو کہ وہ مجھ سے پیچھے بنا
گوارا نہ کریں گے تو میں کسی سر سے پیچھے نہ
رہوں۔ مقدور میں نہیں کہ ان سب کے لیے
سواروں کا انتظام کر سکوں۔ اس ذاتِ اقدس
کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے
میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتا
ہر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر
شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید
ہو جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔

۱۳) وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَا أَن
رَجَا لَأَمِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَطِيبُ
أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَفُوا عَنِّي وَلَا
أَجِدُنَا إِحْمَالَهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفَتْ
عَنْ سَرِيَةٍ تَقْضُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ دَوَّتْ
أَنْ أَقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ
أُحْيِيَ ثُمَّ أَقْتَلَ ثُمَّ أُحْيِيَ ثُمَّ
أَقْتَلَ ثُمَّ أُحْيِيَ ثُمَّ أَقْتَلَ ثُمَّ

غور فرمائیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر بے تابی کے ساتھ راہِ خدا میں تن میں دھننا
کو دینے کی نیت کا اظہار فرما رہے ہیں لہذا کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

جیسے جہاد میں حقہ لینے پر بے پایاں اجر و ثواب ملتا ہے ایسے ہی اگر کوئی فریضہ جہاد کے
وجوب کے وقت تکلیفِ مشقت، اہل و عیال کی مفارقت یا موت کے خوف وغیرہ کے
سبب جہاد میں شرکت نہ کرے تو وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :-

لڑائی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے لیکن بہت ممکن ہے ایک بات کو تم ناگوار سمجھتے ہو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور ایک بات تمہیں اچھی لگتی ہو اور اس میں تمہارے لیے بُرائی ہو اللہ جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥

ایک دوسرے انداز میں ارشاد فرمایا :-

دسے پیغمبر مسلمانوں سے کہہ دے اگر ایسا کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے منداڑ بڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے، اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کر لے وہ تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ وہ (خاستوں پر) کامیابی و سعادت کی راہ نہیں کھولتا۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ أُقْتِرْتُمْوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کے مال و منال، شان و شکوہ کے قصیر زندگی اور دیگر سامان آرائش و زیبائش میں کم ہو کر فریضہ جہاد کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف اور موجب فسق ہے۔

پس اے جوانو! اپنے دلوں میں جذبہ جہاد موجزن کرو۔ ایشیا اور قریبانی ہی دین اسلام کی روح ہے جو انسان اپنے دوسرے بھائیوں کو مسرت، راحت اطمینان اور سکون بتیا کرنے

کے لیے قربانی کا شوگر نہیں وہ انجام کار اس سے خود محروم کر دیا جاتا ہے ۔
 بات ذرا طویل پڑ گئی ہم ان صفحات میں امیر بیوشن، مقدم عساکر، حامی سوزہ اسلام اور
 دشمنان دین کے حق میں خدا تعالیٰ کی شمشیر بے نیام حضرت ام محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور آپ
 کے جانشین زقاریہ کرام کے جہاد کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت امام صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ
 کا اگرچہ سفر حج پر روانہ ہونے سے قبل ہی جہاد کا مقصد ارادہ تھا مگر انہوں نے جہاد سے قبل فریضہ
 حج کے ادا کرنے کو ضروری سمجھا کیونکہ مسلمانان ہند اس وقت اس فریضہ کو بھی ترک کر چکے تھے جیسا کہ
 گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے اس لیے حج سے واپسی کے بعد سیدین شہیدینؒ بہر تن جہاد
 کے انتظام میں معروف ہو گئے۔ ڈاکٹر منہا نے لکھا ہے :-

”عبی میں جہاں وہ سب سے پہلے جہاز سے اترے، ان لوگوں کی کثرت
 بھی جہان کا وعظ سننے آئے یا اثر پذیر ہونا چاہتے تھے، ان کو زیادہ دیر تک
 ٹھہرنے کے لیے مجبور نہ کر سکی وہ جہاں کہیں بھی گئے اس سے زیادہ کامیابی
 حاصل کی جتنی کہ مغز کے سفر سے پہلے کی تھی باقی سہرہ وہ ان پر امن ضلع
 میں اپنی واعظانہ سرگرمیوں کو حقارت آمیز بے صبری سے دیکھتے رہے معلوم
 ہوتا ہے اب ان کی نگاہ ہر وقت سرحد کی دور دراز جنگ جو آبادی پر لگی
 رہتی تھی نلے“

منہا نے مزید لکھا ہے :-

”پہلے جو چیز خواب و خیال تھی اب ان کو حقیقی روشنی میں نظر آنے لگی جس میں
 انہوں نے اپنے آپ کو ہندوستان کے ہر ضلع میں اسلامی جھنڈا گاڑتے
 اور صلیب کو انگلیوں کی لاشوں کے نیچے دفن کرتے ہوئے دیکھا“

حضرت امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کچھ دنوں کے لیے حضرت شاہ عبدالغزیزؒ
 کی وفات کی وجہ سے دہلی میں قیام فرمایا اور اس کے بعد انہوں نے ہجرت اور تہ غیب جہاد کے
 لیے ورے شروع کر دیئے اور اطراف و اکناف ہندوستان تک اس مقصد کے لیے پہنچے
 جہاد کے لیے ان دعوتی تنظیمی دوروں کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ۱۲۳۹ھ کو حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ہوتی ہے اور حضرت امام صاحبؒ "تعمیرت الایمان" کے سلسلہ میں سید عبداللہ بغدادیؒ کے اعتراضات کا ایک مکتوب کی شکل میں جواب نمبر ۱۴۲ ص ۱۳۲ میں کانپور سے دیتے ہیں اس مکتوب کا ذکر آئندہ آئے گا غرضیکہ آپ کے ان دوروں کا خاطر خواہ اثر ہوا جہاں تک آپ پہنچے جہاد کی روح پھونکتے گئے اور لوگوں کو ایک دلولہ تازہ دیتے گئے حتیٰ کہ صوفی و درویش اب سپاہی بن گئے اور ہاتھ میں تسبیح کی بجائے شمشیر بکف نظر آنے لگے اور اس طرح طاغوتی طاقتوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے کا وہ خواب جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے دکھایا تھا ان کے قابلِ فخر اور بے نظیر پوتے اور ان کے جاناں رفقائے میدانِ کارزار میں قدم رنجہ ہو کر شرمندہ تعبیر کر دیا۔

مسلمانوں کی حالت | حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ کی ولادت سے قبل ہی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا چراغ قریباً نکل ہو چکا تھا سلطنتِ مغلیہ کے کھنڈرات پر جن مسلمان حکمرانوں نے اپنی حکومتوں کی بنیادیں استوار کی تھیں وہ بھی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ سیاسی انحطاط کے علاوہ دینی، اخلاقی، سماجی اور تمدنی ہر اعتبار سے ہی مسلمان زوال پذیر تھے اُمراء و رؤساء صرف شام و شراب کے ہو کر رہ گئے تھے محمد شاہ رگیلے کے عہد میں تو نوبت بائیں جا رسید کہ اس کے دربار میں تین تین سو طوائف برہمنہ رقص کرتیں جب وہ تھک کر چور ہو جاتیں تو ان کی جگہ تین سو تازہ دم آجاتیں۔ ان کے علاوہ حرم شاہی میں سینکڑوں کی تعداد میں عورتیں تھیں جو بادشاہ کی بیگمات کہلاتیں۔ بادشاہ جب چاہتا اور جس سے چاہتا لطف اندوز ہوتا وہ حدود و قیود سے بالکل آزاد تھا اور اسی طرح دربار میں شراب کا دور جاری رہتا دیگر امراء و رؤساء کی کیفیت بھی ایسی ہی تھی بلکہ رئیس کے محل میں شراب کی بھٹیاں موجود تھیں۔ عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنے دور کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر کوئی مشرکینِ عرب کے عقائد، ان کے اعمال اور ان کے حالات کی پوری پوری تصویر سے واقف ہونا چاہتا ہے تو وہ اس زمانہ کے عوام اور جلاؤ کو دیکھ لے تو اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت امام صاحبؒ کے زمانہ کے لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی بغرضیکہ اس دور میں وہ تمام معاشرتی زوال و تخریبات رونما

ہوئیں جو اس حالت کا لازم ہوتے ہیں، تمام اخلاقی اقدار پاؤں تلے کچل دیئے گئے ذاتی عیش و عشرت اور مقامی اعزاز کی خاطر عظیم قومی مصالح ٹھکرا دیئے جاتے۔ مستقبل تاریک اور بڑے شکوفوں میں آلودہ نظر آتا تھا اور اس لیے ہر شخص اس شکر میں رہتا تھا کہ جہاں تک اس کے بس میں ہو وقت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالے۔ ایک اوسط درجہ کے شریف آدمی کی زندگی کے لیے تعیش، مے نوشی اور قص و سرود کی محفلیں لازمی جزو بن گئی تھیں اور ان سے ادنیٰ تر طبقوں میں بھی ان سے نسبتاً پست تر پیمانے پر ان کی تقلید کی جاتی تھی اس زمانہ کی ادبیات بھی جن کی کثیر مثالیں ہمارے سامنے ہیں کاہلی اور عیاشی کے مروجہ عواطف و میلانات ہتیا کرتی تھیں۔ ہاں یہ یاس انگیز تصویر ذرا مدہم پڑ جاتی تھی تو اس حقیقت سے کہ اگلے زمانے کے کچھ لطیف جذبات جیسے جرأت و دلیری، وفا شناری اور شعور عزت و آبرو اب بھی لوگوں میں موجود تھے اگرچہ ان کا نشوونما غلط طریقوں پر ہوتا تھا چنانچہ دلیری معمولی معمولی جھگڑوں اور خانہ جنگیوں پر، وفاداری پھرتے پھرتے مقامی معاملوں پر، استقلال و استقامت فرسودہ اور تباہ کن رسم و رواج سے چپٹے رہنے پر، سیر چشمی اسراف پر اور علم و دانش قدیم ذخیروں میں جدید معلومات کا اضافہ کرنے کی بجائے پرانے پرانے متنوں کی طویل الذیل شرحیں لکھنے پر صرف کی جاتی تھیں۔

حالات کے ان تند و تیز طوفانوں اور برائیوں و بے حیائیوں کی ان آندھیوں میں گھرے ہوئے معاشرہ میں پل کر حضرت ام صاحبہ جو ان ہوئے بقول مولانا غلام رسول مہر مرحوم اس وقت عمل کے تین راستے ہو سکتے تھے۔

- ۱۔ حق کو چھوڑ کر باطل سے رشتہ جوڑ لیا جائے۔
- ۲۔ حق کو نہ چھوڑا جائے اور اس سلسلہ میں جو مصیبتیں پیش آئیں انہیں صبر و استقامت سے برداشت کر لیا جائے۔

۳۔ باطل کا مقابلہ مردانہ وار کر کے ایسی صورت حال پیدا کرنے کی سعی کی جائے کہ حق کے لیے غلبہ عام کی فضا آراستہ ہو جائے۔

حضرت ام صاحبہ نے اپنے پیرو مرشد حضرت سید صاحبہ کی معیت میں آخری راستہ

کو منتخب فرمایا یہ حسن انتخاب ہی انہیں زیب دیتا تھا اور یہی ان کے وعظ و ارشاد کا محور اور ان کی دعوت و تبلیغ کا نصب العین تھا اور اسی کے لیے جانثاروں اور سرفروشلوں کا یہ مقدس گروہ سرپرکفن باغھ کر میدان کارزار میں اتر آتا تھا۔

جب مجاہدین اسلام نے اپنے لیے جہاد کا راستہ منتخب فرمایا تو کچھ لوگوں نے اعتراضات کیے جن کی کیفیت یہ تھی۔

اعتراضات

- ۱۔ حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء پر ذاتی حملے۔
- ۲۔ مجاہدین کے پاس اس وقت سامان جنگ کی قلت ہے۔
- ۳۔ بعض لوگ بیعت کرنے کے بعد منحرف ہو گئے روجس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کی استقامت بھی مشکوک ہو گئی۔

حضرت امام صاحبؒ کو ان اعتراضات کا جب علم ہوا تو آپ نے ایک مکتوب میں تفصیل کے ساتھ ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا کہ ان کا جواب بھی اگرچہ جہاد کے مترادف ہے لیکن ہمیں اس وقت تحریر و تقریر کے لیے فرصت کہاں میسر ہے جیسے نماز کی تعلیم دینا از بس ضروری ہے لیکن جو انسان نماز میں مصروف ہو وہ دوسروں کو کیسے تعلیم دے سکتا ہے اس تہمید کے بعد آپ نے پہلے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ بت سید صاحبؒ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں وہ بالکل لغو اور حقیقت سے بعید ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے اسی طرح جو اعتراضات آپ کے رفقاء کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر بھی صحیح نہیں ہیں اگر بقرض محال انہیں درست تسلیم کر لیا جائے تو وہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ولایت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ولایت، امامت کی شرائط میں سے نہیں ہے جیسا کہ ائمہ سلف کی تحریروں سے ثابت ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا اگرچہ ہمارے پاس ساز و سامان کی قلت ہے تاہم فرامی سامان کے لیے مقدور ہجر و کوششیں جاری رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ **وَاعِدُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** یعنی جتنی تمہیں طاقت ہو سامان تیار کر دینا یہی فرمایا۔ **وَاعِدُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ** کہ جتنا سامان وہ تمہارے مقابلے کے لیے تیار

کریں اتنا ہی تم ان کے مقابلہ کے لیے تیار کرو۔۔۔۔۔ کوئی امام مال کے پیٹ سے لاؤشک لے کر تو نہیں آتا بلکہ جب کوئی میدان کارزار میں آتا ہے تو لوگ اس کے لیے حسب استطاعت سامان فراہم کرتے ہیں اور یہ مسلمانوں پر فرض عاید ہوتا ہے کہ وہ امام کی خدمت میں حاضر کرنے سے نکل سے کام نہ لیں کیونکہ "اعدوا لہم ما استطعتم۔ اور جاهدوا باموالکم و انفسکم کے مخاطب صرف ائمہ و رؤسا تو نہیں بلکہ عامۃ المسلمین بھی ہیں آخر میں حضرت امام صاحب نے فرمایا: یسکان اللہ / کیا اسلام کا حق یہی ہے کہ اس کے ایک بڑے ستون کو بیخ و بن سے اکھاڑا جا رہا ہو اور ضعیف و ناتواں ہونے کے باوجود جن کا سینہ حرارت ایمانی سے گرم ہو اور وہ اس کی حفاظت کے لیے بے قرار ہو، ہم اسے ہی ہدفِ تنقید بنانے لگ جائیں؟ کیا یہ لوگ یہودی، عیسائی، مجوسی یا ہندو ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ہیں؟ مسلمانوں کی شان تو کبھی یہ تھی کہ اگر کوئی بطور مذاق بھی جہاد کا نام لیتا تو ان کے دل گلِ تازہ کی طرح کھل جاتے اور سنبھل و رسکماں کی طرح شاداب نظر آتے تھے اگر کہیں دوردراز سے بھی ان غیر مسلمانوں کے کافلوں میں جہاد کی آواز پڑتی تو وہ دشت و دریا کی پرواہ کیے بغیر معرکہ کارزار میں دیوانہ وار پہنچتے اور اس قدر برق رفتاری کے ساتھ پہنچتے کہ معلوم ہوتا کہ یہ چل کر نہیں بلکہ شہباز کی طرح اڑ کر آئے ہیں۔ باقی رہا بیعت سے منحرف ہونے والوں کا مسئلہ تو اس پر بحث کی چندال حاجت نہیں کیونکہ بیعت سے انحراف کا گناہ انہیں ہو گا امام صاحب کی امامت کو اس سے کیا نقصان لاحق ہو سکتا ہے؟ نوکر دوں چاکروں کی بے وفائی یا صوبیداروں اور دیگر عہدیداروں کی غداری سے بادشاہ کی بادشاہت تو ختم نہیں ہو جاتی؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مجاہدین اسلام کس کے خلاف
کس کے خلاف جہاد
 برسرِ پیکار ہونا چاہتے تھے یعنی صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے جیسا کہ مدت سے سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے یا انگریزوں سے جہاد کرنا بھی ان کے پر دگرم میں شامل تھا؟ بعض اصحاب سے سہو ہو گیا ہے، کچھ غلط فہمی کا شکار ہو گئے، بعض نے مصلحتیہ کے پیشِ نظر اور کچھ نے اپنے معنی جذبات کی تسکین کے لیے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ یہ غازیانِ اسلام صرف اور صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے انگریزوں کے خلاف جہاد ان کا مقصد

دعا پناہ پر مولانا محمد جعفر تھامسیریؒ، مخزن احمدی کے حوالے سے سید احمد صاحبؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔

”ایام طغولیت سے آپ کی طبیعت اور جبلت میں شوق و ذوق اعلیٰ کلمۃ اللہ و انطفائے نارِ کفر و بدعت کا بھرا ہوا تھا اس واسطے ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتل و قتال کفار کا ارادہ کرتے رہتے تھے ان حالات کی موجودگی میں کہ انگریزی سرکار کا فرما تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس لیے آپ نے فیصلہ فرمایا کہ سکھ قوم پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی خارج اور مانع تھی جہاد کیا جائے“

اسی طرح ایک اور مقام پر امام محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک روز آپ کلکتہ میں وعظ فرما رہے تھے کہ اثناء وعظ آپ نے جہاد کا بھی ذکر فرمایا تو سامعین میں سے کسی نے پوچھا کہ سرکار انگریزی کے خلاف جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ امام صاحبؒ نے جواب دیا :-

۔۔ ایسی بے ریا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔“

پھر لکھتے ہیں :-

۔۔ یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ (یعنی سید احمد صاحبؒ) سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کیوں جاتے ہو؟ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں، دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں؟ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کے شریک اور مددگار ہو جائیں گے۔ سید صاحب نے جواب دیا

کو کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت نہیں کرنا چاہتے۔ سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام نے ظلم کرتے اور اذانِ وغیرہ فریضہ مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں اگر ملک اب یا ہمارے غلبے کے بعد ان حرکاتِ مستوجبہ جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے بھی لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ سرکارِ انگریزی کو منکرِ اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو عبادتِ لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے اور ترویجِ مذہب کرتے ہیں وہ بھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعتِ توحیدِ الہی اور احیاءِ سننِ سید المرسلینؐ ہے، سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں پھر ہم سرکارِ انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں گے۔

یہ سب افسانہ طرازیوں میں جن کا حقائق سے دور کا واسطہ بھی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد سکھوں اور انگریزوں دونوں کے خلاف تھا، چنانچہ پروگرام یہ بنایا گیا کہ پہلے سکھوں کا خاتمہ کیا جائے اور پھر انگریزوں سے پیشا جائے لیکن افسوس کہ سکھوں کے ساتھ معرکہ آرائی کے دوران ہی بالاکوٹ کا حادثہ فاجعہ پیش آ گیا اور انگریزوں سے ہاتھ دوچار کرنے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔ ہمارے مسلمانوں سے تو انگریز مصنف ڈبلیو ڈبلیو منہٹرنے ہی تحریک کے مقصد کو زیادہ درست سمجھا جیسا کہ اس کی کتاب "OUR INDIAN MUSLIMAN" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ اس میں بہت سے امور خلاف واقعہ ہیں اور پھر مجاہدین کے خلاف جرائمات لگائے گئے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں تاہم اس تحریک کے مقاصد کو اس نے صحیح سمجھا ہے اسی طرح ایچ، ڈبلیو، بیلیمو (لاہور ۱۸۶۲ء) ... یوسف زئیوں پر اپنی رپورٹ میں سید احمد کے بارے میں لکھا ہے :-

یہ شخص کوئی اور نہ تھا بلکہ میر سید احمد بریلوی ہی تھا، جو ان علاقوں میں سید پادشاہ کے نام سے معروف تھا..... جس کا کردار ایک مختصر حصے تک کامیاب رہا جب کہ وہ مختلف ہمسائیہ سنی مسلم حکومتوں کے حکمرانوں اور لوگوں کو اکسایا کرتا تھا کہ اس کے بھندے کے نیچے جمع ہو جائیں جو اسلامی سلطنت کے دوبارہ قیام کے لیے اور جزیرہ نمائے ہند کو کفار انگریزوں اور سکھوں سے آزاد کرانے کے لیے بلند کیا گیا ہے۔“

ایک اور مصنف سر حد پر سولہویں صدی کی روشنیہ تحریک کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز

ہے :-

”روشنیہ کا سربراہ بایزید پیر روشن اور اس کے متبعین الہی کے حق میں دہی ہو گئے تھے جو دہلی سکھوں کے حق میں اور ہندوستانی مذہبی دیوانے برطانوی حکومت کے حق میں ہو گئے تھے :-

یہی مصنف ایک دوسرے مقام پر یوں رائے زنی کرتا ہے :-

۔۔۔۔۔ بایں ہمہ سید احمدؒ کے نائبین نے جو نوآبادیاں چھوڑی تھیں وہ برطانوی حکومت کو ورثہ میں ملیں۔ پنجاب کے ساتھ ہمیں جو متروکات ملے ان میں شاید یہ سب سے زیادہ دردناک

کاباعت تھے۔

سکھوں کا مشہور مورخ کننگہم جو سید احمدؒ کے نسبتی بھائی اور رفیق خاص سے ذاتی تعلقات رکھتا تھا، یہ معنی خیز فقرے لکھتا ہے۔

۔۔۔۔۔ چار سال کی غیر حاضری کے بعد وہ دہلی لوٹے اور مسلمانوں سے

کہا کہ کافروں کے خلاف جنگ میں ان کی متابعت کریں۔ ان کے

تیور سے ایسا ظاہر ہوا کہ کافروں سے ان کی مراد صرف سکھ ہیں

لیکن واقعی مراد صحیح طور پر سمجھی نہ گئی تھی“

ان مذکورہ اقتباسات کو دوبارہ بغور مطالعہ فرمائیے تو یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ ہمارے مسلمانوں کی نسبت تو ان انگریز مصنفین ہی نے تحریک کے مقصد کو زیادہ صحیح سمجھا ہے اور انہوں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے تحریک کے انگریز دشمن ہونے کا ہی اظہار کیا ہے۔

سب سے پہلے شخص سر سید احمد خاں ہیں جنہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ جہاد انگریزوں کے نہیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف تھا ہنٹر کی مذکورہ کتاب شائع ہونے کے جب بازار میں آئی تو سر سید نے اس کے الزامات و اتہامات کے جواب میں ایک سلسلہ مضامین لکھا جو کہ اخبار "پائونیر" کی متعدد اشاعتوں میں قسط وار چھپتا رہا، اس میں سر سید نے لکھا تھا کہ سید صاحب اور مجاہدین صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے، انگریزوں سے لڑنا ان کے پروگرام میں شامل نہ تھا۔^{۲۲}

بات دراصل یہ تھی کہ انگریزی حکومت نے تحریک جہاد کو کچلنے کے لیے جب اپنی پوری طاقت صرف کر دی، مجاہدین پر بے شمار مظالم ڈھائے اور انہیں آلام و مصائب کا تختہ شق بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا تو وہ مجاہدوں پر انگریزوں کے ان مظالم کو دیکھ کر سر سید بے حد متاثر ہوئے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اس تحریک کو اب ختم ہونا چاہیے تاکہ یہ مظلوم بھی امن، چین اور سکون کا سانس لے سکیں اسی جذبہ کے تحت انہوں نے ہنٹر کی کتاب پر تنقید لکھی اور اپنے تئیں وہابی کہتے ہوئے دیگر تمام وہابیوں کو بھی انگریزی گورنمنٹ کا دفا دار ثابت کرنے کی کوشش حالانکہ وہ وہابی نہ تھے بلکہ عقائد و نظریات میں آزادمنش تھے وہ تو صرف ان رُوح فرسا مظالم کو دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اور انہوں نے محض انسانی ہمدردی کے پیش نظر ان مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی کہ یہ ان کی انسانی شرافت تھی۔ افکار و عقائد کے اعتبار سے وہابیت سے ان کی دوری کا اندازہ تو اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے خلاف جس قدر وہابی علما نے لکھا شاید ہی کسی نے لکھا ہو حضرت مولانا محمد حسین ثابویؒ کا "اشاعت السنہ" ان کے غلط افکار و نظریات کی تردید میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتا تھا بلکہ فروری ۱۸۶۹ء کے بعد

تو مکمل طور پر رسالے کا رخ سرسید کی طرف مڑ گیا اور اس کا اکثر و بیشتر حصہ رٹرنج پریس پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسی طرح حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ بھی اُن کے خلاف کتاب و سنت عقاید و افکار پر بھرپور تنقید فرماتے رہتے تھے۔

یہ تو سرسید مرحوم کی شرافت اور معاملہ فہمی تھی کہ وہ ان مظلوموں پر ڈھائے جانے والے لڑنے نیز مظالم کو دیکھ کر بڑی جرات و جسارت کے ساتھ سراپا احتجاج بن گئے اور اس سے انگریز بھی متاثر ہوئے۔

سرسید مرحوم کا خیال تھا کہ یہ مظلوم بھی صرف اس صورت میں امن، چین اور سکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں کہ یہ بھی کئی دوسرے مسلمانوں کی طرح انگریزی حکومت کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلا دیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے ڈاکٹر منہٹر کی کتاب پر تنقید لکھی اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ جہاد انگریزوں کے نہیں بلکہ سکھوں کے خلاف تھا اور اس سے قبل سرسید احمد خاں ۱۸۵۷ء کے بعد "اسباب بغاوت ہند" لکھ کر "بڑا کارنامہ" انجام دے چکے تھے اس میں انہوں نے حاکم اور محکوم کو قریب سے قریب تر لانے کی جو کوشش کی اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے چنانچہ ۱۸۵۷ء تک اہل حدیث کے سوا مسلمانوں کے دیگر تمام فرقوں نے انگریزی حکومت کو اپنی مکمل ناکاواوی کا یقین دلایا تھا۔ چنانچہ مشہور حضفی عالم مولانا کرامت علی صاحب جونپوری کے متعلق ہم مولانا مسعود عالم ندویؒ کے حوالہ سے اس سے قبل ایک تعارفی نوٹ میں ذکر کر آئے ہیں کہ وہ برطانوی حکومت کے مؤید اور دہلیوں کے کپے مخالف تھے اور یہ تصدیق نامہ راج (بہار) میں ۲۱ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو دیا گیا اور اسے بعد میں خود ان کے پوتوں نے بڑے فخر سے ۱۹۱۲ء میں بھی درج کر لیا تھا اور پھر اس میں ان کے صاحبزادے مولوی عبدالاول اور حافظ احمد صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق تھی نیز مولانا جونپوری صاحب نے انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ بھی دے دیا تھا۔ دراصل انہوں نے کلکتہ کی مٹھن لٹریسی سوسائٹی کے ایک اجلاس میں ۲۳ نومبر ۱۸۵۷ء کو ایک لیکچر دیا تھا جس میں انہوں نے بیان کیا کہ گورنمنٹ کے خلاف جہاد ممنوع ہے اسی لیکچر کے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا تھا اور اس میں دیگر معتد راضی علماء کے ناکاوی

کو بھی درج کر دیا گیا تاکہ گورنمنٹ برطانیہ پر واضح ہو جائے کہ تمام جلیل القدر خفی علماء اس کے حق میں ہیں انگریزوں کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ چنانچہ ہنٹر نے بڑے فخر سے لکھا :-

یہ بڑا ہی مبارک واقعہ ہے کہ جس ضلع (جنپور) سے ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان بادشاہ (اکبر) کے عملاً بغاوت کا فتویٰ شائع ہوا تھا، اسی نے ایک ایسا عالم (مولوی کرامت علی) بھی پیدا کر دیا جس کا فتویٰ انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کو سختی سے منع کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ہنٹر نے اس کتاب میں جن علماء کرام کا فتویٰ درج کیا ہے وہ یہ حضرات ہیں :- مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا محمد علی لکھنوی، مولانا فیض اللہ لکھنوی، مولانا محمد نعیم لکھنوی، مولانا رحمت اللہ لکھنوی، مولانا قطب الدین لکھنوی، مفتی سعد اللہ لکھنوی، مولانا لطیف اللہ رامپوری، مولانا غلام علی رامپوری

اسی طرح شیعہ حضرات نے بھی جہاد کی مخالفت کی اور انگریزوں کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر نے اس وقت کے مسلمانوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسلمانوں کا ایک اہم فرقہ شیعہ سب کا سب انگریزوں کو اپنی کامل وفاداری کا یقین دلانے میں پیش پیش تھا اگرچہ یہ فرقہ کسی وقت بھی انگریز کے نزدیک مشکوک نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اس کی طرف سے فارسی زبان میں ایک رسالہ شائع ہوا جس میں جہاد کی مخالفت اور گورنمنٹ کے ساتھ پوری وفاداری کا اعلان تھا۔ شیعہ کی طرف سے اس فتویٰ کا اعلان پر ہنٹر نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے ہیں۔

بغاوت کے غیر ضروری ہونے پر ان کا اعلان بغیر کسی دباؤ کے واقع ہوا اور یہ بات نہایت ہی خوب ہے کہ ایسا اعلان باضابطہ طور پر پھر میں آگیا۔ اس دستاویز پر دستند اور قابل اعتماد شیعہ علماء کی مہریں ثبت ہیں اور یہ پورا فرقہ اس پر ہمیشہ عمل کرنے کے لیے

مجبور ہے۔ اس قسم کے باقاعدہ وعدوں کے بغیر بھی وہ قدرتا
وفادار ہیں۔

ہم ذکر کر رہے تھے کہ مشہور نیک اہل حدیث کے سوا مسلمانوں کے کئی مکاتب فکر فتاویٰ
شائع کر کے حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لیے تھے اور سرسید کا خیال تھا کہ اب
مجاہدین کو بھی ایسا ہی طریق عمل اختیار کرنا چاہیے۔ انہی دنوں ڈبلیو ڈبلیو منٹرنے بڑی تند
دلیز اور تلخ کتاب "OUR INDIAN MUSALMANS" (جس کا ہم نیچے بھی ذکر کر آئے ہیں)
لکھی جس نے انگریزی حکومت کے غیظ و غضب کی جلتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا اس لیے
انہوں نے مجاہدین پر مظالم میں اور زیادہ سختی کر دی انگریزی صورت حال سرسید نے اس کتاب
پر فوٹو تنقید لکھی لیکن برصغیر پاک و ہند کی تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس تنقید کا
فریقین (انگریزی حکومت اور مجاہدین) پر کیا اثر ہوا اور دونوں کس قدر ایک دوسرے کے
قریب ہوئے۔ کیا حکومت کے رویہ میں فرق آیا؟ کیا مجاہدین اپنے موقف سے دستبردار
ہوئے؟ اس سے کچھ خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے یا نہ ہوئے لیکن اس میں کلام نہیں
کہ سرسید احمد خاں نے یہ سب کچھ اخلاص، سہمردمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے کیا
اس تمام داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ تھے وہ حالات جن کے پیش نظر سرسید نے
کوشش کی کہ جہاد کے رخ کو انگریزوں کے بہائے سکھوں کی طرف پھیر دیا جائے۔

دوسرے بزرگ مولانا محمد جعفر صاحب تھانی سہری ہیں جنہوں نے جہاد کا رخ انگریزوں
کے بہائے صرف سکھوں کی طرف بتایا ہے۔ مولانا موصوف سید صاحب اور حضرت امام صاحب
کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے اور تحریک کے نہایت گرم کارکن تھے اسی وجہ سے آپ کو
بھی بے پناہ آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے جان و مال کی قربانیاں پیش کر کے قرون
اولیٰ کے مسلمانوں کی یاد تازہ کر دی معرکہ اہلسیلا کے بعد ۱۸۶۲ء میں بغاوت اور سازش کے
الزام میں آپ پر مقدمہ چلایا گیا، منقولہ وغیر منقولہ جائیداد ضبط کر لی گئی، جس دوام لے
دیائے شور کی سزا دی گئی اور آپ نے عمر عزیز کی قریباً اٹھارہ بہاریں کالاپانی میں بسر کیں
فرنگی ظلم و استبداد کے مقابلہ میں آپ استقامت کا پہاڑ بن کر ٹوٹے رہے اور بڑی سے

بڑی مزاحیہ آپ کے پاپی استقلال میں قطعاً جنبش پیدا نہ کر سکی مگر افسوس کہ بائیں ہتھ آپ تحریک کے مقصد کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔

علاوہ ازیں ایک اور توجیہ بھی کی جاسکتی ہے، جو زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ یہ کہ مولانا تھامیسری مرحوم نے سوانح احمدی (نئے ایڈیشن کا نام حیات سید احمد شہید) کو اس وقت لکھا جب انگریز مجاہدین کی مخالفت میں جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اور تحریک جہاد انتہائی مشہور تھی حتیٰ کہ مجاہدین کو دارو رسن اور قید و بند کی ایسی ایسی لہرہ نیز صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جن کے تصور ہی سے آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انگریز کی انتہائی کوشش تھی کہ تحریک کو مکمل طور پر کچل دیا جائے اور مجاہدین کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔ ایسے نازک ترین لمحات میں مولانا تھامیسری مرحوم نے تحریک کی سرگزشت کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے منصفہ مشہور پر جلوہ گر کرنے کا عزم کر لیا۔ مبادا کہ اس مقدس تحریک اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ اسلام کے سب سے زیادہ درخشاں باب کے حالات طاق نیایں کی زینت ہو جائیں۔ اس وقت یہ حالات و کوائف مستند روایات کی صورت میں محفوظ تھے جن کا مولانا تھامیسری اور تحریک سے وابستہ کئی دیگر بزرگوں کو عرفی تو اتر کی حیثیت سے علم تھا یا غیر مطبوعہ مکاتیب و مخطوطات تھے جو بحیثیت مندوں کے پاس موجود تھے۔ مولانا مرحوم ایسے دور اندیش، ہمدرد اور سراپا خلوص انسان کے لیے عجب مختصہ کا عالم تھا اگر آپ حقائق کو من و عن، بلا کم و کاست بیان کرتے تو پھر سے قید و بند کی تنہائیاں اور زنجیر و سلاسل کی سنگتیاں چشم براہ تھیں مگر ان سے تو آپ قطعاً خائف نہ تھے لیکن اس بات کا زبردست امکان تھا کہ حکومت ان کی اشاعت میں رکاوٹ ڈال دے گی یا تمام مواد ضبط کر کے اپنے قبضہ میں کر لے گی اور یہ ایک قابل تلافی نقصان ہوتا۔ اس لیے مولانا مرحوم نے حالات کے ان تقاضوں کے پیش نظر، جہاں تک ممکن ہو اور اوقات میں، لچاک پیدا کر کے حکومت کی دستبرد سے اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی تاکہ جس قدر ممکن ہو اس مقدس تحریک کے کوائف ضبط تحریر میں آجائیں بنا بریں اس سلسلہ میں آپ سے کچھ فروگزائش ہوئی۔ غرضیکہ اس صورت حال میں آپ نے سوانح لکھی اور فروگزائشوں کے سلسلے میں آپ معذور رہیں۔

پیامِ شاہجہان پوری نے اپنی کتاب "شہادت گاہِ بالاکوٹ" میں مولانا تھامس میسرے کے ان ہوشربا مصائب کو مقدمہ بنا کر یہ نتیجہ نکلانے کی کوشش کی ہے کہ جو انسان اتنے بڑے مصائب میں ثابت قدم رہا وہ اب کیسے مصلحت کا شکار ہو سکتا تھا لہذا ان کا موقف صحیح ہے کہ جہاد انگریزوں کے نہیں بلکہ مسکھوں ہی کے خلاف تھا۔

میرا خیالی ہے کہ یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ پیام صاحب پس منظر کے ان حالات سے بے خبر ہیں جنہیں راقم نے بیان کیا ہے۔ البتہ مجھے شبہ ہے کہ ان کی "قادیانی ذہنیت" یہاں کارفرما نہ ہو کیوں کہ مرزا ٹی اس بات کو قطعاً برداشت ہی نہیں کر سکتے کہ ان کے مرنے والے محسن انگریزوں سے کوئی برہنہ پکارا ہو اور یہ کیوں نہ ہو جب کہ خود مرزا صاحب نے اپنے آپ کو انگریز کا خود کاشتہ پورا تسلیم کیا ہے۔ اور اپنے گوگرنمنٹ کی خیر خواہی اور تائید میں لگانے، بے نظیر و بے مشیل اور انگریز گوگرنمنٹ کے لیے بطور تعویذ اور سیناہ (طلوع) کے قرار دیا ہے اور خود اپنے اور اپنی جماعت کے لیے سلطنتِ برطانیہ کو اپنی جائے پناہ تسلیم کیا ہے۔ یہ مرزا غلام احمد ہی تھا جس نے جہاد ایسے مقدس فرضیہ کو انگریزی کی حمایت میں اندھے ہو کر حرام اور منسوخ قرار دے دیا اور انگریزوں سے دشمنی رکھنے والوں کو سخت جاہل، نا فہم مٹلا، دشمنِ خدا، منکرِ نبی، سخت نادان، حرامی، بدکار، نالائق، ظالم، چور، قزاق (ذرا "نبوت" کی زبان "فیض تر جان" اور "کوشش" میں دہلی ہوئی زبان ملاحظہ فرمائیے) اور نامعلوم کن کن خطابات سے نوازا ہے اور یہ آجہانی مرزا ہی تھا جس نے انگریز گوگرنمنٹ کی حمایت و وفا داری میں پچاس ہزار کے قریب کتے میں رسائل اور اشتہارات تالیف و طبع کرنے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ یہ تحریری ذخیرہ اگر جمع کیا جائے تو اس سے پچاس ہزار بائبل بھر سکتی ہیں۔^۲

جب کبھی بھی انگریزوں اور مسلمانوں میں کوئی تصادم ہوا تو امتِ مرزائیہ نے مسلمانوں کی بجائے انگریزوں کی تائید و حمایت کی اور ان کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگیں بلکہ یہ تو مسلمانوں کی شکست اور انگریزوں کی فتح پر جشن منانے میں ذرہ برابر بھی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیمِ اولیٰ میں ترکوں کی شکست ہوئی تو اس پر قادیانی امت کا تبصرہ درج ذیل تھا۔

”حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں..... کہ گورنمنٹ میری تلوار ہے پھر ہم احمدیوں کو اسٹیج (فتح بغداد) پر کیوں نموشی نہ ہو، عراق، عرب ہو یا شام، ہم ہر جگہ اپنی تلوار کی چمک دکھانا چاہتے ہیں..... دراصل اس کے محرک خدا تعالیٰ کے دو فرشتے تھے جن کو گورنمنٹ کی مدد کے لیے خدا نے اتارا تھا۔“

اسی طرح ۲۷ نومبر ۱۹۱۵ء کو ترکوں کو جب کھلی طور پر شکست سے دوچار ہونا پڑا تو امت مسلمہ نے قادیان میں جشن منایا، زبردست چراغاں کیا اور گھی کے چراغ جلائے اور اس موقع پر ”افضل نے لکھا۔“

”یہ پُرلطف اور مسترت انگریز نظارہ بہت مؤثر اور خوش نما تھا اور اس سے احمدیہ پبلک کی اس عقیدت پر خوب روشنی پڑتی ہے، جو اسے گورنمنٹ برطانیہ سے ہے۔“

مرزا جی تو انگریز بہادر کے لیے مخبری بھی کرتے رہنے میں۔ یہ بھی گویا ”منصب نبوت“ میں شامل تھا۔ لیکن ان تمام امور پر حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بھلا جس نبی نے اپنی بعثت کا مقصد ہی انگریزوں کی تائید و حمایت بتایا ہو، اس کے ان کارنامے نمایاں۔ پر تعجب کیوں؟ مرزا جی آنجنہانی نے لکھا ہے۔

”اس نے مجھے اپنے قدیم وعدے کے موافق..... آسمان سے بھیجا۔ تا میں..... حضور ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کے نیک اور بابرکت مقاصد کی اعانت میں مشغول ہوں۔ اللہ نے مجھے بے انتہا برکتوں کے ساتھ چھوڑا اور اپنا مسیح بنایا۔ تا وہ ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کے پاک اغراض کو خود آسمان سے درود دے۔“

جب آنجنہانی مرزا جی نے اپنی بعثت کا مقصد ہی انگریزوں کی تائید و حمایت بتایا اور ان کا اور امت مسلمہ کا کردار ہی یہ ہے جس کی ادنیٰ سی جھلک ان مذکورہ سطور سے معلوم ہو سکتی ہے تو پیغام صاحب کو، جو کہ امت مسلمہ کے ایک فرد ہیں ہم مجبور سمجھتے ہیں۔ لیکن ایمان کے

کے ساتھ اگر خدا تعالیٰ نے ان سے کئی طور پر عقل بھی سلب نہیں کر لی، تو انہیں غور کرنا چاہیے کہ انبارم کیس میں مولانا تھانوی شہری کو عمر قید لے جو در دیا مئے شور کی سزا ہوئی۔ کیا یہ مقدمہ رنجیت سنگھ کی عدالت میں پیش تھا؟ مولانا مرحوم کو یہ سزا کس سنگھ نے دی؟ مولانا نے اس کی تفصیلات تواریخ عجیبہ المعروف تہ کالابانی کے نام سے لکھی ہیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پور کس انگریزی گورنمنٹ نے مرتب کیا تھا اور جس قدر ممکن تھا زیادہ سے زیادہ سخت انتہائی سزائیں دیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تحریک انگریزوں کے خلاف ہی نہ تھی تو پھر کیس کیا اور انتہائی سزائیں کیوں؟

یہ بات اس قدر پیچیدہ اور الجھی ہوئی تو نہیں ہے جتنا اسے الجھا دیا گیا ہے سیدھی سی بات ہے ہم

سید صاحب کا موقف

تحریک جہاد کے امیر حضرت سید صاحب سے پوچھتے ہیں کہ حضرت آپ کا موقف کیا تھا؟ آپ صرف سکھوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے یا انگریزوں کے بھی؟ چنانچہ آپ کے محفوظات اعلیٰ اور کتبوبات کی روشنی میں آپ کا جو موقف واضح ہو کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے۔

جب اسلامی بلاد پر کافر مسلط ہو جائیں تو عام	ہر گاہ بلاؤ اسلام در دست کفار لیام افتد
مسلمانوں پر عموماً اور مشاہیر حکام پر خصوصاً واجب	برجہا ہیرا ل اسلام عموماً و مشاہیر حکام خصوصاً
ہو جاتا ہے کہ ان کافروں کے خلاف اس وقت	واجب و مؤکد کی گرد کہ سعی و کوشش در
ہم مقابلہ و مقابلہ کے لیے سعی و کوشش جاری رکھیں	مقابلہ و مقابلہ آہنا بجائے آرنند تا وقتیکہ بلاد مسلمین
جب تک اسلامی بلاد ان کے قبضہ سے واپس لیے جائیں ورنہ	را از قبضہ ایشان بر آرنند و الا آثم و گنہگار
مسلمان گناہگار ہونگے ان کے اعمال بارگاہ ایزدی میں مقبول نہ	می شوند و عاصی و ستمگار، از در گاہ قبول مرود
ہونگے اور وہ خود قرب حتیٰ کی برکتوں محروم رہیں گے۔	می گردند و از ساخت قرب مطرود

اگر سید صاحب کے عمل جہاد کی بنیادی اصل تھی تو کیا عالمگیر عظیم کی وسیع سلطنت میں سے صرف وہی حصہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل کر غیر مسلموں کے قبضہ میں گیا تھا، جو دریائے ستلج اور دریائے سندھ کے درمیان تھا اور جس پر رنجیت سنگھ حکمران تھا؟ کیا باقی پورے ملک پر مسلمان بدستور فرمازواتھے؟ اس کا جواب ہر شخص نفی میں دے گا۔ اس سے بدرجہا بڑے اور اہم تر علاقے پر بلا واسطہ یا بلا واسطہ انگریز مسلط تھے اور انہوں نے سب کچھ یا تو مسلمانوں سے چھینا تھا یا ان لوگوں سے لیا

تھا جو کچھ مدت پیشتر مسلمانوں سے پھین چکے تھے یہ تمام علاقے بے شمار ریب بلاد اسلام
تھے۔ پھر کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس واضح اساس عمل کے ہوتے ہوئے سمجھا گیا اور
سمجھایا گیا کہ سید صاحب صرف سکھوں سے لڑنا چاہتے تھے۔

یہ اقتباس مولانا غلام رسول مہر مرحوم کی شہرہ آفاق تصنیف "سید احمد شہید سے
نقل کیا گیا ہے اسے اور اس کے ماقبل و بعد کا بغور مطالعہ فرمائیے اور پھر خدا را انصاف سے
کیئے کہ پیام شاہجہاں پوری کا یہ لکھنا کہاں تک مبنی برحق و صداقت ہے کہ :-

مولانا غلام رسول مہر راقم الحروف کے ذاتی مہربان اور اس کے
لیے بے حد قابل احترام ہیں موصوف بھی ان اصحاب میں شامل ہیں جن
کا خیال ہے کہ حضرت سید صاحب کا رنج جہاد انگریزوں کی طرف تھا
بلاشبہ مولانا نے بڑی قابلیت سے اپنا موقف درست ثابت کرنے
کی کوشش کی ہے لیکن ایک کمزور اور بے جان مقدمہ کو دنیا کا قابل
سے قابل وکیل بھی نہیں جیت سکتا یہی صورت اس معاملے کی ہے مولانا
کی قابلیت اور تجربہ علمی سے انکار گناہ ہے لیکن انہوں نے جس مقدمہ
کی پیروی کی ہے وہ مقدمہ ہی بے جان ہے اس لیے ان کے علم و فضل
پر ہرگز کوئی حرج نہیں آتا۔ یہ وہ مشین ہے جس کی کوئی کل سیدھی نہیں
جس کا کوئی پرزہ درست نہیں اس کی مثال وہی ہے کہ اگر سر چھپاؤ تو
بیرکھل جاتے ہیں اور اگر پیر چھپاؤ تو سر کھل جاتا ہے۔ مولانا مہر نے سید
صاحب کے جہاد کا رنج انگریزوں کی طرف ثابت کرنے میں اپنی تمام
تواناں صرف کر دی مگر چونکہ یہ مقدمہ ہی کمزور تھا اس لیے اس کی کمزوری
چھپ رہی تھی۔

پیام صاحب یہاں دجل و بلیس کی انتہا کر رہے ہیں حضرت مہر مرحوم کی تعریف کر کے یہ باور
کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ان کے دل میں حضرت مرحوم کا بڑا احترام ہے لیکن درحقیقت یہ
ان کی تعریف نہیں بلکہ زبردست تنقیص کر رہے ہیں۔ پیام صاحب غالباً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مولانا

مہر مرحوم کو گویا معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ یہ مقدمہ کمزور اور بے جان ہے یہ تو انہیں الہام ہوا ہے
 حالانکہ سید صاحب کے مذکورہ مکتوب اور اس پر مولانا مہر مرحوم کے تبصرہ کو پڑھ لینے کے بعد ذرا
 سمجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ مہر صاحب ایک کمزور اور بے جان مقدمہ کی
 پیروی کر رہے ہیں یا ایک مضبوط اور جاندار مقدمہ ان کے پیش نظر ہے اگر یہ مقدمہ کمزور ہوتا تو حضرت
 مہر ایسا عالم و فاضل، جن کے علم و فضل، تجربہ علمی اور قابلیت کا پیام صاحب کو بھی اعتراف ہے
 اس کی پیروی کیوں کرتا؟ یہ مقدمہ۔ جس کی ایک شق اس وقت زیر بحث ہے۔ اس قدر مضبوط
 اور قوی تھا کہ حضرت مہر مرحوم نے اس کا فیصلہ قریباً دو ہزار صفحات۔ سید احمد شہید، جماعت
 مجاہدین، سرگزشت مجاہدین۔ میں اس قدر احسن پیرا بیہ بیان میں لکھا ہے کہ دنیا عین عیش کر اٹھی اور
 اس نے حضرت مرحوم پر تحسین و آفرین کے پھول نچا اور کچے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ پیام صاحب اپنے نبی کے طرز تحریر کو اپنانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ مرزا
 جی کا بھی یہی اسلوب تھا کہ پہلے ایک انسان کی تعریف کر دتا کہ لوگ مطمئن ہو جائیں اور پھر اپنی مطلب
 براری کے لیے نشر لگاؤ۔ مزید وضاحت کے لیے یہاں ایک مثال بھی عرض کر دیتے ہیں مرزا غلام احمد
 قادیانی ایک مقام پر لکھتا ہے :-

ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی
 مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ اگر ہمارے بھائی جلدی سے
 جو شش میں نہ آئیں تو میرا تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش
 کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فہم و فراست کے
 برابر نہیں ہے

اسی عبارت پڑھنے کے بعد ایک سادہ لوح مسلمان ششدر رہ جاتا ہے کہ وہ دجال و کذاب
 مبتنی جس نے سرور دنیا و دین، رحمة للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر آڑے چلائے اور آپ کی
 روائے ختم نبوت کو پھیننے کی ناپاک جبارت کی اسے آپ کی اس فہم و فراست سے کیا سروکار؟ لیکن اس
 کے متصل بعد کی عبارت ذیل۔

گرچہ بھی بعض پیش گوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے۔۔۔۔۔ الخ

جب ہم پڑھتے ہیں تو حیرانی ختم ہو جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مرزا سبھی اپنی خانہ ساز نبوت کا ڈھونگ رچانے اور اپنی خرافات (بزمِ خویشِ پیش گوئیاں، جو بھڑکی ثابت ہوئیں) پر پردہ ڈالنے کے لیے اہمیت کے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں کہ کبھی تو کہہ دیا کہ نبی کو کبھی پیشگوئی کی اصل حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور کبھی انبیاء کرام کی پیشگوئیوں کو معاذ اللہ جھوٹا ثابت کرنے کے لیے من گھڑت قصے لکھ دیئے۔ الغرض پیامِ صاحب بھی یہاں اپنے نبی کے اسی طرزِ نگارش کا اتباع کر رہے ہیں اور جب تک وہ فادائیت کی منحوس عینک اتار کر نہیں دکھیں گے انہیں کبھی نظر نہیں آسکتا کہ ہر مرحوم نے یہ مقدمہ جیتا ہے یا نہیں؟

سید صاحب کے موقف کی مزید وضاحت کے لیے ان کے مکتوب کا بڑا انہوں نے شاہ بخارا کی طرف ارسال فرمایا اور جس سے کچھ سطور ہم تیچھے ذکر کر آئے ہیں، یہ حصہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

نصاری و مشرکین ہندوستان کے اکثر بلاد پر دریائے سندھ سے ساحلِ بحر تک قابض ہو گئے ہیں اور یہ چھ ماہ کی مسافت ہے، (اگر پیدل چلنا ہو) انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کو ختم کرنے کے لیے تشکیک و تزویر کا جان بھیلایا رکھا ہے اور ان تمام علاقوں کو ظلم و کفر کی ظلمتوں سے بھر رکھا ہے۔

نصاری و مشرکین ہندوستان کے اکثر بلاد پر دریائے سندھ سے ساحلِ بحر تک قابض ہو گئے ہیں اور یہ چھ ماہ کی مسافت ہے، (اگر پیدل چلنا ہو) انہوں نے خدا تعالیٰ کے دین کو ختم کرنے کے لیے تشکیک و تزویر کا جان بھیلایا رکھا ہے اور ان تمام علاقوں کو ظلم و کفر کی ظلمتوں سے بھر رکھا ہے۔

یہ تو تسلیم کہ مشرکین سے مراد تو سکھ اور مرہٹے وغیرہ ہو سکتے ہیں لیکن نصاریٰ سے انگریزوں کے سوا کون مراد ہو سکتا ہے؟ سید صاحب شاہ بخارا کو مزید لکھتے ہیں۔

کفارِ فرنگ کہ بر سر ہندوستان تسلط یافتہ نہایت تجربہ کار و ہوشیار و حیلہ باز و مکار اند۔ اگر بر اہلِ خراسان بیانیدہ بہ سہولت جو انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بہت زیادہ تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں اگر اہلِ خراسان پر چڑھائی

تمام جمیع بلاد آذربایجان بہ دست آرنڈ
باز حکومت آذربایجان متصل
گرد و اطراف دارالحرب بہ اطراف
دارالاسلام متحد شود۔

کردیں تو سہولت ان کے ملک پر تسلط جمالیں
گئے پھر ان کی سلطنت کی حدیں آپ کی حکومت
مل جائیں گی اور دارالحرب اور دارالاسلام کے
اطراف متحد ہو جائیں گے۔

اس میں بھی کفار فرنگ سے مراد انگریز ہی ہیں، سکھوں اور مرہٹوں وغیرہ کو تو فرنگی
نہیں کہا جاتا اور پھر سید صاحب نے ان کے تجربہ کار، ہوشیار، جیلہ باز اور مکار وغیرہ جو
اوصاف بیان کیے ہیں یہ بھی سکھوں کے بجائے انگریزوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ سید صاحب
نے شاہ محمود درانی بن تمورشاہ بن احمد شاہ ابدالی والی ہرات کو بھی دعوت جہاد دیتے
ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا :-

اقامت جہاد و ازالہ بظنی و فساد در ہر
زمان و ہر مکان از اہم احکام حضرت
رب العباد است خصوصاً درین جزو
زمان کہ وقت شورش اہل کفر و ملغیان بہ
حدے رسیدہ کہ تخریب شعار دین و افساد
حکومت سلاطین از دست کفرہ متمر دین و بغا
بہ وقوع آمدہ و این فتنہ عظیم تمام بلاد ہند و
سندھ و خراسان را فرا گرفتہ پس درین صورت
تفاضل در مقدمہ استیصال کفرہ متمر دین و
تساہل در باب سرزنش باغیان مفسدین از
اکبر معاصی واجب آتام است۔ بناء علیہ
این بندہ در گاہ حضرت الہ از وطن بالوفد
خود برخاستہ در دیار ہند و سندھ و خراسان
دور و سیر نمودہ و موئین آل اقطار و مسلمین آل

جہاد قائم کرنا اور بغی و فساد کو مٹانا ہر
زمانہ اور ہر مقام میں خدا تعالیٰ کا نہایت
اہم حکم رہا ہے خصوصاً اس زمانے میں جب
کہ کافروں اور سرکشوں کی شورش اسی صورت
اختیار کر چکی ہے کہ سرکشوں اور باغیوں کے
ہاتھوں دینی شعار بگاڑے جا رہے ہیں اور
مسلمان بادشاہوں کی حکومتوں میں ابتری پیدا کی جا
رہی ہے اور عظیم فتنہ ہند، سندھ اور خراسان
کے علاقوں میں چھا گیا ہے اس صورت میں سرکش
کافروں کی بیخ کنی سے غفلت اور مضد باغیوں کی
سرزنش سے تساہل بہت بڑا اور قبیح گناہ ہے
اس بنا پر خدا تعالیٰ کی درگاہ کے اس بندے
نے اپنے وطن سے نکل کر ہند و سندھ اور خراسان
کا دورہ کیا اور وہاں کے مومنوں اور

دیار رابعہ میں معنی ترغیب کرو گے
مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی۔

اس مکتوب گرامی میں سید صاحب ہند، سندھ اور خراسان میں غیر مسلموں کی سرکشوں اور بغاوتوں کا ذکر فرما رہے ہیں اور اس میں تو پنجاب کا ذکر تک بھی نہیں جہاں رنجیت سنگھ کی حکومت تھی۔ اس مکتوب میں اگرچہ مولانا جعفر صاحب تھانوی نے ہند کی بجائے پنجاب کا نام ہی لیا ہے لیکن یہ ترسیم ان کی طرف سے اس مصلحت کے پیش نظر تھی جس کا ذکر پیچھے کیا جا چکا ہے ایک اور مکتوب میں سید صاحب کو الیاء کے ہندو راؤ کو لکھتے ہیں۔

بریکانگان بعید الاطن لوک زمین و زمین
وہ بیگانے جن کا وطن بہت بعید ہے، باؤناہ
گر ویدہ اندو تا جبران متاع فروشش
بن گئے جو تاجر سامان فروش تھے انہوں نے
بہ پایہ سلطنت رسیدہ امارت امرائے
سلطنت قائم کر لی بڑے بڑے امیروں کی ماترین
کیا اور ریاست رُوسائے عالی مقدار برباد
اور رُسیوں کی ریاستیں خاک میں ملا دی گئیں
ان کی عزت اور اعتبار چھن گیا جو لوگ اہل ریاست
کردہ اندو عزت و اعتبار ایشاں بالکل بربودہ
سیاست تھے وہ گوشہ گمنامی میں بیٹھ گئے آخر
چوں اہل ریاست و سیاست در زاویہ
کچھ فہیروں اور مسکینوں نے کرمت بانڈھی ہے او
مخول نشستہ اند لاجا چندے از اہل فقر
ضعیفوں کی یہ جماعت محض رب العالمین کے دین
کی خدمت کے لیے اٹھی ہے یہ لوگ ہرگز ہرگز
اندر ہرگز ہرگز از دنیا داران جاہ طلبتند
دنیادار، جاہ طلب نہیں ہیں جب ہندوستان کا
میدان بریکانوں اور دشمنوں سے خالی ہو جائے
گا اور کمزور لوگوں کی کوشش کا تیر نشاۃ مراد
کو لوگ جائے گا تو آئندہ کے لیے ریاست و
سیاست کے منصب، طالبوں ہی کو مبارک
ہوں۔

غور فرمائیے کہ یہ دور سے آئے ہوئے بیگانے کون تھے جو تجارت کرتے کرتے حکومت کے مالک بن گئے؟ کیا یہ انگریز نہ تھے؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ۱۵۷۹ء میں جب طاس سفین

نامی ایک انگریز پہلے پہل برصغیر میں آیا اور اس نے یہاں کی زرخیزی، اشیائے صرف کی ارزانی اور دیگر حالات کا اپنے خطوط میں اس قدر دلکش انداز میں نقشہ کھینچا کہ اس کے انگریزوں کے اس اشتیاق کو اور بھی ہمیز لگ گئی، جو ان علاقوں میں تجارت کی وجہ سے پرتگیزیوں کی خوشحالی دیکھ کر نہیں بھی یہاں آنے کے لیے بے قرار کر رہا تھا، چنانچہ ۱۵۸۷ء میں برطانیہ کے بحری بیڑے نے سپین کے بحری جہازوں کو تباہ کر دیا اور اس سے انگریزوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے اور انہوں نے برصغیر میں تجارت کا عزم مصمم کر لیا۔ ۱۵۹۹ء میں لندن کے چند تاجر پیشہ لوگوں نے ملکہ الزبتھ سے برصغیر میں تجارت کے لیے اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ انہی تاجروں نے مل کر ۱۶۰۰ء میں ایک تجارتی کمپنی قائم کی، جس کا نام "ایسٹ انڈیا کمپنی" رکھا گیا۔ کمپنی نے ابتدا میں ملایا کی طرف توجہ کی مگر ولندیزیوں کی شدید مخالفت کے پیش نظر انہیں وہاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی، چنانچہ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ برصغیر پاک و ہند کے ساتھ تجارت کرنے کے لیے مبذول کر دی غرضیکہ یہ وہ تاریخی حقائق ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انگریز ابتداً برصغیر میں صرف تجارت کی غرض سے آئے تھے لہذا سید صاحب کا یہ فرمانا کہ "بیگانگان بعید الوطن ملک زمین و زمین گزیدہ اندو تاجران متاع فروش بہ پایہ سلطنت رسیدہ" ملاحظہ فرمائیے انگریزوں کی طرف اشارہ ہے سکھ نہ تو بعید الوطن تھے اور نہ تاجران متاع فروش۔

حضرت سید صاحب کے ایک مرید خاص اور تحریک کے شاعر جناب مومن کے ایک فارسی نقیہ قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ ان کے پڑھنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انگریزوں کے خلاف جہاد بھی پروگرام میں شامل تھا۔ مومن فرماتے ہیں۔

ایں عیسویاں بہ لب رسانند جان من و حباں آفرینش
گزار کہ پامثال گمردیم زان سیم سران آفرینش
تاچند بہ خواب ناز باشی فارغ ز فعان آفرینش
مومن شدہ ہم زبان معروفی از بہر امان آفرینش

"برخیز کہ شور کفہد بر خاست
اے فتنہ نشان آفرینش؛

حضرت شاہ عبدالعزیز کا فتویٰ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی
چونکہ وہ پہنے بزرگ ہیں جنہوں نے سب

سے پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو جہاد کی طرف توجہ دلائی تھی اس لیے ہم ذیل
میں آپ کے ایک فتویٰ کو بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے موقف کی زبردست تائید ہوتی ہے
شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے
یہاں تو عیسائی حکمرانوں کا حکم بلادِ غنغہ جاری ہے اور
انکا حکم جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ مکہ اری،
انتظام رعیت خراج، باج عشر و الکراری اموال
تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں کے انتظامات
مقتدات کے تصفیہ اور دیگر جرائم کی سزاؤں وغیرہ
کے نافذ کرنے میں یہ لوگ بطور خود حاکم ہیں و ستانیوں
کے ان کے متعلق کوئی دخل نہیں بیشک نماز جمعہ
عیدین، اذان اور گائے کے ذبح وغیرہ چند حکام
اسلام میں وہ رکاوٹ نہیں ڈالتے لیکن جو چیز ان
سب کی حجر اور آزادی کی بنیاد ہے وہ قطعاً
بے حقیقت اور پامال ہے چنانچہ بے تکلف مسجدوں
کو مسمار کر دیتے ہیں عوام کی شہری آزادی ختم ہو کر
رہ گئی ہے کوئی مسلمان یا ذمی ان کے پاسپور کے
بغیر اس شہر یا اس کے اطراف و جوانب میں نہیں آسکتا
عام مسافروں یا تاجروں کو شہر میں آمد و رفت کی اجازت
بھی شہری آزادی کی بنیاد پر نہیں بلکہ خود اپنے نفع کی
وجہ سے ہے اور اسکے برعکس نماز حضرات مثلاً

دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری
نہیں و حکم رساء نصاریٰ بے وغنغہ جاری
است و مراد از اجراء احکام کفرانست کہ
در مقدمہ ملک داری و بند و بست رعایا و اخذ
خراج و باج و عشر و اموال تجارت و سیاحت
قطاع الطریق و سراق و فیصل خصوصات و
سزائے جنایات، کفار بطور حاکم باشند آری
اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعہ، عیدین و
اذان و ذبح بقر، تعرض نہ کنند نہ کردہ باشند
لیکن اصل اصول این چیز ما نزد ایشان
بیاع و بدرست، زیرا کہ مساجد را بے
تکلف ہدم سے نامہند و بیچ مسلمان
یا ذمی بغیر استیذان ایشان دریں شہر
و در نواح نئے تو اند آمد و برائے منفعت
خود از دار دین و مسافریں و تاجرانے
منانید اعیان دیگر مثلاً شجاع الملک
و دلائی بیگم بغیر حکم ایشان دریں بلاد
داخل نئے تو اند شد و ازیں شہر تا

کلیتہ عمل نصاریٰ متمدست۔ آسے در
چنیپ و راست مثل حیدرآباد، لکھنؤ و
راپور احکام خود جاری نہ کردہ اند سبب
مصالحت و اطاعت مالکان آن...
... الخ
شجاع الملک اور ولایتی حکیم ان کی اجازت کے بغیر
ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ دہلی سے کلیتہ تک
اتہی کی عملداری ہے بے شک کچھ دہلی بائیں مثلاً
حیدرآباد، لکھنؤ، راپور میں چونکہ وہاں کے فرمانرواؤں
نے اطاعت قبول کر لی ہے اس لیے وہاں ان کے
احکام جاری نہیں ہیں۔

شاہ صاحب کے اس فتویٰ کا حاصل یہ ہے کہ اب جبکہ صورتِ حالات یہ ہے کہ قانون
سازی کے جملہ اختیارات عیسائی حکمرانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ مذہب کا احترام ختم کر دیا گیا ہے اور شہری
آزادیوں سے شہریوں کو محروم کر دیا گیا ہے تو مسلمانوں پر فرض ہو گیا ہے کہ وہ ان رؤساء نصاریٰ کے
خلاف اعلانِ جہاد کر دیں کیونکہ اس مذکورہ صورت کے پیش نظر ملک دار الحرب بن چکا ہے۔ اسی
طرح ایک دوسرے فتویٰ میں بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے مخالفین کے اعتراضات کا
جواب دیتے ہوئے ہندوستان کو دار الحرب ثابت کیا ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے شاہ
صاحب کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

امام عبدالعزیز نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ ہندوستان کے
جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضہ میں جا چکے ہیں، ان قطعات میں
اگرچہ برائے نام سلطانِ دہلی کا دخل مانا جاتا ہے، لیکن وہ سب کے سب
دار الحرب ہیں۔ امام عبدالعزیز کے نزدیک سلطانِ دہلی کی برائے نام
حکومت ملک کو دارالاسلام نہیں بنا سکتی، چنانچہ ہندوستان میں
مسلمانوں کی جو زبردست قوتیں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ یا تو یہاں
سے ہجرت کر جائیں یا دشمن سے لڑ کر اپنی نئی حکومت بنائیں ہر وہ شخص
جو دار الحرب میں رہتا ہو، اس کا یہ مذہبی فرض ہے دوسرے الفاظ میں اس
کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کا نظام دشمنوں کی غالب طاقت کا
متقابل کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض عام مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے ملت

اسلامیہ کا اس سے تغافل برتنا اور اس معاملہ میں کچھ نہ کرنا شریعت کی نظر میں حرام ہے۔ جب یہ حالت ہو تو مسلمانوں کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ دشمنوں کے غلبہ کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرے۔ اور پھر جیسے جیسے حالات پیش آتے رہیں اسی لحاظ سے اجتماعی نظام قائم کرتا رہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس فتویٰ اور حضرت سید صاحب حج کے اس مکتوب پر ایک بار پھر نظر کیجئے، جس میں فرماتے ہیں کہ "جب اسلامی بلاد پر غیر مسلم تسلط ہو جائیں تو عام مسلمانوں پر عموماً اور شاہ میر حکام پر خصوصاً واجب ہو جاتا ہے کہ ان غیر مسلموں کے خلاف متقابلہ و متفائدگی کی کوششیں اس وقت تک جاری و ساری رکھیں جب تک کہ ان علاقوں کو ان سے واپس نہیں لے لیا جاتا۔" تو اس سے جہاد کی بنیاد و اساس واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے اور جب عمل جہاد کی یہ واضح اساس پیش نظر ہو تو ذرہ بھر سوچو بوجھ رکھنے والا انسان بھی اس نتیجے پر باسانی پہنچ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے قبضہ سے صرف وہی علاقہ تو غیر مسلموں کے قبضہ میں نہیں گیا تھا جو سندھ اور ستلج کے درمیان تھا اور جس پر رنجیت سنگھ تسلط چلے ہوئے تھا؟ بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ وسیع اور سرسبز و شاداب علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھین چکے تھے جو کہ مشرقی طرف ستلج سے اراکان، مغربی طرف کاٹھیاواڑ اور گجرات اور جنوبی جانب راس کماری تک پھیلے ہوئے تھے تو پھر انہیں واپس لینے کے لیے جہاد کیوں نہیں؟ تمام دلائل سے قطع نظر اگر صرف یہی ایک نکتہ غور و فکر کی گرفت میں آ جائے تو انسان اس نتیجے پر بخوبی پہنچ سکتا ہے کہ حضرت امام صاحب اور سید صاحب کا جہاد کن کے خلاف تھا۔ لیکن ہم نے ان قیاسات پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ اپنے موقف کی تائید میں ٹھوس دلائل بھی ہم پہنچائے ہیں تاکہ مسئلہ زیر بحث بخوبی منصف و مہذب ہو جائے۔ بریلوی مکتب فکر کے مولانا احمد رضا خاں نے بھی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اپنے فتویٰ میں لکھا ہے کہ :-

امام الطائفة (امام محمد اسمعیل شہید مؤلف) نے ترغیب جہاد کے ضمن میں لکھا۔ ہندوستان دریں جزو زمان کہ ۲۳۳ھ تک ہزار دودھوسی

دسوم ست اکثرش دارالحرب گردیدہ ۱۰

اسی طرح مولانا شاہ احمد حسن صاحب کانپوری نے بھی لکھا ہے :-

۱۲۳۲ھ میں بسبب ضعفِ سلطنت کے ایک شخص نے کہ نام اس کا

سمعیل تھا، ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔

یہ دونوں بزرگ حضرت امام صاحب سے زبردست مخالفت رکھنے والے، بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امام صاحب کے نزدیک ہندوستان دارالحرب تھا جبکہ آپ کے نزدیک ہندوستان دارالحرب تھا تو پھر جہاد ایک مخصوص علاقہ میں کیوں؟

حضرت امام محمد اعلیٰ شہیدؒ جب اپنے پیرو مشد کی معیت میں ۱۲۳۹ھ

(۱۸۲۴ء) کو فریضہ حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن تشریف لائے،

دعوت جہاد

تو ان کے فرمان کے مطابق جہاد کے لیے دعوت و تنظیم میں مہتمم معروف ہو گئے۔ مولانا عبدالحی صاحب بھی سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے اور اس سلسلہ میں آپ کی خدات بھی قابل قدر ہیں ان کے طرفانی دوروں کا اندازہ لگائیے کہ شمال ۱۲۳۹ھ میں جب شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ہوئی تو یہ دونوں بزرگ دہلی میں تھے جناب امیر شاہ خان صاحب نے تو مولانا عبدالقیوم صاحب اور اپنے اُستاد میاں جی محمدی صاحب سے سُن کر مصراحت کی ہے کہ حج سے واپسی کے بعد دہلی میں چھ مہینے تک قیام رہا۔ اس عرصہ میں حضرت امام صاحب گلی کوچوں میں اور مولانا عبدالحی صاحب مسجدوں میں وعظ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ لیکن دورے کرتے کرتے ۱۲۴۰ھ تک

کانپور پہنچ گئے۔ حضرت امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جس سوز و ساز رومی اور تب و تابِ رازی سے نوازا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ تیچھے کیا جا چکا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ کی تقریر و تاثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھی۔ جس کی متعدد مثالیں ہم تیچھے ذکر کر آئے ہیں۔ اب جو آپ نے جہاد کے مسائل کو موضوعِ سخن بنایا تو اس سے بھی لوگوں نے خاطر خواہ اثر قبول کرتے ہوئے آپ کی آواز پر لبیک کہا بلکہ سرسید کے الفاظ میں "آپ کے صیقلِ تقریر سے مسلمانوں کا آئینہ باطنِ مصفا اور مجلہ ہو گیا اور اس طرح سے راہِ حق میں سرگرم عمل ہوئے کہ بے اختیار چاہنے لگے کہ سرانِ کار راہِ خدا میں قدا ہو اور جان اُن کی اعلائے واسطے دینِ محمدی میں صرف ہو۔"

اور یہ آپ کی ان مساعیٰ جمیلہ کا نتیجہ تھا جو آپ نے سوٹی ہوئی قوم کو چھینچھوڑنے بلکہ خواب
خبرگوش میں بدہوش قوم کو ہوش میں لانے کے سلسلہ میں انجام دیں اور یہ صرف آپ کی پونے دو سال
کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ قوم کی مردہ رگوں میں خون حیات گردش کرنے لگ گیا، وہ خون جو کہ
رضائے الہی کے حصول کے لیے میدان کارزار کو لالہ زار بنا کر حیاتِ جاوداں کے لیے بڑا ہی
بے قرار تڑپا ہے غرضیکہ انتہائی قبیل عرصہ میں غازیانِ صفت شکن اور مجاہدینِ کفن بردوش کی
ایک جماعت تیار ہو گئی، جو راہِ خدا میں اپنا تین، من، دھن نثار کرنے کے لیے ہر وقت تیار تھی۔
بڑے غور و فکر کے بعد صوبہ سرحد کو مرکز بنا کر، یہاں سے جہاد کا آغاز کیا گیا۔

جب بڑے غور و فکر کے بعد سرحد کو مرکز بنا لینے کا فیصلہ کر لیا گیا، تو حضرت
امام صاحبؒ، امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ اور دیگر رفعت کی معیت
میں ۱۲ جمادی الثانی ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) کو مقدس فریضہ جہاد کے ادا کرنے کی نیت
سے رائے بریلی سے سوئے سرحد روانہ ہو پڑے۔ روانگی کے وقت مجاہدینِ اسلام کی تعداد پانچ
سچ سو سے زیادہ نہ تھی کیوں کہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ فی الحال اسی تعداد پر اکتفا کیا جائے گا اور
سرحد میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد اگر ضرورت محسوس ہوئی تو باقی مجاہدین کو بھی بلا لیا جائیگا
قافلہ کی سرسری گرد پ بندی اگرچہ رائے بریلی سے روانگی سے قبل ہی کر لی گئی تھی مگر گوالیار
پہنچنے کے بعد باقاعدہ طور پر پانچ جماعتیں تشکیل دے دی گئیں جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔
۱۔ جماعتِ خاص :- یہ جماعت سفر و حضر میں قلبِ لشکر تھی اس کے امیر مولانا محمد
یوسف صاحب تھکتے تھے۔ سید صاحبؒ کی رفاقت کا شرف بھی اسی جماعت کو حاصل تھا
۲۔ مقدمہ الجیش :- یہ جماعت سب سے آگے ہوتی تھی۔ اس کے سرِ عسکر حضرت
امام صاحبؒ تھے۔

- ۳۔ میسرہ :- اس جماعت کو امیر سید محمد یعقوب صاحبؒ تھے۔ آپ کو جب فری
لاموں کے سلسلہ میں ٹونک میں چھوڑ دیا گیا تو شیخ بٹھن نے آپ کی نیابت کے فرائض انجام دیئے
- ۴۔ میمنہ :- اس جماعت کے امیر امجد خاں رئیس گندتھے۔
- ۵۔ ساقتہ الجیش :- یہ گروپ گاڑیوں اور چھکڑوں کے ساتھ رہتا تھا اور اس کے

امیر اللہ بخش خاں مورانوی نے بنائے گئے تھے۔

حضرت امام صاحبؒ، مقدمۃ الجیش کی قیادت کے علاوہ عام تنظیمی و تبلیغی امور کی کفالت اور بار برداری کے انتظام کے فرامین بھی انجام دیتے تھے بار برداری کے سلسلہ میں سید محمد یعقوب بھی آپ کے معاون تھے اس جماعت بندی کے بعد جو اصحاب شامل ہوتے انہیں امجد خاں کی جماعت میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ غازیان، راہ حق کا یہ مقدس گروہ اسلاف کی روایات کو زندہ اور حکایات کو تابندہ کرتے ہوئے۔ رائے بریلی سے بندھیل کھنڈ، گوالیار، ٹونک، اجمیر، صحرائے ماروار، عمرکوٹ، حیدرآباد، شکارپور، کوٹلہ، قندھار، غزنی اور کابل وغیرہ سے ہوتا ہوا، دس مہینے میں تین ہزار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد نومبر ۱۸۲۷ء کے اواخر میں پشاور پہنچ گیا۔ اس طویل سفر میں تپتے ہوئے بے آب و گیاہ صحرا بھی آئے اور بہت بڑے بڑے پتھر بھی، سنگلاخ گھاٹیوں کو بھی طے کرنا پڑا اور دشوار گزار، پرخطر اور خارزار وادیوں کو بھی، پھر قیامت نیز گرمی اور ٹھوک پیاس کی شدت سے پیٹ میں اٹھتے ہوئے قراقراس پرستزاد، ستواڑ سفر اور الٹروڈ بشیر مجاہد سواری سے محروم غرضیکہ راہِ عشق کے وہ کون سے امتحان تھے جنہوں نے قدم قدم پر ان کے دامن کو نہ تھا ماہو مگر یہ جانناز تھے کہ مستروں کی موجوں سے بے حال ہوتے ہوئے، گھر کی طاقتوں اور خاشاک غیر اللہ کو، تعداد کی قلت اور مانِ حرب کی کمی سے بے نیاز ہو کر زورِ حق سے پامال کرنے جا رہے تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائشیں بھی ان کے پایہ استقلال میں جنبش پیدا نہ کر سکی، اپنی دھن کے پکتے اور عزم کے سچے دیوانہ و متانہ وار سونے منزلِ رواں دواں رہے۔ چشمِ فلک ان کے جوشِ جنوں کو دیکھ کر حیران تھی، میدانِ جنگ ان کے قدموں کی آہٹ سے لرز اٹھا اور خود آلام و مصائب، عزم کے ان کوہِ گراں بہادروں کی ہیبت کے سامنے دم بخود تھے۔ گویا زبانِ حال کہہ رہی تھی سے

بڑھے جلو مجاہدو، تمہیں سے قوم کا ثبات ہے

شہید کی جو موت ہے، وہ قوم کی حیات ہے

ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ ان "عاشقانِ پاکِ طینت" کے سب سے بڑے دشمن اور منغصب انگریز

مورخ ڈبلیو، ڈبلیو منہٹر (w.w. HUNTER) نے درج ذیل الفاظ میں انہیں خراجِ تحسین

پیش کیا ہے۔

”وقت گزرتا گیا لیکن جب بھی وہ دیکھتے کہ ان کی تحریک تباہ مہر ہے تو وہ خاک سے جہاد کا علم بلند کر دیتے، وہ اپنی حفاظت سے بے نیاز تھے، ان کی زندگی داغوبل سے پاک تھی۔ ان کے سینے میں ایک شعلہ فروزاں تھا کہ انگریز کافروں کا تختہ الٹ دیا جائے اور جہاں تک روپیہ اور زر و ثروت فراہم کرنے کے لیے ایک متقل نظام قائم کرنے کا تعلق تھا وہ اس میں بڑے اہم تھے ٹینے کے خلیفہ اس فرقہ میں ایک نمونے کی شخصیت کے مالک تھے ان کی زیادہ تر تعلیمات اغلاط سے پاک تھیں انہوں نے ہزار ہا سموطنوں کو خدا تعالیٰ کے ایک بہتر تصور سے آشنا کیا اور انہیں ایک زیادہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر ابھارا۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک میرے تجربے کا تعلق ہے اس فرقے کے سب سے زیادہ روحانی اور کم از کم خود غرض نمونے کی نامزدگی صرف وہابی مبلغ ہی کر سکتا ہے ایک وہابی کے سامنے ایک چیز ہے او وہ یہ کہ دین محمدی کی تطہیر کا عظیم الشان کام سرانجام دیا جائے۔ اس راستے پر گامزن ہوتے ہوئے وہ نہ کسی سے ڈرتے اور نہ کسی پر رحم کر سکتا ہے۔ زندگی میں اس کا راستہ واضح اور بین ہے اور کسی قسم کی تہنیت یا سزا سے اس راستے سے ہٹانے پر مجبور نہیں کر سکتی ہے۔“

یہ لشکر اسلام نومبر ۱۸۲۶ء کے اواخر میں پشاور پہنچا تھا اور وہاں پرتین چار دن قیام کرنے کے بعد چار سہ روانہ ہو گیا اور ہر کھم

جنگِ اکوڑہ

بھی اپنے لشکر سمیت خیر آباد پہنچ چکا تھا مجاہدین اسلام چار سہ سہ سے ۱۸ دسمبر ۱۸۲۶ء (۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ) کو خوشی پھینچ گئے اور ۱۹ دسمبر کو نوشہرہ میں قدم رنج ہو گئے بدھ سنگھ اس وقت تک خیر آباد کو خیر باد کہہ کر اکوڑہ میں داخل ہو چکا تھا، جو کہ نوشہرہ سے جنوبی طرف سات آٹھ میل کی مسافت پر دیا گئے لڈے کے مغربی کنارے پر ہے۔ دشمن چونکہ بالکل قریب تھا اس لیے سید صاحب نے مجاہدین کو حکم دیا کہ تہیاد نہ آئیں، کھانے پینے سے جلد فراغت حاصل کر لیں اور چار چور چوکس رہیں۔ لشکر کے تعداد اس وقت سات سے دس ہزار کے درمیان تھی جب کہ

مجاہدین صفت ڈیڑھ ہزار تھے سبکدوشوں کے پاس ہر قسم کے اسلحہ کی فراوانی تھی اور ان کے پاس آٹھ توپیں بھی تھیں لیکن مجاہدین میں سے سب کے پاس بندوقیں بھی نہ تھیں۔ مجاہدین اور سبکدوشوں کے درمیان یہ پہلی معرکہ آرائی تھی لہذا ان مذکورہ حالات کو سامنے رکھ کر طریقہ جنگ کے متعلق مشورہ کیا گیا جسے غور و فکر کے بعد طے پایا کہ سبکدوش پر شب خون مارا جائے بعض روایات میں ہے کہ سید صاحبؒ اس سے قبل ہی دربارِ لاسر کو درج ذیل اعلام نامہ بھیج چکے تھے، جسے حضرت امام صاحبؒ نے تحریر فرمایا تھا:۔

یا تو تم اسلام قبول کرو۔ اس وقت ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور ہم بجائے جنگ و جدال کے، ہر طرح تمہاری اعانت کریں گے کسی کو جبراً اسلام میں داخل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ اگر تم کو بخوشی اسلام قبول کرنا منظور نہ ہو تو دوسری شرط یہ ہے کہ تم اپنے وطن و مذہب پر قائم رہ کر ہماری اطاعت اختیار کر کے جزیرہ دنیا قبول کرو اس حالت میں بھی جب تک تم مطیع رہو گے ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت مثل اپنے جان و مال کے کریں گے اور اگر یہ دونوں امر مذکورہ بالا تم کو منظور نہ ہوں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، اور یہ بھی یاد رکھو کہ گو ہم اس وقت تعداد میں تھوڑے ہیں مگر ملک یا عساکر اور سارا ہندوستان راہِ خدا میں جان دینے کو تیار ہے اور ہم لوگ موتِ شہادت کو ایسا دوست رکھتے ہیں جیسا کہ تم شراب کو۔

جب قاصد نے دربارِ رنجیت سنگھ میں پہنچ کر یہ نامہ دیا تو اس کے ساتھ نہایت توہین آمیز سلوک کیا گیا۔ رنجیت سنگھ نے نہایت بڑولی کا منظرہ کر کے ہٹے قاصد کی ٹپائی کرائی اور پھر چلے دے دے کر دربار سے نکلوا دیا اور نامہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ قاصد نے واپس پہنچ کر سید صاحبؒ کی خدمت میں تمام ماجرا کہہ سنایا سید صاحبؒ فرماتے لگے ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اب ہم روزِ محشر خدا تعالیٰ کے ہاں مسئولیت سے بچ جائیں گے۔

بہر کیف شیخون کا فیصلہ کرنے کے بعد تمام جماعتوں کے سپہ سالاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی

انہی جماعت میں سے نہایت بہادر، مستعد اور چوکس جوانوں کی فہرست تیار کریں تاکہ اسے سامنے رکھ کر شہزادوں کے لیے مناسب لشکر ترتیب دیا جاسکے۔ سپہ سالاروں نے ارشاد کی تعمیل کی اور سید صاحب نے نوسور، غنا، کرٹیل اور جیلے جوانوں کو منتخب فرمایا۔ حضرت امام صاحب کا اس فوج کی کمان کرنے کا ارادہ تھا مگر سید صاحب نے اللہ بخش مورافوی کے ذمہ یہ کام سپرد کر دیا اور حضرت امام صاحب کو ایک چاق و چوبند دستہ دے کر دریائے لندہ کے کنارے پر متعین کر دیا تاکہ بوقت ضرورت ملک کے میدان میں پہنچ جائیں یا اگر سکھ فرادہ ہو کر اس طرف سے گزریں تو انہیں تہ تیغ کر دیا جائے۔

مجاہدین نے نصف شب کے قریب دریائے لندہ کے مغربی کنارے سے منزل مقصود کی طرف روانگی شروع کی۔ روانگی سے قبل ہر ایک نے ایک دوسرے سے کہا سنا معاف کر لیا۔ سید صاحب کے حکم کے مطابق روانگی سے پہلے ہر ایک مجاہد نے گیارہ گیارہ مرتبہ سورہ قریش تلاوت کر کے اپنے اوپر دم بھی کیا۔ سکھ لشکر نے اکوڑہ سے باہر کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور اتنا مجاہدین میں سے ایک کو لشکر گاہ کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے بھیج دیا گیا، جب وہ واپس آیا تو اس کی آواز میں مجاہدین نے پیش قدمی کی اور قلیل سی مدت میں لشکر کے اس حقے تک پہنچ گئے، جہاں اکثر سکھ خواب خرگوش میں مدہوش پڑے تھے۔

سکھ لشکر کے گھڑیاں نے جب تین بجے الارم بجایا، مجاہدین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سکھ لشکر گاہ میں گھس گئے اور ایک ایک مجاہد نے اپنی شمشیر برائے کی ضرب بے نہار سے آٹھ آٹھ دس دس سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عبدالحمید آفریدی نے چودہ سکھوں کو دھم جہنم کیا پھر ان کی تلوار ٹوٹ گئی جب مولانا امیر الدین ولایتی کو معلوم ہوا کہ ان کی تلوار ٹوٹ گئی ہے تو انہوں نے فوراً انہیں ایک تلوار دے دی کیونکہ ان کے پاس اس وقت دو تلواں تھیں۔ خاں صاحب نے اس کے ساتھ بھی کئی اور سکھوں کو موت کی نیند سلا دیا اور آخر کار خود بھی جام شہادت نوش فرمائے۔ اسی طرح ایک اور غازی ہدایت اللہ نے بچھی کے ساتھ سات سکھوں کو خاک و خون میں تڑپنے پر مجبور کر دیا علی ہذا القیاس دیگر تمام غازیان صف شکن نے بھی شجاعوں اور بہانوں کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ اکوڑہ کی یہ جنگ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ (مطابق ۲۰ دسمبر ۱۸۲۶ء) چہار شنبہ اور پنجشنبہ کی درمیان شب

ڑھی گئی اور سوچار پنجے سے پھینچے صبح تک جاری رہی۔ اس جنگ میں بعض غازیوں کے جو شہس
شجاعت میں شیخوں کے حدود سے تجاوز کرنے کی وجہ سے نقصان بھی ہوا۔ چھتیس ہندوستانی اور
چھیالیس قندھاری غازی جام شہادت نوش فرما گئے۔ سکھوں کا نقصان اس سے کئی گنا زیادہ تھا۔
کم از کم سات سو سکھ میدان جنگ میں کام آئے اور جو زخمی ہوئے وہ اس سے کہیں زیادہ تھے۔
سکھوں پر مجاہدین کی جاننا بازی و جو انروہ کی دھاک مٹھی گئی اور وہ بے ساختہ اعتراف کر رہے تھے
کہ "سکھوں میں جنہیں مقاتلان دیدہ و شنیدہ نہ شد" یعنی ایسے جو انروہ کہیں دیکھے اور نہ سنے۔
اہل سرحد پر بھی اس جنگ کا خوشگوار اثر پڑا وہ مجاہدین کی بہادری سے بے پناہ متاثر ہوئے اور
مختلف جماعتوں اور تافلنوں کی شکل میں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت جہاد کر کے
پرچم اسلام کے نیچے جمع ہوئے گئے۔

جنگ اکوڑہ میں شیخون بڑا کامیاب رہا تھا لیکن یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس جنگ
میں مجاہدین کا جو نقصان ہوا وہ زیادہ تر اہل سرحد کی وجہ سے تھا کہ انہوں نے اصل کام چھوڑ کر
سااں سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے یورش کی شدت میں کافی کمی واقع ہو گئی تھی۔

بیعت امامت جہاد | سرحد پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ نظم و جمعیت
سے بالکل ناواقف ہیں اور مجاہدین کا ساتھ جہاد کے بند

مقاصد کے پیش نظر نہیں بلکہ حصول مال و زر کے سبب سے دیتے ہیں جیسا کہ جنگ اکوڑہ میں اس
کا تجربہ ہوا۔ نظم و جمعیت کے فقدان کے علاوہ وہاں کے خزانین و رؤسا آپس میں ایک دوسرے کے
ساتھ رقابتیں بھی رکھتے تھے۔ ان حالات میں ایک بلند نصب العین کی تکمیل ناممکن تھی اس لیے حضرت
امام صاحب نے سرحد پہنچنے کے بعد وہاں کے علما اور خزانین کے ساتھ گفتگو کی اور انہیں ایک کڑی
نظام کی اہمیت کا قائل کر لیا اور انہیں سمجھایا کہ جب تک ہم ایک پرچم کے نیچے جمع نہیں ہو جاتے
اس وقت تک کامیابی ناممکن ہے، چنانچہ سرحد کے رؤسا اس بات پر متفق ہو گئے کہ جہاد کے
لیے ایک امام یا امیر کا انتخاب ضروری ہے اور اس منصب جلیل کے لائق صرف حضرت سید احمد
کی ذات گرامی ہے، چنانچہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۷ھ (۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء) کو جمعرات کے دن
نہد کے تالاب کے کنارے "سادات کرام، علما و عظام، شایخ ذوی الاحترام، ارلے عالی مقام و

سائبر خواص و عوام نے سید صاحبؒ کے دستِ حق پرست پر جمعیتِ امامتِ جہاد کی۔ اسن کا میا بی کا تمام تر سہرا حضرت امام محمد مہدیینؑ کے سر ہے۔

جنگِ شدید

شید و صوبہ سرحد کا ایک مشہور گاؤں، اکوڑہ سے قریباً چار میل جنوب کی طرف واقع ہے۔ مجاہدین نے سکھوں کے خلاف یہاں

جولڑائی لڑی وہ جنگِ شدید کے نام سے معروف ہے یہ جنگ تحریکِ جہاد کے سلسلہ میں نہایت اہم تھی اس کی وجہ سے تحریک پر بڑے گہرے اثرات مرتب ہوئے لیکن ہم جنگ کی تمام جزئیات کی تفصیل بیان نہیں کریں گے کیونکہ ہمارا مقصود تو صرف ان امور کو ذکر کرنا ہے، جن کا تعلق براہِ راست حضرت امام صاحبؒ سے ہے۔ اس جنگ میں پشاور کے سرداروں نے مجاہدین سے غلامی کی اور یار محمد خاں نے حضرت سید صاحبؒ کے کھانے میں زہر ملا دیا کیونکہ وہ خفیہ طور پر سکھوں سے ساز باز کر چکا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے فوج کو میدانِ جنگ میں ایسے مقام پر کھڑا کیا تھا جہاں سے وہ آسانی کے ساتھ راہ فرار اختیار کر سکتا تھا چنانچہ اس نے لڑائی میں بھی کوئی حصہ نہ لیا۔ جب مجاہدین نے شجاعت کے جوہر دکھانا شروع کیے اور سکھوں کے پچھلے پھوٹنے لگے اور ان کی جمعیت منتشر ہونے لگی تو اس بیدرد نے راہ فرار اختیار کی بلکہ سازش کے تحت کئی آدمیوں نے اس کے فرار کو شہرت دینا شروع کر دی جس کی وجہ سے تمام لشکرِ اسلام بے چینی، بے تزیبی اور پریشانی کا شکار ہو گیا چنانچہ ایک روایت کے مطابق اس جنگ میں چھ ہزار غازیانِ حزبِ الہی نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

جس رات یار محمد خاں نے حضرت سید صاحبؒ کے کھانے میں زہر کی آمیزش کی آپ کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی اور بار بار غشی کے دورے پڑنے لگے تھے جب رات کو لڑائی کے لیے تیار ہو جانے کا نفاذ ہوا تو حضرت امام صاحبؒ آپ کے خیمہ میں تشریف لائے تو آپ کو بے ہوش پایا۔ امام صاحبؒ نے آپ کی حفاظت کا بندوبست کیا، ہاتھی پر سوار کیا، ساتھ ہودے میں خود بھی بیٹھ گئے اور میدانِ جنگ سے دورے جانے کے لیے چل پڑے سید صاحبؒ پر بدستور غشی کے سلسلے دورے پڑنے لگے تھے۔ امام صاحبؒ کو آپ کے بچانے کا فکر بڑی شدت سے دامن گیر تھا۔ چنانچہ آپ کے انہماک کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جمعیتِ مہادوت نے آپ

کو درانیوں اور اہلِ سمہ کے فرار کی وجہ سے مسلمانوں کی شکست کی خبر دی تو آپؐ حیرانی کے عالم میں فرمانے لگے۔ "چرمی گوئی؟ مسلمانانِ فتح یاب اند" (تو کیا کہتا ہے؟ مسلمان تو کامیاب ہیں) جب اس نے درانیوں اور اہلِ سمہ کے فرار ہونے کے متعلق بتایا تو امام صاحبؒ پر پہلی مرتبہ حقیقت حال نکتست ہوئی۔

سید صاحبؒ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھے سارے لشکرِ اسلام میں صرف ایک ہی ہاتھی تھا جس پر اب سید صاحبؒ اور امام صاحبؒ سوار تھے سکھوں نے اس ہاتھی کے تعاقب کا خاص اہتمام کیا اور یہ شاید یار محمد خاں کی مجبزی کی وجہ سے تھا۔ امام صاحبؒ نے سکھوں کے ارادوں کو بھانپ لیا اور انہوں نے سید صاحبؒ کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور خود ہاتھی پر ہی سوار رہے اس سے مقصود یہ تھا کہ سکھ بھجیں گے کہ ہاتھی پر سید صاحبؒ ہی سوار ہیں حالانکہ وہ اس اثناء میں خطرے سے دور نکل جائیں گے چنانچہ جب سید صاحبؒ دور چلے گئے تو امام صاحبؒ ہاتھی سے اتر پڑے اور قریب کے غازیوں کو ساتھ لے کر پشاور کی طرف پیدل چل پڑے۔

حضرت امام صاحبؒ کی یہ جانبازی و جان نثاری آپ کے اعمالِ صالحہ میں سے ایک عملِ عظیم ہے اور آپ کی شانِ ایتار کی ایک بہترین مثال! جزا لا اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزا۔

ہزارہ میں تنظیمی گرمیاں

جہاڑین کی قدوسی جماعت جب ہزارہ پہنچی تو ان دنوں یہاں کی سیاسی صورتِ حال نہایت

ناگفتہ تھی۔ خوانین ہزارہ باہمی اختلاف و انتشار اور سر پھٹول کا شکار تھے۔ نانک رائے کے رئیس ہاشم خاں نے جب کمال خاں کو اپنی تلوار کا نشانہ بنایا تو محمد خاں ترین نے کمال خاں کے وارثوں کی نفرت و حمایت شروع کر دی، ہاشم خاں کو مجبوراً اپنی مدد کے لیے راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ کو صدا دینا پڑی وہ فوراً پانچھ سو سوار لے کر ہزارہ آ گیا۔ بس اس سے ہزارہ میں سکھوں کا تصرف اور تسلط شروع ہو گیا اور ہزارہ کے افق پر تیس بیستیس سال تک ظلم و استبداد کے بادل چھائے رہے اور سر زمین ہزارہ خونِ ناحق سے لالہ زار بنتی رہی۔ اس وقت ہزارہ میں سکھوں کی طرف سے درندگی اور ہیبت کے مظاہرہ کی تفصیل مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ

تھے وہ حالات جب فرشتوں اور قدوسیوں کی طرح نیک اور مہربان مجاہدین اسلام حضرت سید احمدؒ اور حضرت امام صاحبؒ کی راہنمائی میں مشعل نور بن کر ہزارہ پہنچے اور ان کی بدولت صوبہ سرحد کی یاس انگیز شب و بجور میں امید کا پسیدہ سحر منو دار ہونے لگا تو ہزارہ کے تمام تباہ حال رڈو سا اور خوانین نے رابطہ قائم کر کے مجاہدین کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینا شروع کی۔ یہ سرداران ہزارہ باہمی آویزش کی وجہ سے تباہ ہوئے تھے ورنہ صرف انہی کو متحد اور منظم کر کے ہزارہ میں ایک مضبوط ترین محاذ قائم ہو سکتا تھا اور دوسری طرف کشمیر کی طرف بھی پیش قدمی کی جاسکتی تھی۔ والٹی پترال سلیمان شاہ نے بھی سید صاحب کی خدمت میں پیغام بھیجا تھا کہ اگر آپ کشمیر کا رخ کریں تو میں بھی اپنی فوج کے ساتھ آپ کی مدد کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ ان مقاصد کے پیش نظر سید صاحبؒ کچھلی (ہزارہ) کی جانب جہاد کے انتظام کے امکانات سے فائدہ اٹھانے کے لیے فوراً تیار ہو گئے۔ کچھلی کی طرف مجاہدین کو روانہ کرنے کی تجویز جب نچتہ ہو گئی تو سید صاحبؒ نے حضرت امام صاحبؒ کی قیادت میں ڈیڑھ سو غازیوں پر مشتمل ایک لشکر ترتیب دے کر روانہ فرمایا۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹیؒ اور ملا شاہ سید چٹیل سنگھی بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ سید محمد مقیمؒ اور ملا شاہ سید اس مہم میں حضرت امام صاحبؒ کے نائب بنا دیئے گئے تھے۔ فتح محمد خاں پنجتاری بھی اس لشکر میں شامل تھے تاکہ راستہ میں راہنمائی کے فرائض سرانجام دیتے جائیں۔ حضرت امام صاحبؒ نے پنجتار سے نکلنے کے بعد پہلی رات ٹوپی اور دوسری کھبل میں بسر فرمائی وہاں سے مجاہدین کو امب روانہ فرما دیا اور آپ ملا شاہ سیدؒ اور دیگر رفقاء کی معیت میں سخاۃ تشریف لے گئے۔ دالین سخاۃ سید اعظم شاہ اور سید اکبر شاہ نے اہلبا پرچوش خیر مقدم کیا۔ وہاں کافی لوگ جمع ہو گئے تھے حضرت امام صاحبؒ نے ان کے سامنے جہاد کے عنوان پر ولولہ انگیز خطاب فرمایا اور سید صاحبؒ کی طرف سے بیعت لی۔ آپ نے ان سے امب چلنے کے لیے کہا مگر انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ فی الحال مشکل ہے پھر جب آپ بلائیں گے تو حاضر ہونے میں کوئی عذر پیش نہیں کریں گے۔ البتہ اخوندزادہ اسماعیل آپ کے ساتھ ہو گئے اور آپ کا اشارہ بھی زیادہ تر انہی کی طرف تھا۔ سید اکبر شاہ نے آپ کو روسا کچھلی کے متعلق خلوت میں بتایا کہ ان میں سے عنایت اللہ خاں (خانِ خیل) کمال خاں (اگر درمی) عبدالغفور

نہاں (گردوی) اور ناصر ناں^{۳۲} (بھٹ گرامی) کے سوا اکثر و بیشتر نفاق پیشہ معلوم ہوتے ہیں لہذا ان پر اعتماد کرتے ہوئے قدم پھینک پھینک کر رکھنا ہوگا۔

حضرت امام صاحبؒ ستمانہ سے فارغ ہوئے تو رات کو امب تشریف لے گئے۔ سردار پابندہ خاں نے بستی سے باہر آ کر خوش آمدید کہا اور اپنی رہائش سے دور مجاہدین کے لیے اقامت گاہ متعین کر دی۔ پنجتار میں سید صاحبؒ کے سامنے ہی برٹے کر لیا گیا تھا کہ پابندہ کی رفاقت میں دریا کی مشرقی جانب سے پیشیا قدمی کر کے سکھوں کے خلاف جنگ کا آغاز کر دیا جائے گا لیکن حضرت امام صاحبؒ نے جب یہاں امب میں پابندہ خاں سے گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ وہ ساتھ دینے پر آمادہ نہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے ارادہ کو نہ بدلا۔ یہاں سے منزل مقصود اٹھ میل کی مسافت پر تھی اگر آپ امب ہی سے دریا عبور کرتے تو دشمن سے محاربت کا امکان تھا لیکن آپ جنگ کے آغاز سے قبل مخلص مسلمانوں کی تنظیم از بس ضروری سمجھتے تھے لہذا آپ نے امب سے تین میل کے فاصلے پر واقع چھتر بائی کے گھاٹ کا رخ کر لیا اور قبل اندر اونگی اوتمان زئی، امان زئی، جدون اور سیح بہار کی طرف اپنے خطوط اور سید صاحبؒ کی طرف سے مہری اعلام نامے دے کر داعی روانہ فرما دیئے۔

بھتر بائی میں صرف ایک بھوٹی کشتی تھی جس سے مجہد مجاہدین دن بھر میں دریا عبور نہیں کر سکتے تھے اور مصلحت کے پیش نظر یہ حضرت امام صاحبؒ

عبور دریا

کو پسند نہ تھا کہ رات کو نصف مجاہدین دریا کے اس طرف اور نصف اس طرف ہوں اس لیے مجاہدین کی ایک جماعت کو اپنے چھتر بائی کے ایک دوسرے بالائی گھاٹ کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ وہاں سے دریا عبور کریں کیوں کہ اس گھاٹ پر دو کشتیاں تھیں جیناچھ دو نوں جاہتوں نے رات ساحل دریا پر لیسر کرنے کے بعد بوقت صبح دریا کو عبور کیا اور راستہ بروٹی، نکاپانی پہنچ گئے یہاں سے بھی حضرت امام صاحبؒ نے گرد و نواح میں جہاد کے دعوت نامے ارسال فرمائے مختلف علمائے حاضر ہو کر سانت اٹھ سو آدمیوں کی پیشکش کی مگر آپ نے فرمایا کہ ابھی ضرورت نہیں جب ضرورت محسوس ہوئی انہیں بلا لیں گے البتہ مجاہدین کی تیاری میں فرق نہیں آنا چاہیے مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ نے حضرت امام صاحبؒ کی عسکری صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :-

مولانا کی دقیقہ سنجی اور امعانِ نظر کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے ایک ایک چیز اور ایک ایک معلومت پر گہری نظر تھی چونکہ راستہ سن گلاخ پہاڑیوں میں سے تھا اور میدانی علاقے کے باشندے اسے برا سانی طے نہیں کر سکتے تھے، اس لیے سید صاحبؒ کی خدمت میں عرضیہ بھیجا کہ اس طرف صرف آزمودہ کار غازی بھیجے جائیں جو طلی مسافت میں ہر قسم کی مشقتیں ضبط و صبر کے ساتھ برداشت کر سکیں، سواری کے عادی یا محتاج نہ ہوں اور انہیں امام کی نسبت انقیاد و کفلی اور اذعانِ جبلی کا مرتبہ حاصل ہو۔ ساتھ ہی گزارش کی کہ غازیوں کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک ایک، دو دو، تین تین روز کے وقفے سے بھیجا جائے اس میں کئی مصلحتیں تھیں مثلاً چھوٹی جماعتوں کے لیے دریا پار اتنا آسان تھا کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرنے میں وقت پیش نہیں آسکتی تھی تھوڑے تھوڑے وقفے سے جیش آتے رہتے تو عام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب ملتی اور ان پر یہ اثر پڑتا کہ تیجھے بہت بڑا شکر ہو گا جو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر آ رہا ہے، اس لیے حوصلہ مندی سے ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے دشمن ہر دوسرے تیسرے روز لشکروں کی آمد کا ذکر سنتے رہتے تو ان پر وحشت اور ہیبت طاری ہوتی ہے۔"

شیر گڑھ میں اگرچہ جانو نام نے جو کہ پانیدہ خاں کا جمدار تھا مجاہدین کی تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تاہم وہاں زیادہ عرصہ تک قیام کرنا قرینِ معلومت نہیں تھا اس لیے حضرت امام صاحبؒ نے رئیس اگر در عبد الغفور خاں کو اپنی آمد کی اطلاع دی اور اگر در کی طرف روانہ ہو گئے عبد الغفور اپنی علاقتِ طبع کے سبب خود تو نہ آسکا البتہ اس نے اپنے بھائی کمال خاں کو استقبال کے لیے بھیج دیا آپ نے رات کلکٹی میں بسر کی اور اگلے روز عبد الغفور خاں کی اقامت گاہ پر قدم رنجہ فرمایا اسی مقام پر ارسلان خاں، احمد خاں کھیل والا اور حمید شاہ وغیرہ خوانین نے حضرت امام صاحبؒ کی زیارت کی اور آپ کے دست مبارک پر حضرت سید صاحبؒ کی امامت کی بیعت کی۔ اس کے

بعد آپ نے گڑھی شمدڑہ کو دگر گڑھیوں کی نسبت زیادہ مناسب خیال کرتے ہوئے، غازیوں کے قیام کے لیے تجویز فرمادیا۔ اور وہاں سے کلکتی روانہ ہو گئے اور کمال خاں کے دفتر لکایا کہ وہ کلکتی پہنچ کر غازیوں کو شمدڑہ پہنچا دے۔ اور بلاشہ سید کو ان قبائل میں جہاد کی تبلیغ کے لیے بھیج دیا۔ اخوند زاوہ ملا سمٹیل کو بھی قبل ازیں آپ نے اطراف میں ترغیب جہاد کے لیے بھیجا ہوا تھا انہوں نے پیغام بھیجا کہ جب تک اور شکر نہیں آئے گا یہاں کے لوگ جہاد میں شرکت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ پھر قریباً اسی مفہوم کے خطوط سید محمد نصیر، ناصر خاں اور سید محمد علی شاہ کی طرف سے موصول ہوئے۔ حضرت امام صاحب نے دوبارہ عبدالغفور خاں، احمد خاں، سید حمید شاہ اور ارسلان خاں وغیرہ رؤساء سے گفتگو کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ سب گفتار کے غازی ہیں اور ان کے دل ایمانی غیرت و حمیت اور اخلاص و وفا سے کمیر خالی ہیں۔

ایک اور پریشانی

آپ کلکتی واپس تشریف لائے تو ایک اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ مجاہدین کے خزانچے کے پاس روپے اور اشرفیاں تھیں، روپے ختم ہو گئے اور اشرفیاں استعمال میں لانے کا موقعہ آیا تو اہل اگر در نے اشرفیوں کے عوض غلہ دینے سے انکار کر دیا کیوں کہ انہیں ان کے زرخ کا علم نہیں تھا اور وہ اس وقت تک غلہ ادھار دینے کے لیے بھی آمادہ نہ تھے جب تک رؤساء میں سے کوئی انہیں اشارہ نہ کر دیتا ادھر انہوں نے یہ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہا کہ اگر مجاہدین حبیب اللہ خاں کی حمایت پر آمادہ ہیں تو انہیں ہر سہولت مہم پہنچائی جاسکتی ہے ورنہ نہیں لیکن حضرت امام صاحب مجاہدین اسلام کو صرف حبیب اللہ خاں کے لیے استعمال ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے اس تکلیف کی وجہ سے اکثر مجاہدین پریشان ہو گئے اور بعض نے واپس جانے کا مشورہ دیا سید محمد تقیم نے یہ رائے دی کہ فوراً جنگ شروع کر دینی چاہیے لیکن حضرت امام صاحب نے حکم اور حُسن تدبیر کے دامن کو اس نازک موقع پر بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور خواجہ محمد حسن پوری کو اشرفیاں دے کر سر بلند خاں کے پاس بھیج دیا تاکہ ان کی وساطت سے ان کے عوض روپے حاصل کر سکیں۔

ادھر ارسلان خاں ایک جماعت کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی امداد کے لیے جا رہا تھا۔

اس نے کہا کہ اگر آپ میں سے بھی کسی کو جہاد اور ایک مظلوم مسلمان کی مدد کا شوق ہے تو وہ بھی تیار ہو جائے، اس کے زوارہ اور دیگر اخراجات کا ذمہ میں تینا ہوں۔ سید محمد مقیم اور کئی لوگوں نے اجازت طلب کی اگرچہ انہیں اجازت دینا خلاف مصلحت تھا لیکن سید صاحب نے ان کی دلداری کی تاکید کی ہوئی تھی اس لیے امام صاحب نے انہیں اجازت دے دی۔ چالیس غازی آپ کے پاس رہ گئے اور باقی سب ارسلان کے ساتھ چلے گئے۔ آپ اپنے پاس رہنے والے غازیوں کو لے کر ارسلان خاں کی اقامت گاہ، جسی کوٹ تشریف لے گئے۔ اب آپ نے اخوندزادہ محمد امین، ملا شاہ سید اور چند دیگر غازیوں کو ساتھ لے کر سر بلند خاں تنولی سے ملاقات کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے اس کے پاس دو دن قیام فرمایا اور گفتگو کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ سر بلند خاں کا اصل مقصد پائندہ خاں تنولی پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور بس، اگر مجاہدین کو سکھوں کے مقابلہ میں فتح و نصرت حاصل ہو تو یہ لوگ ساتھ دیں گے ورنہ نہیں۔ البتہ محمد علی شاہ کے ساتھ دینے کی صورت میں یہ بھی تعاون پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ سر بلند خاں اور پائندہ خاں میں کئی نسوں سے باہمی عداوت تھی اس لیے سر بلند خاں کا اصل مقصد اپنے دشمن کا خاتمہ تھا لیکن حضرت امام صاحب کی تمنا یہ تھی کہ سکھوں کے مقابلہ میں تمام مسلمان شہستان محبت میں حریر و پرنیال ہو جائیں۔ آپ نے صورت حال سے حضرت سید صاحب کو مطلع کرتے ہوئے لکھا:۔

۱۔ دریاٹے سدھ کے دونوں کناروں پر پائندہ خاں کی حکومت ہے گھاٹ اس کے قبضہ میں ہیں اگر وہ اس کے تابع ہے اگر اس سے رشتہ منقطع کر لیا جائے تو غازیوں کے لیے آمد و رفت میں مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۲۔ پائندہ خاں تمام خوانین ہزارہ سے شہمت و شوکت میں بڑھا ہوا ہے۔ اسے مخالف بنا کر بعض دوسرے خوانین کی موافقت حاصل کرنا بالکل غلط ہوگا۔

۳۔ پائندہ خاں، حبیب اللہ خاں اور خوانین اگر دور کے درمیان رشتہ اتحاد قائم ہے اور ہمارے غازی حبیب اللہ کی امداد کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو علم ہو جائے کہ ہمارے اور پائندہ خاں کے درمیان رابطہ اتحاد منقطع ہو چکا ہے تو غازیوں کو مفرت پہنچانے کے درپے ہو جائیں یا کم از کم ان کی موافقت سے کنارہ کشی اختیار کر لیں۔

۴۔ زبردست خاں حوالی کشمیر کے بڑے رؤسائیں سے ہے وہ حبیب اللہ خاں کا قدیمی دوست ہے ممکن ہے حبیب اللہ خاں کے ذریعے سے زبردست خاں کے ساتھ رابطہ و مضبوط پیدا ہو جائے۔

ان مذکورہ وجوہ کے پیش نظر پانڈیہ خاں سے تعلقات منقطع کرنا غیر مناسب اور مصلحت کے خلاف تھا۔ اس لیے حضرت امام صاحب نے اسے پسند نہ فرمایا۔

خوانین ہزارہ میں سے آپ سسر بلند خاں، سعادت خاں، احمد شاہ خاں احمد خاں ہاشمی خاں وغیرہ سے ملے البتہ ناصر خاں، حسن علی خاں اور محمد علی شاہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن تمام کے متعلق آپ کا تاثر وہی تھا جو ہم قبل از یہ ذکر کر آئے ہیں۔ کہ اگر مجاہدین کو سکھوں کے مقابلے میں فتح و نصرت ہو تو یہ بھی ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ورنہ نہیں۔ آخر کار آپ "جو یاں ستور" (ضلع ٹیکری) میں فروکش ہوئے سر بلند خاں نے خط لکھ کر ناصر خاں اور سید محمد علی شاہ کی طرف ارسال فرمایا۔ اپنی طرف سے بھی ایک غازی کے ہاتھ انہیں اور ان کے اعزہ و اقارب کو خطوط بھیجے۔ ملا عصمت اللہ کو دیشی قوم اور ایک شخص کو سادات کوئی کی طرف بھی بھیجا فرماتے ہیں۔

”اگرچہ خدا کے فضل سے حصول مقصود کی اُمید ہے لیکن ان اضلاع میں شکر بیچنے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ یہ قدم وقت سے پہلے اٹھا لیا گیا بہتر یہ تھا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر آتا۔ تمام دیہات میں پھیر پھیر کر چہرا اور سرا دعوت جہاد دیتا۔ جب رؤسائیں ہو جاتے تو لشکر کی جگہ متعین کر کے غازیوں کو یہاں بلاتا۔ یا یہ مناسب تھا کہ زبردست لشکر بھیج کر تمام خوانین و رؤسائیں کو موافقت سے قطع نظر کرتے ہوئے سکھوں سے جنگ کی جاتی۔ خیر جو کچھ واقع ہوا، اسی کو باعث خیر سمجھنا چاہیے۔ اگر سید محمد تقیم کامیاب واپس آئے تو اُمید ہے کہ حصول مقصد کی صورت جلد پیدا ہو جائے گی ورنہ کچھ دیر لگے گی، اس موقع پر واپس آنا بھی مضر ہے اور تامل و تدبیر کے بغیر کام میں

باتھ ڈالنا خلافِ مصلحت ہے ۔

معرکہ ڈمگلہ

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اکثر و بیشتر مجاہدین ارسلان خاں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کے بیٹے کو رکھوں کے محاصرہ سے نجات دلانے کے لیے روانہ ہو گئے تھے اور حضرت امام صاحبؒ کے پاس صرف چالیس مجاہد رہ گئے تھے۔ آپ چند رنقاء کی معیت میں "جوریاں ستور" (ٹیکری) میں تشریف لے گئے اور عبداللہ خاں کو امیر مقرر کر گئے۔ اسی دوران غازیوں کے ڈمگلہ پر حملہ کرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔ اس لیے ہزارہ کے حکمران ہری سنگھ نے پھول سنگھ کی قیادت میں تین ہزار آدمیوں کو مجاہدین کے مقابلہ کے لیے بھیج دیا۔ پھر مزید تین ہزار آدمی پھول سنگھ کی مدد کے لیے بھیج دیے حضرت امام صاحبؒ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو آپ نے بھی رکھوں کو سبق سکھانے کا عزم صمیم کر لیا، چنانچہ رکھوں کے اس چھ ہزار کے عظیم لشکر کے مقابلہ میں مجاہدین تعداد میں بہت کم تھے۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا کہ شبنون مارا جائے۔

حضرت امام صاحب درہ بھوگر ٹننگ کے سامنے، ڈمگلہ سے تین میل کی مسافت پر واقع مقام شکلیاری کے قریب ٹھہر گئے اور سید محمد مقیم رامپوریؒ کی قیادت میں غازیوں کی جماعت کو، جو کہ ایک سو افراد پر مشتمل تھی، ڈمگلہ کی طرف روانہ فرما دیا پھر جب چوہہ نیند سو مقامی لوگ بھی اس جماعت میں شامل ہو گئے۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹیؒ، سید محمد مقیم کے مشیر و نائب مقرر کیے گئے تھے۔ دیگر ہتھیاریوں کے علاوہ مجاہدین کو باوود سے بھرسے ہوئے تل بھی دیئے گئے اور انہیں ہدایت کی گئی کہ کبھی لشکر گاہ میں سب سے پہلے تل بھینکنے جائیں اور پھر چھاپا مارا جائے۔ اس آئنا میں بھی اگر کہیں کچھ مجمع نظر آئیں تو تل بھینک کر انہیں منتشر کیا جائے۔

سید محمد مقیم بڑی سچ و صبح اور شان سے غازیوں کی قیادت فرماتے ہوئے سوتے منزل روانہ ہوئے لیکن افسوس کہ مقامی لوگوں نے بزدلی دکھائی اور ڈمگلہ پہنچتے پہنچتے پندرہ سولہ سو میں سے صحت تین چار سو رہ گئے۔ تاہم سید مصروف نے کسی پریشانی کا اظہار نہ کیا بلکہ عزم و ہمت کا پیکر بنے ہوئے آگے ہی بڑھتے گئے حتیٰ کہ منزل مقصود آج پہنچی ۔

جس وجہ سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی تو کوئی بات نہیں!

حضرت امام صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے سب سے پہلے بارود بھرنے کی سکہ
شکر گاہ میں پھینکنے اور چشم فلک نے دیکھا کہ چار پائیوں کی مدد سے نار بندی میں سے گزر کر،
سکہ شکر گاہ میں سب سے پہلے قدم رنجبہ ہونے کی جرات بھی اس جانا ز سپہ سالار عینے
کی انہوں نے قدم رکھتے ہی اس زور سے نعرہ بکیر لگایا کہ سیکھوں پر پریشانی کا عالم طاری
ہو گیا اور وہ سرا سیر ہو کر مختلف ٹولیوں کی شکل میں جمع ہونے لگے، سچوں ہی ان کی کوئی عجات
نظر آتی مجاہدین اس پر نل پھینک کر منتشر کر دیتے اور جب وہ بھاگنے لگتے تو مجاہدین قراہیوں
سے انہیں خاک و خون میں لٹا دیتے غرضیکہ ان جانا زوں نے شہادتوں اور بے لوثوں کے ایسے
ایسے جوہر دکھائے کہ بقول سید جعفر علی نقویؒ:-

”رستم و اسفندیار کی داستانیں فراموش ہو گئیں اور وہ لوگ اس
طرح سیکھوں کے ہجوم میں گھستے تھے، جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے۔
تین چار ٹولوں میں انہیں (سیکھوں کو) شکر سے باہر نکال دیا“

اب مفرد مقامی لوگوں نے بھی میدان میں آنا شروع کیا۔ اس لیے نہیں کہ جہاد میں شریک
ہو جائیں بلکہ اس لیے کہ مالِ غنیمت اٹھا کر بھاگ جائیں۔

سیکھوں نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے گھاس بھوس کے چند چھتروں کو آگ لگا
دی۔ آگ کی روشنی میں انہیں معلوم ہو گیا کہ مجاہدین تعداد میں بہت کم ہیں اور مقامی لوگ مال
و اسباب لوٹ کر فرار ہو رہے ہیں؛ چنانچہ وہ بھر منظم ہو کر میدان میں آنے لگے مولانا خیر الدین
شیر کوٹلی نے یہ صورتِ حال دیکھی تو ایک جماعت کے ساتھ سیکھوں کے مقابلے پر ڈوٹ گئے اور
دوسرے غازیوں کو حکم دیا کہ زخمیوں کو اٹھا کر باہر نکل جائیں کیونکہ اس وقت مقابلہ نہ کرنا ہی
قرینِ صواب تھا جب تمام غازی باہر نکل گئے تو مولانا شیر کوٹلی نے بھی آہستہ آہستہ باہر نکلنے میں
کامیاب ہو گئے۔ سیکھوں پر اس قدر ہیبت طاری تھی کہ انہیں تعاقب کی جرات نہ ہوئی اس
معرکہ میں عبدالغفار محمد آبادی اور سید لطف علی کے علاوہ چند دیگر مجاہدین نے بھی جامِ شہادت

نوش فرمایا۔ چند زخمی ہوئے جن میں سپہ سالار سید محمد مقیم بھی تھے لیکن اس کے برعکس
سکھ دو تین سو کی تعداد میں داخل جہنم ہوئے۔

مجاہدین کی ایک بڑی جماعت جب ڈمگہ میں شیخون
میں معروف تھی حضرت امام صاحب کو شنکیاری کے

جنگ شنکیاری

مقام پر اچانک ایک جنگ پیش آگئی۔ آپ کے جانناز رفقاً دو روز سے نان جوئی تک کو ترس
گئے تھے اب تیسرے روز جو انہیں کچھ سامان خورد و نوش تیسرا آیا تو اس سے اپنی گرسنگی
کا علاج کرنے لگے کچھ مجاہد کھانے سے فراغت حاصل کر چکے تھے اور کچھ ابھی تک مصروف
تھے کہ سکھوں کا ایک گروہ گڑھی شنکیاری سے باہر نکلا۔ حضرت امام صاحب نے جب
انہیں دیکھا تو آپ نے سمجھا کہ یہ جنگ کی نیت سے آرہے ہیں۔ آپ نے فوراً مجاہدوں کو بوجے
پر لڑکر بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ شاہنہیں اور بندوقیں چلنے لگیں، سکھ جب کچھ اور قریب آگئے
تو نازلیوں نے قزاقوں کو استعمال میں لانا شروع کر دیا اور جب بالکل قریب آگئے تو نازلیوں
نے اپنی شمشیروں کو بے نیام کر لیا۔ نازلیوں کی شمشیروں کی بھینکار اور ان کی ضرب بے زہار سے
سراسیمہ ہو کر سکھ میدان سے بھاگے۔ پرمجبور ہو گئے۔

سکھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے جارہے تھے کہ ان میں سے ایک نے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ تو وہ
اچانک پکارا اٹھا، "ارے بزدلو! یہ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں، تم ڈر کر کیوں بھاگے جارہے ہو؟
چنانچہ وہ پھر لوٹ آئے۔ حضرت امام صاحب کے ساتھ اس وقت صرف بارہ مجاہد تھے، تمام
ہمالہ بن کر میدان میں جم گئے، عزیمت اور استقامت کے ان پہاڑوں نے ایک اپنی بھی پیچھے
پٹنا گوارا نہ کیا۔ سکھوں کو مارا کر گشتوں کے پستے لگا دیئے حضرت امام صاحب اور آپ کے
مٹھی بھران جاننازوں نے بے دریغ جسم و جان کی بازی لگاتے ہوئے تاریخ اسلام کے صفحات
پر شجاعت و جوانمردی کی ایسی مثالیں رقم کر دیں جو رستی دنیا تک جگمگاتی اور قافلہ اہل حق کے
کے دلوں کو گزرتی رہیں گی۔

سکھوں کی گولیاں موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے حضرت امام
صاحب کی قابچھنی بھو گئی۔ لیکن آپ کے پایہ استقامت میں قطعاً جنبش نہ آئی۔ آپ نے

مورچے میں پناہ لی اور نہ جنگ رو کی بلکہ سینہ تان کر میدان میں جھے رہے۔ امجد خاں نے خود آپ کی زبان فیض ترجمان سے سن کر روایت کیا ہے کہ :-

”شکمیری کی جنگ میں سکھ ہم سے بہت قریب آگئے تھے۔ ایک سکھ تلوار لے کر میری طرف بڑھا، میں نے گولی سے اسے ٹھنڈا کر دیا پھر بندوق بھرنے لگا۔ اس آٹنا میں دوسرا سکھ آگیا اسے بھی مار دیا۔ تیسری بار بندوق بھرا تھا تو میری انگلی پر گولی لگی اور ہاتھ بندوق کے پیالے سے ہٹ گیا۔ میں نے اس حالت میں بھی بندوق چلا دی۔ ایک اسکھ مارا گیا۔ چوتھی مرتبہ بندوق بھرنے کا ارادہ کیا تو بارود لہو سے تر ہو گئی۔ پوچھا سکھ مجھ پر حملے کی غرض سے بڑھا مجھے یقین ہو گیا کہ اب زندہ بچنے کی کوئی صورت نہیں میں نے خالی بندوق کا منہ اس کی طرف پھیر دیا۔ وہ گھبرا کر بھاگ گیا“

حضرت امام صاحبؒ کی جو انگلی مبارک زخمی ہوئی، وہ پھینکی تھی۔ آپ اسے رفقار کو دکھا کر مزاحاً فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری ”انگشت شہادت“ ہے۔ آہ! یہ

هل انت الا اصبح بميت
وحي سبيل الله مالا قيت

میت

سید جعفر علی نقویؒ، جو کہ آپ کے کاتب خاص تھے، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ بہترین انگشت شہادت ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں تو بہترین ہے، ورنہ بہت سی ضربیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ہوتی :-

اس جنگ میں حضرت امام صاحبؒ نے اپنی خدا داد شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور بہت سے سکھوں کو دہل چھینم کیا، اس معرکہ میں دو اڑھائی سو سکھ مقتول ہوئے جب کہ پچھتر سات مجاہدوں نے جبام شہادت نوش فرمایا اور نو دس زخمی ہوئے۔
ڈمگڑ اور شکمیری کی ان جنگوں کی وجہ سے سکھوں پر دشمنی کا عالم طاری ہو گیا۔

کمال خاں اور ناصر خاں نے تجویز پیش کی کہ اب اگر دو جاگہ طمانیت طلب کیے ساتھ مزید اقدام کے متعلق غور و فکر کرنا چاہیے۔ حضرت امام صاحب نے تجویز پسند فرمائی چنانچہ دوسری کے موقع پر شکیاری، بلغ، خاکی، بیرکھنڈ اور ملک پورہ کے قریب سے گزرے جب سکھوں کی کوئی گڑھی قریب آتی تو حکم دیتے کہ زور سے نفاذہ بجا کر دشمنان اسلام کو شہدار کر دو کہ اگر کوئی مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو میدان میں آجائے۔ اوگی میں آپ نے آٹھ روز قیام فرمایا۔ آپ کا ارادہ تھا کہ سکھوں کی گڑھیوں پر شہجونی کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ اسی شانہ میں سید صاحب کا حکم پہنچا کہ ہندوستان سے بہت سے غازی آگے ہیں لہذا آپ تشریف لے آئیں۔ آپ کلکتہ شیرگرٹھ، ٹکا پانی اور برڈی سے ہوتے ہوئے دریا پر پہنچ گئے اور وہاں سے امب، ستھانہ، کھیل اور ٹوپی سے ہوتے ہوئے پنجاب تشریف لے آئے۔

جگ اوتمان زئی پنجاب سے نکلنے کے بعد مختلف مقامات کے دورے کرتے ہوئے حضرت امام صاحب اور حضرت سید صاحب جب دریائے سوات کے مشرقی کنارے پر سوات زریں کے مشہور مقام خہر کی طرف جا رہے تھے تو درانیوں کی طرف سے ایک شکر مقابلے کے لیے ادھمکا، لیکن یہ حضرات انہیں طرح دیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ابھی تک نہر میں ہی مقیم تھے کہ خبر ملی کہ درانیوں کا چار ہزار کا لشکر اپنے ٹوپ خانہ سمیت ہدایت لندہ عبور کر کے اوتمان زئی میں ڈیرے ڈالی چکا ہے اور مجاہدین سے برسر پیکار ہونے کے لیے موقع کی تلاش میں ہے۔

جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی تو امیرالمجاہدین حضرت سید صاحب نے بھی کوئی اقدام کرنے سے قہر زام اور خوانین سے مشورہ کیا۔ غور و فکر کے بعد طے پایا کہ اوتمان زئی میں موجود لشکر سے معرکہ آرائی کے بجائے پشت اور کارخ کرنا چاہیے تاکہ فتنہ و فساد اور بغاوت کی جڑوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ لیکن ابھی ٹوٹی ہی پہنچے تھے کہ اوتمان زئی پر شہجون مارنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کیوں کہ اس کے بغیر چارہ کار ہی نہ تھا؛ چنانچہ حسب ضرورت مجاہدین میں ساز و سامان حرب کے علاوہ، ایک سیرٹا، ایک پاؤ گھی اور ایک پاؤ گڑھی کس کے حساب سے سامان خورد و نوش بھی تقسیم کر دیا گیا۔ پورے لشکر کے دو فریق

بنائیے گئے، جن میں سے ایک کی قیادت کے فرائض سید صاحبؒ انجام دے رہے تھے اور دوسرے کی قیادت کے فرائض امام صاحبؒ۔

سید جعفر علی نقویؒ نے لکھا ہے کہ لشکر اسلام بوقت عصر ٹوٹی سے روانہ ہوا۔ باہر نالے پر پہنچ کر نفوسِ قدسیہ پر مشتمل یہ جماعت نماز عصر کے لیے صف آرا ہوئی۔ سید صاحبؒ نے امت کے فرائض سرانجام دیئے۔ نماز سے فراغت کے بعد سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ کی جماعت کو الوداع کیا اور ایک ایک نمازی سے مصافحہ فرمایا۔ امام صاحبؒ کی جماعت گوشمن کے مینہ پر شجون مارنا تھا جب کہ میسرہ سید صاحب کی جماعت کے لیے تھا۔ دونوں جماعتوں کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ درآنیوں میں سے جو شخص ہتھیار سے تمہارا مقابلہ کرے اسے قتل کر دو، جو کوئی امان طلب کرے اسے چھوڑ دو اور جو راہ فرار اختیار کرے اس کا تعاقب مت کرو۔ حضرت امام صاحبؒ اپنی جماعت کی قیادت کرتے ہوئے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنی جماعت کو لے کر بڑی دانائی سے درآنی لشکر گاہ کے مینہ پر پہنچ گئے۔ جہاں سے صرف ایک گولی کی مار کا فاصلہ تھا، آپ نے اپنے جانناز رفتار کو تاکید فرمادی کہ جب تک میں گولی نہ چلاؤں تم میں سے کوئی بھی نہ چلائے۔ وہاں سے صرف ان غازیوں کو ہمراہ لے کر، جن کے پاس سواری کا انتظام تھا، آپ آگے بڑھے، جب عین دشمن کے لشکر پر پہنچ گئے تو سنتری نے آپ کو دیکھ کر آواز دی کہ کون ہے؟ آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے دوسری بار آواز دی مگر آپ پھر بھی نہ بولے۔ اس نے تیسری بار آواز دی۔ جب تیسری بار بھی اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے گولی چلا دی اور چیخا چلاتا ہوا کہ سید صاحبؒ کے نمازی آگئے۔ اپنے لشکر کی طرف بھاگ گیا حضرت امام صاحبؒ نے بلند آواز سے نعرہ ٹیکر لگایا اور غازیوں کو حملہ کا حکم دے دیا آپ تمام لشکر سے آگے تھے درآنی گولہ انداز نے توپ داغتی چاہی۔ امام صاحبؒ تمام ساتھیوں سمیت زمین پر بیٹھ گئے۔ اس تدبیر سے توپ کا گولہ غازیوں کے سروں کے اوپر سے گزر گیا اور کسی قسم کا نقصان نہ ہوا۔ پھر آپ نے اس ستعدی سے حملہ کیا کہ دوسری بار گولہ چلنے سے قبل ہی گولہ انداز کو تہ تیغ کر دیا اور توپ اپنے قبضہ میں لے لی۔ تمام درآنی میدان جنگ سے فرار ہو کر ایک ٹیلے پر پناہ گزین ہو گئے۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری نے تو لکھا ہے کہ :-

گولہ انداز نے مہتابی روشن کر کے چاہا کہ توپ چلائے۔ مولانا
 امام صاحب نے اس کا ہاتھ کپٹ لیا اور ڈانٹ کر فرمایا کہ توپ
 کا منہ دُرائیوں کے لشکر کی طرف پھیر دو۔ اس نے مارے خوف کے آپ
 کے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد آپ نے دوسری توپ پر بھی قبضہ کر لیا اور گولہ
 انداز کو غوار سے قتل کر دیا۔

سید صاحب کو اطلاع ملی تو اس فتح پر بارگاہِ الہی میں دو گانہ شکر
 ادا کیا۔ تو میں اس ٹیلے کے سامنے نصب کرا دیں۔ جن پر دُرائی جمع ہو گئے تھے
 غازیوں کو دو حصوں میں بانٹ کر صبح کی نماز ادا فرمائی۔ خیالی تھا کہ دُرائی جمع ہو
 کر حملہ کر دیں گے سید صاحب نے جا بجا چار مورچے بنوا کر غازیوں کو ان
 میں بٹھا دیا اور اس توڑ سے باڑھیں مارنے کی تاکید کر دی، کہ دُرائیوں
 کو اپنی جگہ سے جنبش کرنے کی بھی ہمت نہ ہوئی پھر خود توپ کھینچ کر ایک
 اونچی جگہ لائے، بھروائی، خود نشست باندھی اور میرزا حسین بیگ کو
 حکم دیا کہ اب گولے پھینکو، پہلے ہی گولے سے دو سوار گئے۔ دُرائی ٹیلے
 سے اتر کر تیچھے کی طرف جا بیٹھے۔

دن بھر لڑائی جاری رہی خدا کے فضل سے کسی غازی کے خراش تک
 نہ آئی پاس تالاب تھا غازی اسی پر وضو کرتے اور دو جماعتوں میں بٹ کر
 نمازیں پڑھتے رہے۔ مغرب کے وقت دُرائیوں کی طرف سے گولوں کی شدید
 بارش شروع ہو گئی اس وقت تک شاہینیں بھی انہوں نے فراہم کر لی تھیں۔
 اب یہ تجویز پیش ہوئی کہ دشمن پر بائیں جانب سے حملہ کیا جائے ابھی کوئی
 فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ میرزا حسین بیگ نے توپ سے گولے پھینکنے شروع کیے
 دُرائیوں کے نقصان جان کا حال تو معلوم نہ ہو سکا، لیکن پھر ان کی شاہینوں
 سے کوئی گولہ نہ آیا۔

اس جنگ میں حضرت امام صاحب نے اپنی خداداد شجاعت و جوانمردی کا خوب مظاہرہ

فرمایا۔ اپنے سے چار گنا زیادہ لشکر کو شکستِ فاش دی۔ اس کی توپوں اور دیگر سامانِ حرب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا۔ بے شمار دُرانیوں کو اپنی شمشیرِ برآں سے قتل کرتے ہوئے کشتوں کے پُشتے لگا دیئے اور بے شمار مالی نقصان سے بھی دشمن کو دوچار ہونا پڑا اور کُطف یہ کہ حزبِ محمد اور اللہ کے سپاہیوں میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچی مگر افسوس کہ اسی بے مثال فتح و نصرت کے باوجود آئین کے سانپ عینِ وقت پر ڈس گئے۔ سردارِ عالم خاں رئیسِ اوتمان زئی اور اہلِ خیبر نے یہاں بھی میرِ جعفر کا سا کردار ادا کیا اور دُرانیوں سے مل گئے۔ اس وجہ سے اب پشاور کی طرف پیش قدمی کرنا ناممکن تھا اور بغیر اس کے کوئی چارہ کار ہی نہ تھا کہ مجاہدین و سپہِ چلے جائیں اور کسی مناسب موقع کا انتظار فرمائیں۔

اب میدانِ جنگ سے غازیوں کو حفاظت کے ساتھ واپس لے جانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ سید صاحب نے چند غازیوں کو مورچوں میں بٹھا کر باقی تمام کو درختوں کے اس جھنڈ میں جمع کرنے کا حکم دیا جو اوتمان زئی سے دو تین فرلانگ کی مسافت پر تھا۔ جب اکثر و بیشتر مجاہد اس جھنڈ میں جمع ہو گئے تو سید صاحب نے بچاس آدمیوں کو روک لیا اور باقی تمام کو حضرت امام صاحب کی قیادت میں جلالہ روانہ فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد مورچہ میں پناہ گزین غازیوں کے پاس سید ابو محمدؒ کو بھیجا اور انہیں بھی بلا لیا جب تمام واپس آ گئے تو پھر خود سید صاحب بھی واپس تشریف لے آئے دوسری طرف دُرانی شبِ خون کے خوف سے تمام رات کا نپتے رہے۔ جب سورج طلوع ہوا تو بستی کے لوگوں نے دُرانیوں کو بتایا کہ غازی تو واپس چلے گئے ہیں لیکن ان پر خوف و ہراس اس قدر طاری تھا کہ انہیں دو پہر تک بستی کے قریب آنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ وہ یہی سمجھتے رہے کہ غازی کہیں چھپے بیٹھے ہیں۔ نامعلوم کب ہم پر پلوٹ پڑیں؟

اس جنگ کے بعد سید صاحب نے امام صاحب کے مشورہ سے میاں جی محمد الدین چشتی کو نواز دمیوں کے ہمراہ ایک نائٹ وے کر امیرِ بخارا کے پاس روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجیدِ مطلقاً بطور ہدیہ بھی بھیجا۔

سید صاحب اور امام صاحب نے جب سرحد کو قدم

بیعتِ شریعت

یمنت لزوم سے نوازا تو انہیں یقین تھا کہ اہلِ سرحد دیگر

مسلمانان ہند کی نسبت تین اور اسلام کے لیے جانثاری میں آگے بڑھے ہوئے ہیں لیکن دو سال بعد ہی یہ خوش فہمی غلط ثابت ہوئی اور معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کا اسلام بھی محض رسمی سے اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اہل سرحد کا ایک اجتماع بلا کر انہیں احکام شریعت کی پابندی اور غلط رسم و رواج کے ترک کی تلقین کی جائے۔ اجتماع کے انعقاد کے لیے جب مناسب جگہ کے انتخاب کا مسئلہ زیر غور آیا تو فتح خاں رئیس پنجتار اور اشرف خاں رئیس زبیدہ نے اپنے اپنے علاقے میں اجتماع منعقد کرنے کی پیش کش کی، چنانچہ پنجتار کو زیادہ مناسب خیال کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ یہاں اجتماع منعقد کیا جائے۔

یہ اجتماع عظیم یکم شعبان ۱۲۴۳ھ (۶ فروری ۱۸۲۹ء) بروز جمعہ المہدک منعقد ہوا جس میں زمام، خوانین اور اکابر کی کثیر تعداد کے علاوہ قریباً دو ہزار علماء کرام اور اتنے ہی ان کے تلامذہ نے شرکت فرمائی۔ افتتاحی تقریر سید صاحب کی تھی اور آپ کے بعد امام صاحب نے نہایت دولہانجیز اور ایمان خیز خطاب فرمایا۔

غالباً ۱۵ شعبان ۱۲۴۳ھ (۲۰ فروری ۱۸۲۹ء) کو جمعہ کے دن پھر ایک اجتماع ہوا جو فتح خاں کے قبیلے کے افراد پر مشتمل تھا۔ خان نے ان سب کو بیعت شریعت کی ترغیب دی اور انہوں نے بہ طیب خاطر نظام اسلامی کی پابندی قبول کر لی۔ پھر مختلف علاقوں کے لیے سید صاحب نے قاضی مقرر فرما دیئے۔ مولوی سید محمد شہان کو قاضی القضاة بنایا گیا۔ ملا قطب الدین نگر ہاری کو احتساب کا کام سونپا گیا۔ اور میں تغلگی ان کے ساتھ مقرر ہو گئے۔ وہ قریباً پانچ سو روپے اور دیر دورہ کرتے رہتے جہاں کوئی امر خلافت شرع پاتے، اس کا امداد کرتے :-

اس بیعت کے خاطر خواہ نتائج ثابت ہوئے اگرچہ کتب تاریخ تمام تفصیلات بیان کرنے سے تو خاموش ہیں تاہم متفرق روایات سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ برکات و محنت کے اعتبار سے یہ بیعت کس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوئی مثلاً محمد جعفر تھانی سری لکھتے ہیں۔

ان تمام علاقوں میں جن کے باشندوں نے یہ عہد کیا تھا، کوئی مرد عورت

بے نازی نہ رہا اور تمام تنازعے اور مقدمے از روئے شرع محرمی
 قاضیوں کے فیصلے ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ ملک و شبک
 عرب ہو گیا۔ چوری چکاری، زنا کاری اور قتل و خون وغیرہ جرائم کا
 نام نہ رہا۔ شریعت پر چلنے کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں ایسا ایمان
 اور اخلاص پیدا ہوا کہ انہوں نے خود شکر اسلام کو اپنی پیداوار
 کا عشرت و سوالِ حصہ دینا قبول کر لیا ہے۔"

مجاہدین نے چونکہ ہنڈ کے بجائے پنجتار کو اپنا مرکز بنایا جس کی وجہ سے فتح خاں رئیس
 پنجتار کی عزت میں اضافہ ہوا لیکن رئیس سرحد خادے خاں کو یہ اعزاز پسند نہ آیا بلکہ وہ آتش
 حسد میں بیباں تک جل اٹھا اور احکام و قوانین شریعت کے نفاذ سے اسے بیباں تک نفرت
 و عداوت پیدا ہو گئی کہ اس نے مجاہدین کے خلاف سبکدوشوں سے ساز باز کرنے میں بھی ذرہ بھر
 تامل نہ کیا۔ سید صاحبؒ ابھی غور ہی فرما رہے تھے کہ کیا طبعی اختیار کیا جائے، اسی دوران
 آپ کو معلوم ہوا کہ خادے خاں لڑائی کے انتظام مکمل کر کے اشرف خاں رئیس ویدہ سے
 برسرِ پیکار ہونے کے لیے پر توال رہا ہے سید صاحبؒ نے امام صاحبؒ کو دوسو مجاہدین کے
 ہمراہ مصالحت کے لیے روانہ فرما دیا۔ آپ جب ماٹیری پہنچے تو سنا منصور کی طرف سے
 گولیاں چلنے کی آواز آئی۔ آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اشرف خاں اپنے لشکر
 کی معیت میں زبیدہ کی طرف رختِ سفر باندھنے کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ خان بھائی!
 یہ لڑائی کیوں؟ ہم تو حضرت سید صاحبؒ کے حکم سے مصالحت کے لیے آئے ہیں۔ اشرف خاں
 نے کہا۔ ہم تو سید صاحبؒ کے فرمان کے مطابق اپنی گڑھی میں اتامت پذیر تھے کہ طلوعِ آفتاب
 کے ساتھ ہی خادے خاں بھی اپنے لاڈلے شکر سمیت میدان میں آ گیا مگر مجبوری ہمیں بھی دفاع کرنا
 پڑا لیکن ہم ابھی تک اپنی سرحدوں پر بھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ خادے خاں کے لشکر کی طرف
 سے گولیوں کی بوجھاڑ آنا شروع ہو گئی۔ ہم نے بھی جواب دیا کچھ مدت لڑائی کے بعد خادے
 خاں کے ساتھی میدانِ جنگ سے راہ فرار اختیار کر گئے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے
 ہم ہر تکلیف سے محفوظ و مصئون رہے مگر افسوس کہ یہ نیک و محنت و خوش اخلاق اور مجاہدین

کے ساتھ الفت و محبت رکھنے والا رئیس مسرت و شادمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اپنے گھوڑے کو سر بیٹ دوڑاتے ہوئے جارہا تھا کہ شاہ منصور کے قریب پہنچ کر گھوڑا گر گیا اور زین کا ہر ناخاں صاحب کے سینہ میں پیوست ہو کر جان لیوا ثابت ہوا۔ میت کو زیدہ لے جایا گیا۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ خادے خاں بھی وہاں پہنچ کر شریک جنازہ ہوا۔ جب تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد تمام لوگ مسجد میں جمع ہوئے، تو امام صاحب نے آپ کے محامد و مناقب بیان فرمائے اور پھر مغفرت کے لیے دعا فرمائی۔

خادے خاں کو نفرت و عداوت نے اس حد تک پہنچا دیا کہ اس نے مجاہدین کے مشکلا سکھوں سے امداد کی درخواست کر دی۔ سکھوں نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور اس کی امداد کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیج دیا۔ یہ لشکر فرانسیسی جنرل انٹورا کی زیرِ کمان، راستے میں واقع دیہاتوں میں ظلم و تشدد کا بازار گرم کرتے ہوئے پہلے حضور پہنچا مولانا تھانیسری نے فرانسیسی جنرل انٹورا کی فوج کشی کی تفصیل، ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

سردار خادے خاں کے حسب الطلب سکھوں کی فوج کا ایک فرانسیسی جنرل انٹورا صاحب مع فوج کثیر کے پہلے حضور پہنچا۔ سردار خادے خاں ایک گھوڑا اور باز اور چند کتے معمولی نذرانے لے کر حضور میں اس کے پاس حاضر ہوا اور دیگر خواہن سہم کی شکایت کر کے درخواست کی کہ حضور دریائے ابا سین عبور کر کے ملک سہم میں رونق افروز ہوں اس وقت سب سرداران سہم اطاعت اختیار کریں گے انٹورا صاحب دریائے ابا سین سے عبور کر کے اول ہند ریاست خادے خاں میں آیا اور وہاں سے پنجتار تک آنے کا قصد کیا۔ انٹورا صاحب کے ساتھ تقریباً دس پندرہ ہزار فوج اور توپیں اور شاہینیں تھیں جب سید صاحب کو اس کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ نے ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان جہاں سے پنجتار میں آنے کی راہ تھی ایک دیوار طویل تقریباً تادم تیار کر کے اس میں مورچے اور برج بنوائیں اس دیوار کی تیاری میں شہنشاہ مدینہ کی طرح خود سید صاحب اپنے ہاتھوں سے کام کیا کرتے تھے۔

جب یہ دیوار تیار ہو گئی تو جا بجا ہندوستانی اور قذھاری آدمیوں کے اس پر پہرے مقرر کیے گئے۔ ایک رات کو سوسوارانِ شاہینہ نے خبر دی کہ لشکر کفار درہ کو تک آ پہنچا

سکھوں کی آمد کی خبر آگ کے شعلے اور دھواں ہوتا تھا۔ جس قدر وہ آگے بڑھتے تھے گاؤں اور
بستیوں کو چھو نکلتے اور مسجدوں اور مدرسوں کو گراتے جاتے تھے چنگیز خاں، ہلاکو اور تیمور لنگ^۲
وغیرہ پڑانے خالوں کی راہ کی علامت بھی مؤرخوں نے یہی آگ اور دھواں لکھی ہے اور ہماری مہذب
سرکار نے بھی ملک یاغستان کے واسطے آتشزدنی کا وہی چنگیز خانی قاعدہ اختیار کر رکھا ہے۔
اللہم زد فزد

جب پنجگاہ پر سکھوں کے حملہ کا خطرہ شدت اختیار کر گیا تو قریباً نو سو مجاہدین بھی مقابلہ
کے لیے تیار تھے سید صاحب نے مولانا خیر الدین شیر کوٹی کو تین سو مجاہدین کا قائد بنا کر ورہ کی
حفاظت کے لیے بھیج دیا تھا، جو کہ ورہ سے باہر خمیر زنی ہو گئے تھے۔ حضرت امام صاحب
نے آیتہ بیعت الرضوان کی تلاوت فرما کر، نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ایسا معرکہ آرا
خطاب فرمایا کہ ہر ایک کا دل چاہنے لگا کہ وہ اسی قسم کی بیعت کر کے جانثاری کا مظاہرہ کرنے،
چنانچہ چند لمحات بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ہزار آدمیوں نے سید صاحب کے دستِ حق
پرست پر بیعت کی اور کفار کے مقابلہ میں شجاعت و جوانمردی کے خوب خوب جوہر دکھانے
کے غزم کا اظہار کیا۔ سکھوں کی فوج مجاہدین کے مغربی طرف دو اڑھائی کوس کے فاصلہ پر تھی جہاں
انٹرانے دور میں سے جب لشکر اسلام کا جائزہ لیا تو اس پر غازیان اسلام کے رعب و دبدبہ
کے باعث ہیبت طاری ہو گئی۔ اس نے فوراً خادسے خاں کو بلا کر کہا کہ تو نے مجھے دھوکہ دیا
ہے کہ پنجگاہ میں تھوڑے آدمی ہیں۔ اب یہ طوسی دل لشکر کہاں سے آگیا؟ مجھ میں تو اس کے مقابلے
کی تاب نہیں۔ لیکن حملہ نہ کرنے کی صورت میں اسے رنجیت سنگھ کی طرف سے باز پرس کا بھی
خطرہ تھا اس لیے وہ بادلِ نخواستہ پہاڑ سے نیچے اترا اور فوج لے کر نئی دیوار کو گرانے کے لیے
اس کے قریب پہنچ گیا۔ مرزا احمد بیگ^۳ دیوار کی نگرانی کرنے متعین تھے انہوں نے پہاڑ پر چڑھ کر مجاہدین
کو سکھوں کے اس حملے سے باخبر کیا۔ سید صاحب نے گولہ انداز اور افسر شاہین کو، لشکر کفار کی
یگانگہ روکنے کے لیے گولے اور شاہینین چلانے کا حکم دیا اور ساتھ ہی لشکر اسلام نے بڑی
متانت اور وقار کے ساتھ پیش قدمی شروع کر دی۔ مجاہدین کے جوش و خروش کو دیکھ کر جنرل
انٹرا اور اس کے ساتھیوں نے راہ فرار ہی میں مافیت محسوس کی اور میدان سے بھاگنا شروع

کر دیا۔ مجاہدین نے درہ کے انتہائی ان کا تعاقب کیا اور کئی جھلگتے سکتھوں کو دبا کر جہنم کر دیا۔ اگرچہ وقتی طور پر سکھوں کا خطرہ ٹل گیا اور ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو فتح و نصرت نصیب ہوئی لیکن سازشوں اور شرارتوں کے خاتمہ کے لیے سید صاحب نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں امام صاحب کے علاوہ کئی دوسرے اکابر نے بھی شرکت فرمائی اس مجلس میں سب سے پہلے جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد اور اہمیت و عظمت پر سید صاحب نے روشنی ڈالی اور سردار یار محمد خاں اور خادے خاں کی سازشوں کا دکھ بھرے لہجے میں ذکر کیا۔ سید صاحب کی اس تقریر کو سن کر سردار فتح خاں نے تجویز پیش کی کہ آپ سر کے علماء اور سادات و خواجین کا ایک اجتماع بلا کر یہی باتیں بیان فرمائیں۔ چونکہ وہ لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر چکے ہیں لہذا ان کی معاونت سے اس سلسلہ میں ضرور کوئی موثر اقدام کیا جاسکتا ہے۔ سید صاحب نے فرمایا کہ آپ یہاں کے رئیس ہیں، لہذا ہماری طرف سے، آپ دعوت نامے ارسال فرمادیں، چنانچہ جمعۃ المبارک کے دن کا تقنین کر کے جگہ جگہ آدمی بھیجے گئے، جس کے نتیجے میں تین ہزار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ پنجاب کی بستیوں کے لوگوں نے اشیاء خورد و نوش جمع کر کے امام صاحب کے پاس پہنچا دیں کیوں کہ دعوت کا اہتمام بھی آپ کے سپرد تھا۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا یہ جمعۃ المبارک کا دن تھا، تاحضی احمد اللہ میرٹھی نے خطبہ پڑھا۔ نماز کے بعد سید صاحب نے تقریر فرمائی، جس میں آپ نے پہلے تو حصولِ معاش کے لیے لوگوں کی مساعیٰ لیکن فریضہ جہاد سے غفلت کا ذکر کیا، پھر دارالہرب ہند سے ہجرت کر کے دارالامان میں جا کر کفار سے جہاد کرنے کے حکم کا تذکرہ فرمایا اور اسی ضمن میں رنجیت سنگھ نے مسلمانوں پر آلام و مصائب کے جو پہاڑ توڑے، ان کی طرف بھی اشارہ کیا۔ پھر آپ نے خاص طور پر علماء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا۔

”آپ لوگوں نے ہیں جگہ دی، ہمارے ہاتھ پر امامت کی بیعت کی آپ کے مشورے کے مطابق اس مقام سے جہاد شروع ہوا۔ اب آپ مساعیٰ جمیلہ سے دست کش ہو رہے ہیں، حالانکہ آپ کو وارث الانبیاء کہا گیا ہے اس کا سبب کیا ہے۔“

سید صاحبؒ کی اس تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا، آنکھوں سے آنسو اُڑ آئے اور دل میں اسلامی
حمیت کے دریا رواں ہو گئے۔ تقریر ختم کرنے کے بعد دعا فرمائی اور پھر امام صاحبؒ سے تقریر فرماتے
کے لیے کہا اور لوگوں سے بھی کہا کہ آپ جو فرمائیں اسے بھی ذرا مینے، اگر کسی کے دل میں شک ہو
تو اسے صاف کر لیا جائے۔ حضرت امام صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے خطابت کا خصوصی ملکہ عنایت
فرمایا ہوا تھا۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے آپ نے اپنے مخصوص فصیح و بلیغ انداز
میں جب خطابت کے جوہر کھینا شروع کیے تو گویا سامعین میں سے ہر ایک کی زبان پر فصحی کا
پر شرف رس کرنے لگا۔

چہ جادوئیت ندانم بطرز گفتار شش

کہ باز بستہ زبان سخن طرازاں را

آپ نے اپنی اس تقریر میں یہ آیت مبارکہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأَذِلِّي الْأُمُورَ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو،
رسول کی اطاعت کرو، اور اپنے میں سے صاحب
امر لوگوں کی بھی۔

کی انتہائی شرح و بسط کے ساتھ تغیر فرمائی۔ پھر علماء سے استفسار کیا کہ کیا اس آیت شریفہ
کی رو سے امام کی اطاعت فرض نہیں؟ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ہاں
کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ سب نے اسے باغی قرار دیا۔ پھر آپ نے بغاوت کے سلسلے میں شری
احکام کے متعلق استفسار پیش فرمایا تو امام علماء نے فتویٰ دیا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے اور اس فتویٰ
پر اپنی اپنی مہریں بھی ثبت کر دیں۔ پھر امام صاحبؒ نے علماء سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

• سارا تصور آپ کا ہے، اس ملک کے تمام خواہن میں آپ کے تابع فرمان

ہیں لیکن آپ ایک اظہارِ حق میں مدائنت سے کام لیتے رہے ہیں، ورنہ

یہ خرابی پیدا نہ ہوتی۔

پھر آپ نے نہایت عجز و التماس کے ساتھ دعا فرمائی تمام لوگ اس میں شریک تھے علماء کے
فتویٰ کی روشنی میں جب خادے خاں کا قتل و اضطراب اور اپنی مشہوریت کا احساس بڑھ

گیا تو وہ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور اپنے احوال کی اصلاح کے بجائے وہ اور بھی زیادہ باغیانہ رویہ اختیار کرتا گیا عصر کی نماز کے بعد اکثر مہمان رخصت ہو گئے، جو ٹھہرے ان میں خادے خاں بھی تھا سید صاحب نے رات کو اور پھر جب صبح رخصت ہو رہا تھا، اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ قطعاً راہِ راست پر نہ آیا۔

جنرل ڈنور صاحب میدان جنگ سے فراد ہو کر لاہور گیا تو دربار میں اس پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ چنانچہ اس نے اپنی شکست کے

دماغ کو مٹانے کے لیے پنجتار پر دوبارہ حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور خادے خاں اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے بالکل تیار تھا۔ ایک دن شب گردسواروں نے نماز فجر کے وقت دشمن کے درہ پر پہنچ جانے کی خبر دی۔ نماز سے فراغت کے بعد سید صاحب نے بھی مجاہدین کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دن روشن ہوا تو صوابی و انیسری کی طرف دھڑوں کے اٹھتے ہوئے بادل نظر آنے لگے جو کہ سکھوں کی غارتگری، لوٹ مار اور آتش زنی کی غمازی کر رہے تھے۔ سید صاحب نے مرزا احمد بیگ کو نئی کٹی والی دیوار کی طرف بھیجتے ہوئے حکم دیا تھا کہ سکھوں کو جب درے کے اندر آجائے اس سے مقابلہ نہ کیجئے بلکہ دائیں طرف سے پہاڑ پر چڑھ جانا ہوگا۔ جب سکھوں کا لشکر مجاہدین سے برسرِ پیکار ہو جائے تو تم نے عقب سے حملہ کرنا ہوگا۔ اس جنگ میں مجاہدین کی تعداد نو سو کے قریب تھی جب کہ لشکر کفار دس ہزار کے لگ بھگ تھا۔

حضرت امام صاحب نے موقع و محل کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے اہمیتِ بیعتِ رضوان کی تلاوت کی پھر اس بیعت کے فضائل نہایت مؤثر و دل نشین انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

”اس وقت سب صاحبِ صحیح حاضر ہیں، حضرت امیر المؤمنین کے دست مبارک

پر اس نیتِ خالصہ سے بیعت کریں کہ انشاء اللہ زندہ جان آج ہم مقابلہ کفار سے نہ ہائیں گے یا ان کو مار کر فتح پائیں گے یا اسی میدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اس میں جو صاحبِ بر مشیت ایزدی شہید ہوں گے، شہادتِ کبریٰ کا درجہ پائیں گے۔ اور جو زندہ بچیں گے وہ اعلیٰ مراتب کے غازی ہوں گے۔“

سب سے پہلے آپ نے بیعت کی، پھر ان غازیوں نے جو سید صاحب کے قریب تھے۔ جو غازی آپ تک پہنچ نہیں سکتے تھے انہوں نے ان غازیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے جنہوں نے سید صاحب کے دست حق پرست میں ہاتھ دے رکھے تھے اسی طرح دیگر تمام غازیوں نے بھی بیعت کر لی۔ اس کے بعد سید صاحب نے ننگے سر اور انتہائی خشوع و خضوع اور عجز و الحاح کے ساتھ دعا فرمائی جس کی تاثیر سے تمام ماسحقان پاک طینت پر ایک عجب طرح کی کیفیت طاری ہو گئی۔ مولانا مہر مرحوم کے الفاظ میں سینے

.. راوی کہتا ہے کہ اس دعا کی تاثیر و برکت سے سب پرادہ ہی عالم طاری ہو گیا ہر ایک اپنی ہستی سے گزر چکا تھا۔ تمام بھائی کمال تپاک اور اشتیاق سے ایک دوسرے کے گلے مل کر خطا میں معاف کرنے لگے۔ دینی و علانی کا ہر نقش ان کے صفحاتِ قلب سے محو ہو چکا تھا۔

ایک دوسرے کو وصیت کرتے تھے تو یہ نہیں کہ ہمارے بال بچوں کا خیال رکھنا یا اقربا کو سلام پہنچانا یا ہماری جائیدادوں کو سنبھالنا اور یاد رکھنا۔ تاہم کرنا، حاشا/ ثم حاشا!! وہ قدوسی رنائے باری تعالیٰ میں اس طرح کم ہو چکے تھے کہ عالم ناموس کے ساتھ گویا ان کا رشتہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ سب کی زبانوں پر صرف ایک توحید اور ایک پیام تھا اور وہ یہ کہ بھائیو! ہم شہید ہو جائیں یا زخموں سے چور ہو کر گر پڑیں، ہمیں اٹھانے یا سنبھالنے سے بے پروا ہو کر فرصت و مہلت کے لمحے کو صرف آگے بڑھنے، لڑائی جیتنے اور دشمن کو مار بھگانے کے لیے وقف رکھنا۔

اللہ اللہ! لہیت کے یہ گہرے شے چراغ تھے جنہیں سید صاحب آج سے سو سو برس پیشتر ظلمت زار ہند سے نکال کر سرحد لے گئے تھے کہ شاید ان کی جلا سے یہ سرزمین از سر نو متور ہو جائے۔

ادھر جنرل وٹورا سلیم خاں سے ہوتا ہوا توتالی کے قریب پہنچ گیا اور اس نے توتالی کے ٹیلے پر چڑھ کر دوڑ میں سے گرد و فواج کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اگرچہ مجاہدین کی تعداد اڑھائی تین ہزار

سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود وٹورا کو یوں محسوس ہوا کہ دونوں طرف کے ٹیلوں پر مجاہدین کا ایک انتہائی عظیم اٹن لشکر تیار فرودکش ہے؛ چنانچہ یہ منظر دیکھ کر بادلِ نخواستہ اس نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خادے خاں نے جنرل وٹورا کو یقین دلا دیکھا تھا کہ مجاہدین کی کسی بڑی جماعت سے مقابلہ نہیں ہوگا کیوں کہ پنجتار میں وہ انتہائی معمولی تعداد میں ہیں۔ مجاہدین اسلام کی ہیبت و شوکت سے مرعوب ہو کر جب اسے اڑھائی تین ہزار کی تعداد بھی ایک بہت بڑی تعداد نظر آنے لگی تو وہ خادے خاں سے بہت خفا ہوا بالآخر جب وٹورا نے اپنی فوج کو پیش قدمی کا حکم دے دیا تو اسلامی فوج بھی برات کی طرح تماشاً خوش آگے بڑھی۔ سکھ فوج کے ابتدائی دستے دفاعی دیوار کو پھیند خاک کرنے کے ناپاک عزم سے آگے بڑھے۔ امیر المؤمنین حضرت سید صاحب نے میرزا حسین بخش کو شاہینوں سے سکھ لشکر پر گولے چھینکنے کا حکم دیا۔ پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بیٹھے ہوئے اللہ کے سپاہی بھی اب نیچے اتر آئے اور تمام لشکر اسلام میدان میں جم کر کھڑا ہو گیا۔ سکھ بار بار ان کی ہمت کی مضبوطی و استحکم چٹان سے ٹکرائے اور ہر بار پیچھے ہٹ گئے۔ مجاہدین کے تابڑ توڑ حملوں سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا پہاڑوں کا ایک ایک پتھر حرکت میں آ گیا ہے۔ وٹورا نے غازیوں کی شجاعت کو دیکھا تو اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا اس موقع میں دو سکھ و اہل جہنم ہوئے اور حزبِ محمد میں سے کسی کے خراش تک نہ آئی۔ سید صاحب نے مجاہدین کی فتح و نصرت اور سکھوں کی میدان سے پساٹی کا علم ہوا، تو وہی کیا جو اللہ والے کیا کرتے ہیں یعنی اپنے رب کے حضور بھگ گئے اور شکرانے کے ذفضل اور فرمائے ادھر وٹورا کے دل پر اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ وہ فوراً لاہور بھاگ گیا۔

خادے خاں کا رویہ اگرچہ انتہائی مایوس کن تھا، تاہم سید صاحب نے اس کے راہِ راست پر آجانے کے ہی متمنی تھے سید صاحب نے ایک قاصد کے ہاتھ پر پیغام بھیجا کہ پنجتار میں آکر مجھ سے ملاقات کرو۔ خادے خاں نے جواب دیا کہ میں پنجتار کے بجائے سلیم خاں میں آسکتا ہوں۔ سید صاحب نے اسے بھی تسلیم فرمایا اور تین سو غازیوں کو ہمراہ لے کر تشریف لے گئے۔ خادے خاں چار یا پنج دن کے بعد ساٹھ سو اوروں اور چار سو پیادوں کے ساتھ آیا۔ ملاقات کے لیے جگہ کا تعین ہوا تو سید صاحب جانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن کئی

تینگی پر شبخون

دیگر اصحاب اور حضرت امام صاحبؒ نے اختلاف کیا اور خود جانے کے لیے اجازت طلب کی بسید صاحبؒ نے اجازت عنایت فرمادی تو حضرت امام صاحبؒ ایک سو نواز یوں کے ہمراہ مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب تھوڑا سا فاصلہ رہ گیا تو آپ نے تین آدمیوں کو خادے خاں کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا کہ مولانا تین چار آدمی لے کر آجائیں۔ لیکن غازیوں نے اصرار کیا کہ آپ تین چار ساتھیوں کے ساتھ نہ جائیں کیوں کہ خادے خاں بڑا عیار آدمی ہے لیکن آپ نے ان تمام ساتھیوں کو کھجا کر مطمئن کر دیا کہ آپ کسی قسم کے اندیشہ میں مبتلا نہ ہوں خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اذ لیقول لصاحبہ کا تحزون ان اللہ معنا۔ بہر کیفیت حضرت امام صاحبؒ تین چار رفقاء کی معیت میں خادے خاں کے پاس تشریف لے گئے اور جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت امام صاحبؒ! خان بھائی! آپ سے یہ توقع نہ تھی کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے مقابلے میں سکھوں کو لے آئیں گے۔ آپ نے یہ بہت بُرا کیا ہے۔ یہ تو بناوت کے مترادف ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ آپ اپنے آپ کے پر ندامت کے آنسو بہائیں اور بارگاہِ انبوی میں توبہ کریں۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اللہ غفور رحیم ہے وہ گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے گا ورنہ ذلت و رسوائی کے بغیر کچھ نصیب نہ ہوگا۔

خادے خاں! مولانا بغضاً نہ ہونا۔ ہم لوگ رئیس و حاکم ہیں سید بادشاہ کی طرح کوئی ملا مولوی نہیں اور ہمارا اور سید صاحبؒ کا راستہ الگ الگ ہے ہم ٹھکان لوگ سید بادشاہ کی شریعت پر ہرگز ہرگز نہیں چل سکتے۔ لہذا جو کچھ ہمارے خلاف کرنا چاہیں ضرور کریں۔

(الغرض سے اس گفتگو کے بعد خادے خاں کی طرف سے مکمل مایوسی ہو گئی۔ ادھر چند روز کے بعد خوانین کے مختلف قبائل کے لوگوں نے سید صاحبؒ کے پاس آ کر شکایات کیں کہ جب سے ہمارے علاقوں میں درآئی در آئے ہیں، ان لوگوں نے ہمارے امن و چین اور سکون کو غارت کر دیا ہے۔ اگر آپ کچھ مجاہدین کو روانہ فرمادیں تو بستی پر آپ کا قبضہ کر ادیں گے اور اس طرح پٹناؤ کے راستے سے رکاوٹ بھی دور ہو جائے گی۔ سید صاحبؒ نے اس سلسلے میں دیگر خوانین سے بھی

مشورہ کیا۔ تمام نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ سید صاحب نے امام صاحب کی قیادت میں تین سو مجاہدوں کا لشکر تیب دے کر تنگی کی طرف روانہ فرما دیا۔ درہے ارباب شہ بہرام خاں اور مولانا امیر الدین ولایتی بھی اس سفر میں امام صاحب کے ہمراہ تھے۔ بوقتِ عشاء یہ قافلہ روانہ ہوا۔ ایک مسافت میں یہ سفر ناممکن تھا اس لیے صبح کے وقت ایک نالے پر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ اطلاع کے لیے دو آدمیوں کو عصر کے وقت تنگی بھیج دیا گیا اور باقی مجاہد اندھیرا ہونے پر روانہ ہوئے۔ جب تنگی بالکل نزدیک آگیا تو گاؤں کے لوگوں کو بھیجا گیا جو کہ ہمراہ تھے انہیں کچھ فاصلے پر چار زرہ پوش سواروں سے گفتگو کے بعد حضرت امام صاحب اور آپ کے معاونین ارباب بہرام خاں اور مولانا امیر الدین ولایتی کو ساتھ لے گئے۔ اس وقت یہ انکشاف ہوا کہ ایک گروہ پہلے فیصلہ پر کاربند نہیں رہا بلکہ اس کے خلاف درانیوں کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہے۔ اگر ان حالات میں حملہ کیا جائے تو ان لوگوں کو زیادہ نقصان پہنچے گا۔ احتمال ہے جو درانیوں کے مخالف ہیں۔ حضرت امام صاحب نے یہ صورت احوال دیکھ کر انتہائی رنجیدہ ہوئے۔ کچھ احباب نے اہل تنگی سے سختی سے پیش آنے کا مشورہ دیا لیکن ارباب بہرام خاں اور مولانا ولایتی صاحب نے سب کو روک دیا کیونکہ یہ احباب سرحد کے رسم و رواج سے واقف تھے اس لیے انہوں نے خیر و فیت کے ساتھ بستی میں جانے کی اجازت دے دی۔ اور شکر اسلام بھی وہاں سے بے خیریت واپس آگیا۔ یہ ۱۵ محرم ۱۲۳۵ھ (۷ جولائی ۱۸۲۹ء) کا واقعہ ہے۔

خادے خاں کے کردار کی ادنیٰ سی جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے یعنی اس نے سید صاحب کے دست مبارک پر بیعت کرنے کے بعد نہ صرف یہ کہ بیعت کو توڑ کر بغاوت کی بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی برکتہ کرنے کی کوشش کی، سکھوں سے ساز باز کر کے انہوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں لے آیا ان سفاکوں نے صد ہا گاؤں نذر آتش کر دیئے، مساجد و مدارس کو تباہ و برباد کر دیا اور دیگر بے شمار تباہیوں اور بربادوں سے نپتے مسلمانوں کو دوچار کر دیا۔ واقعہ تنگی کے بعد مجاہدین کے سامنے اب تین راستے تھے۔

۱۔ موت پر بیعت کر کے سردارانِ پشاور سے لڑائی۔

(ب) خادے خاں کی سرکوبی۔

(ج) سمد کے بجائے کچھلی میں نئے مرکز کا قیام۔

غور و فکر کے بعد طے پایا کہ سب سے پہلے منافق خادے خاں کی تعذیر و تادیب کے سامان فراہم کر کے اس کے خرنشے کو مٹا دیا جائے اور ہمیشہ کے لیے اس سے نجات حاصل کر لی جائے اس مقصد کے لیے پانچ سو بہادر مجاہدین کا انتخاب کیا گیا۔ اس حزب الہی کی قیادت کی سعادت بھی شہید خداحضرت امام صاحبؒ کو نصیب ہوئی اور جناب ارباب بہرام خاں کو ہی نائب امیر متعین کیا گیا۔ اس معرکہ میں "سنتِ توریہ" پر خوب عمل کیا گیا۔ سید صاحبؒ اور امیر نائب امیر کے علاوہ کسی دوسرے مجاہد کو قطعاً اس بات کا علم نہیں تھا کہ کس طرف کا قصد ہے؟ اس شکر اسلام کو روانہ کرتے ہوئے سید صاحبؒ نے بلند آواز کے ساتھ فرمایا۔ آپ گڑھی امان زئی ہو کر جائیں ہم بھی آپ کے پیچھے پنجاب آتے ہیں۔ ساہان خورد و نوش خچروں پر اور میٹرھیاں و قلابے وغیرہ شلیتوں میں لپیٹ کر اونٹوں پر سوار کر کے بھیجنے کا بندوبست کر دیا گیا۔ عوام اور مجاہدین آخروقت تک یہی سمجھتے رہے کہ پنجاب ہی منزلِ مقصود ہے حضرت امام صاحبؒ بازار (سدم) اور گڑھی امان زئی کے راستہ ترکئی پہنچے اور ارباب بہرام خاں شیوہ سے ہو کر ترکئی پہنچے۔ ترکئی سے ہنڈ کا فاصلہ گیارہ بارہ میل تھا۔ حضرت امام صاحبؒ نے غازیوں کو فوراً دو وقت کا کھانا تیار کرنے کا حکم دیا اور مغرب کے بعد ترکئی سے پنجاب جانے کے قصد کا اظہار فرمایا تاکہ ترکئی کے باسیوں میں سے بھی کسی کو کوئی شبہ لاحق ہونے کا احتمال نہ رہے۔ دو میل کی مسافت پر نماز عشاء ادا کی گئی۔ پھر گھوڑے وغیرہ کے سواروں کو پنجاب کی طرف بھیج دیا اور امام صاحبؒ خود ہنڈ کے اس حصے کی طرف روانہ ہو گئے۔ جس طرف دُور دُور تک آبادی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہاں سے ہنڈ سات کوس کی مسافت پر تھا۔ میدانی علاقہ تھا۔ جہت و سمت کا علم تھا اور نہ آبادی کا اور پھر شبِ بھکر کی ظلمت اس پر مستزاد۔ خادے خاں کے برادرِ عزم زاد محمد بیگ خاں راہنمائی کے فراغِ عین انجام دے رہے تھے۔ لیکن کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہ بھی راستہ بتانے سے معذور ہو گئے اگست کا مہینہ تھا اور موسم گرما کی شدت اپنے جوہن پر، اگرچہ رات کا وقت تھا تاہم پیاس کی شدت سے حلق کا ٹٹا ہونے جاتے تھے اور سب سے زیادہ یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر صبح سے پیشتر

ہند نہ پہنچا گیا تو مقدم فوت ہو جائے گا جب چلتے چلتے کافی دیر ہو گئی اور رات کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تو مناسب یہ سمجھا گیا کہ جمع ہونے سے قبل کسی ایسے مقام پر پہنچ جانا چاہیے، جہاں تمام دن چھپ کر گزارہ کر لیا جائے اور حملہ اگلی رات تک ملتوی کر دیا جائے۔ اس تصفیہ کے بعد مجاہدین مختلف جماعتوں میں منقسم ہو کر ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہو گئے امام صاحب بھی پہلے تو ایک جگہ پر ٹھہر گئے۔ لیکن پھر ایک جہت کا تعین کر کے توکلًا علی اللہ اس طرف چل دیئے۔ اللہ پر توکل زنگ لایا اور اتفاق سے ایک ایسا راہ گیر مل گیا جو ہند کی طرف بخوبی راہنمائی کر سکتا تھا؛ چنانچہ صبح کا ذب کے وقت آپ اپنے ڈیڑھ سو غازیوں کی جماعت کے ہمراہ ہند کے تالاب پر پہنچ گئے۔

یہ تالاب ہند کے قریب ہی صرف ایک گولی کی زد پر تھا۔ یہاں پہنچنے کے بعد آپ نے اپنے باقی ساتھیوں کا انتظار شروع کر دیا اور یہ اس لیے بھی کہ میٹرھیاں وغیرہ انہی کے پاس تھیں اور ان کے بغیر قلعہ کی دیواروں کو بچانڈنا بہت دشوار تھا۔ بڑی دیر کے انتظار کے بعد جب ان کی طرف سے ایسی ہو گئی اور ادھر سپیدہ سحر بھی نمودار ہونے کے لیے بے قرار تھا تو اس عظیم سپہ سالار اسلام نے ایک جدید پلان PLAN تشکیل دیا وہ یہ کہ آپ نے ان ڈیڑھ سو غازیوں کو، جو آپ کے ہمراہ تھے پانچ دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک دستہ اپنے پاس رکھا اور باقی چار کا شیخ ولی محمد کو قائد بنایا اور انہیں حکم دیا کہ آپ انہیں لے کر قلعہ کے دروازہ کے باہر کے دو طرف گئے کے کھیتوں کو مورچے کے طور پر استعمال کیجئے۔ جب دروازہ کھول دیا جائے تو بند قہیں چلا کر فوراً اندر داخل ہونے کی کوشش کیجئے۔ ہم بھی بند قہوں کی آواز پر تکیہ کرتے ہوئے فوراً پہنچ جائیں گے۔ شیخ ولی محمد نے تین دستوں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھیتوں میں بٹھا دیا اور خود چوتھے دستے سمیت، دروازے کے قریب ہی کھیت کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے۔ یہ انتظامات جب پایہ تکمیل کو پہنچ گئے تو قلعے میں سے ایک گدھے کے ہنہانے کی آواز آئی، پھر مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی اس کے بعد قلعے کے اندر کے ایک آدمی نے چوکیدار سے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ چوکیدار نے جواب دیا کہ سید صاحب کے محلے کی خبر تھی، اس لیے میں خاں کے حکم کے بغیر دروازہ کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا اس نے

کہا اب تو صبح کی اذان بھی ہو چکی ہے حملہ ہوتا تو رات کو ہوتا اب کیا ہوگا۔ چوکیدار نے مزید اطمینان کے لیے ایک آدمی سے مکان کی چھت پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے کے لیے کہا لیکن ابھی تک کبھی موجود تھی، اس لیے کیا نظر آسکتا تھا؟ حضرت امام صاحبؒ اپنے دستے کے ہمراہ تالاب کے پاس اور باقی غازی گئے کے کھیتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ آخر کار دروازہ کھلا اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ آدمی اس طرف گیا جہر کوئی غازی نہ تھا۔ شیخ ولی محمد صاحبؒ چونکہ قلعے کے دروازے کے بالکل قریب تھے اس دروازہ کھلتے ہی آپ اندر داخل ہو گئے ملاقطب الدین نے فوراً قرابین چلا دی۔ جس کی آواز سن کر حضرت امام صاحبؒ اپنے رفقاء سمیت نعرہ تکبیر بلند فرماتے ہوئے قلعے کے اندر آ گئے۔ اسی لمحہ کھچڑے ہوئے غازیوں کی ایک جماعت بھی آ پہنچی، جس کے نعرہ ہائے تکبیر سے دروہام لرز اٹھے حضرت امام صاحبؒ نے جب طلوع میں قدم رکھا تو اعلان کر دیا خبردار کوئی شخص باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ جو لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے ہمیں ان سے کوئی سروکار نہ ہوگا ہم صرف خادے خاں کے لیے آئے ہیں۔

خادے خاں کو بعض لوگوں نے ایک رات پہلے ہی اطلاع دے دی تھی کہ سید بادشاہ

کاشکے حملہ آور ہونا چاہتا ہے لہذا محتاط رہو۔ وہ یسین کر مضحکہ اڑانے لگا کہ نامرد اور بزدل لوگ اپنی عورتوں سے باتیں سن کر مجھے سنانے آجاتے ہیں ورنہ سید بیچارے کی کیا ہمتی ہے کہ ادھر کارخ کرے وہ درویش تو نان جوئی تک کو ترست ہے، میرے مقابلہ کی کیا تاب رکھتا ہے اسے دراصل یقین تھا کہ راستے میں واقع دیہات کے لوگ مجاہدین کو ادھر کارخ کرتے دیکھ کر فوراً اس تک خبر پہنچائیں گے لیکن اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ موت کا آہنی شکنجہ جب کسی کی گردن کا ہالہ بننے والا ہو تو کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی تدبیر کارگر ثابت ہو سکتی ہے۔

صبح سویرے ہی خواب بھر گوش میں دہوش خادے خاں کو جب قرابینوں کی آواز سنے

بیدار کیا تو ہوش کے ناخن لینے کا وقت جا چکا تھا وہ یہ منظر دیکھ کر سہا لیا رہ گیا اور سرسنگی کے عالم میں اپنے آدمیوں کو کمر بندی کا حکم دینے لگا، لیکن وہ تو پہلے ہی ڈر کے مارے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے، اس کے بعد کیا ہوا؟ وقایع احمدی، سوانح احمدی،

یَنْظُورَةُ السَّعْدَاءُ" اور عبرۃ لادنی الالبصار" وغیرہ کتب تاریخ میں جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں ان میں کچھ اختلاف ہے لیکن بہر آئینہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ خادے خاں غازیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد امام صاحب نے قلعہ پر پہرہ لگا دیا تاکہ باہر سے کوئی شخص قلعہ میں نہ داخل ہو۔ اور ارباب بہرام خاں، شیخ ولی محمد وغیرہ کو بھیجا کہ دروازے پر کھڑے ہو کر مستورات کو تسلی دے دو کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ خاں کا بڑا بیٹا تو کسی طرح راہ قرار اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ چھوٹا بیٹا جھوسے والی کوٹھڑی میں چھپا ہوا تھا اس سے بھی کوئی تعرض نہ کیا گیا بلکہ اسے بھی حفاظت کے ساتھ زنان خانے میں بھیج دیا گیا۔ خاں کی لاش کو اس کے وارثوں کے مطالبہ پر ان کے سپرد کر دیا گیا، انہوں نے اسے قلعہ سے آٹھ فوسو قدم کے فاصلے پر آباٹی قبرستان میں دفن کر دیا۔ خادے خاں کے اہل و عیال کو قطعاً کوئی تکلیف نہ دی گئی بلکہ انہیں رلا کر دیا گیا۔ قلعہ سنہڈ کی تسخیر غازیوں کی بے پناہ عسکری صلاحیتوں اور حضرت امام صاحب کی بے مثال شجاعت و جوانمردی اور کمال تدبیر و حسن تدبیر کی منہ بولتی تصویر ہے۔ اس معرکے میں خادے خاں کے علاوہ صرف ایک اور آدمی مارا گیا تھا اور وہ ایک کسان تھا جو کہ ہلے کر کھینچوں کو جا رہا تھا اس نے کسی غازی کو دیکھ کر شور مچانا چاہا تھا مگر عبداللہ خاں رامپور نے بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ کوند کر اس کا کام تمام کر دیا۔ دشمن کے یہ دو آدمی مارے گئے مگر غازیوں میں سے کسی بکے خراش تک بھی نہ آئی تھی۔ ولید الحمد

قلعہ سنہڈ کی تسخیر کے بعد اس علاقہ میں مجاہدین کی مخالفت بہت بڑھ گئی، فتح کے بعد حضرت امام صاحبؑ ابھی تک قلعہ پر قابض تھے کہ خادے خاں کا بھائی امیر خاں سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر داز ہوا کہ قلعہ سنہڈ مجھے مرحمت فرما دیجئے میں ہمیشہ احکام شریعت کا پابند اور آپ کا مطیع فرمان رہوں گا۔ ایک طرف تو یہ سید صاحب کو اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا یقین دلانا تھا اور دوسری طرف پشاور کے حاکم یار محمد خاں سے ساز باز میں بھی مصروف تھا؛ چنانچہ اس نے یار محمد کو بارہ ہزار روپیہ بطور رشوت ادا کرنے کے وعدہ پر اسے اپنی امداد پر آمادہ کر لیا۔ یار محمد سید صاحب سے دشمنی رکھتا تھا۔ اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور چار سرداروں کی قیادت میں، امیر خاں کی رہنمائی

جنگِ زیدہ

کے صدر مقام ہریانہ میں تین سو سواروں کو بھیج دیا کچھ عرصہ بعد خود بادشاہ محمد خاں بھی پھر توپوں، چند شاہینوں، دو ہاتھیوں، بہت سے اڈمٹوں کے علاوہ ایک عظیم شکر سمیت موضع ہریانہ میں آ گیا ہریانہ میں داخل ہوتے وقت اس نے بڑے زور شور سے توپیں چلانے کا حکم دیا تاکہ ان کی آواز سن کر سید صاحب کے معاونین پہاڑوں میں چھپ جائیں۔

نماز مغرب کے بعد سید صاحب نے خاص خاص احباب و رفقاء کی میٹنگ بلائی اور جنگ کے متعلق مشورہ کیا۔ اس سلسلہ میں مختلف تجاویز پیش ہوئیں لیکن کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہ ہو سکا آخر کار سید صاحب فرمانے لگے "تمام معاملات اللہ کے سپرد کرو دو۔ صبح کو سبھی کے کنارے قبرستان والے میدان میں مقابلہ ہوگا۔ امام صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ شہر ہیانہ کے مناسب مقامات پر سپرہ داروں کو متعین فرادے سبھی باقی مجاہدین کو آرام کرنے کی اجازت عنایت فرادی لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ ذرا مستعد رہنا۔ عشاء کی نماز کے بعد سید صاحب اور امام صاحب نے کھانا تناول فرمایا۔ فراغت کے بعد امام صاحب سے بھی آرام فرمانے کے لیے کہا گیا۔ لیکن ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ سید صاحب نے آواز دی۔ ایک مجاہد حاضر ہوئے ان سے کہا میں صاحب (امام صاحب) کو بلائیے۔ آپ تشریف لائے تو فرمایا کہ شیخون کی تجویز زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے اس لیے آپ سبھی سے باہر گڑھی میں قیام فرمائیے ہم وہاں آدھیوں کو بھیج دیتے ہیں آپ گڑھی تشریف لے گئے تو سید صاحب نے تین سو غازی اور چار سو ملکی روانہ فرما دیئے انکی کے وقت حسب معمول سید صاحب نے ہر ایک کو گیارہ گیارہ دفعہ سورۃ قریش پڑھ کر اپنے اوپر دم کرنے کا حکم دیا۔ امام صاحب نے غازیوں کو گڑھی کے باہر میدان میں جمع کیا اور بڑے عجز و الحاح کے ساتھ دیر تک برہنہ سر و عافیں مصروف رہے پھر ایک رہبر کی راہنمائی میں سوتے منزل چل پڑے۔

گڑھی سے باہر قدم رنج ہوتے ہی امام صاحب نے غازیوں اور ملکیوں کی الگ الگ جماعتیں تشکیل فرمادی تھیں۔ غازیوں کو تین جماعتوں میں تقسیم کر کے ہدایت فرمائی کہ سب سے پہلے توپوں اور شاہینوں کی جگہ پر حملہ کیا جائے گا؛ چنانچہ جب توپوں سے گولہ باری ہونے لگی تو امام صاحب نے غازیوں کی ایک جماعت کو دائیں اور دوسری کو بائیں جانب پیش قدمی کا حکم دیا

اور میری جماعت کی خود قیادت فرماتے ہوئے میں سامنے سے معرکہ کارزار میں شجاعت و بسالت کے جوہر دکھانے لگے۔ ادھر سے مسائل گولہ باری ہو رہی تھی لیکن چشم فلک نے یہ عجیب نظارہ دکھا کر اسلام کے اس عظیم فرزند اور عظیم ترین جرنیل نے تھوڑی سی مدت میں دشمن کی پانچ توپوں پر قبضہ کر لیا جھٹی توپ وہاں سے کچھ دور تھی، وہ بڑی تیزی سے آگ اُگل رہی تھی، امام صاحب نے چالیس پچاس بند و فچویں اور قرآن پتھریوں کو اس کے عقب سے حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ انہوں نے نہ صرف توپ پر قبضہ جمایا بلکہ دو گولہ اندازوں کو بھی گرفتار کر لیا تھوڑی دیر بعد یار محمد کا ایک مصاحب بھی غازیوں نے پکڑ لیا اور استفسار پر یار محمد کے متعلق اس نے بتایا کہ وہ کندھوہ کی جانب متعین توپ کے پاس تھا اسے گولی لگی اور ساتھی اسے اٹھا کر میدان سے باہر لے گئے۔ غازیوں نے بھی توپ سے چند فائر کیے پھر انہوں نے فائر بندی کر کے میدان جنگ کا جائزہ لینا شروع کیا تو اکثر و بیشتر خیمے خالی پائے۔ اگرچہ یقین ہو چکا تھا کہ فوج و نصرت نے غازیانِ اسلام کے قدم چوم لیے ہیں تاہم اس خطرہ کے پیش نظر کہ یار محمد کہیں پھر حملہ نہ کر دے امام صاحب نے غازیوں کو توپوں کے پاس ہی رہنے کا حکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد مولانا مظہر علی عظیم آبادیؒ اور پیر خاں ہوائیں ہند سے ستر اسی غازیوں کی مزید کمک لے کر آگے مگر مجاہدین نے تو پہلے ہی دشمن کے ہچکچھٹا دیئے تھے، انہوں نے بتایا کہ ہم نے راستہ میں یار محمد کے لشکریوں کو دکھا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے جا رہے تھے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس نازک موقع پر قلعے کو چھوڑ کر آنا خلافت مصلحت ہے لہذا آپ واپس تشریف لے جائیں۔

اس معرکہ میں مجاہدین کے ہاتھوں میں بہت سا مالِ غنیمت آیا۔ امام صاحب نے جب مالی غنیمت ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا تو مندرجہ ذیل اشیاء جمع ہوئیں: ایک ہاتھی، ساٹھ ستر اونٹ، قریباً تین سو گھوڑے، پندرہ سو گناہینیں، چھ توپیں اور بے شمار تلواریں اور بندو تھیں، پلاؤ کی دیکھیں، خشک میوہ کے ڈھیر، بھوتے، بستر اور خیمے وغیرہ اس کے علاوہ تھے۔ کچھ خیموں سے عورتیں بھی برآمد ہوئیں جنہیں یار محمد کے سپاہی قیغش کے لیے زبردستی پکڑ لائے تھے۔ امام صاحب نے انہیں فوراً ان کے گھروں میں بھیج دیا۔ یار محمد خاں بُری طرح زخمی ہو گیا تھا، اسے اس کے آدمی جب میدان جنگ سے اٹھا کر لے گئے تو ابھی ہریانہ اور دو ڈوہیر کے درمیان ہی پہنچے تھے کہ وہ فوت

ہو گیا۔ اس کی میت کو پشت اور دفن کیا گیا۔ اس معرکہ میں مجاہدین صرف سات سو تھے جب کہ درانیوں کی فوج آٹھ دس ہزار تھی۔ دشمن کے سات بڑے بڑے سرداروں کے علاوہ قریباً تین سو سپاہی بھی مارے گئے جب کہ صرف دو مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اس کامیابی کا تمام تر سہرا حضرت امام صاحبؒ کے سر ہے کہ ان کی بے مثال شجاعت، جس جس تدبیر اور عسکری صلاحیتوں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بہت بڑی کامیابی سے سرفراز کیا۔ مولانا غلام رسول مہر رقم طراز ہیں :-

” اتنے تھوڑے نقصان کے ساتھ اتنے کثیر الانفار اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس شکر کو ایسی سخت شکست دینا یقیناً ایک عظیم الشان کارنامہ تھا، جسے بڑے بڑے جرنیلوں کی بہترین فتوحات کے مقابلے میں بے تکلف فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس سے مولانا شاہ محمد عیسیٰ کی یگانہ صلاحیت، قیادت اور مہارت فنونِ حرب کا اندازہ ہو سکتا ہے۔“

اب ایک بات تین تین طلب باقی ہے کہ یہ معرکہ کس تاریخ کو پیش آیا اس سلسلہ میں روایات مختلف ہیں مولانا محمد جعفر تھانی سرسری نے جنگِ زیدہ کی تاریخ ۱۵ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ بروز دوشنبہ ذکر کی ہے اور غالباً انہوں نے یہ ”منظورہ“ کی روایت کو سامنے رکھتے ہوئے لکھا ہے لیکن اس روایت کی صحت مشکوک معلوم ہوتی ہے کیونکہ مہفتہ ۵ ربیع الاول کو تھا یا ۱۲ کو اور ایسے کئی قرائن ملتے ہیں جن کے پیش نظر اس جنگ کی تاریخ ۵ ربیع الاول تو قرار دی جاسکتی ہے ۱۵ نہیں۔ مثلاً ۱۵ ربیع الاول کو سید صاحبؒ نے پشتاور کے بعض مشہور علماء کی خدمت میں ایک مکتوب گرامی ارسال فرمایا، جس میں خادے خاں اور یار محمد خاں کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح سلطان محمد خاں کی طرف بھی ایک اعلام ارسال فرمایا اس پر ۸ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ بروز جمعرات ۶ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ (۴ م یا ۵ ستمبر ۱۸۲۹ء) کو جنگِ زیدہ کی تاریخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱۵ ربیع الاول کی تاریخ صحیح نہیں۔ مولانا غلام رسول مہر کی بھی یہی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امب اور عشرہ کے معرکے جس طرح ریاست امب کشمیر کی طرف جلنے

والے راستہ پر واقع ہونے کے باعث نہایت اہمیت کی حامل تھی، اسی طرح نواب پائندہ خاں تنولی
 والہی امب کی شخصیت بھی بہت اہم تھی یہ سکتوں سے کافی عرصہ سے برسہا برس پیکار تھا ادھر سید
 صاحب کے ساتھ بھی کچھ راہ و رسم پیدا کر چکا تھا۔ جنگِ زیدہ کے بعد سید صاحب کچھلی کے مظلوم
 باشندوں کی مدد کا ارادہ رکھتے تھے دوسری طرف کشمیر کی طرف پیش قدمی کر کے وہاں کے مسلمانوں
 کو سکتوں کے مظالم و استبداد کے طوفانِ بدتمیزی سے نکال کر امن و چین کے ساحل سے بھی آشنا
 کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلہ میں پائندہ خاں کی طرف سے تعاون ضروری تھا لیکن پائندہ خاں کے
 دل و دماغ کی صحیح کیفیت واضح نہیں تھی معلوم ہوتا تھا کہ وہ انتہائی شکوک و اہام میں مبتلا ہے اس
 لیے ضروری تھا کہ اس سے رابطہ قائم کر کے اس کے شکوک کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ جنگِ
 زیدہ کے بعد مجاہدین کھیل سے ہوتے ہوئے جب تھکانہ پہنچے تو سید صاحب نے پائندہ خاں کی
 طرف پیغام بھیج کر ملاقات کا وقت اور مقام متعین کر لیا۔ روانگی سے قبل سید صاحب نے
 امام صاحب سے مشورہ کیا کہ زیادہ آدمیوں کا ہمراہ لے جانا سونہن کا موجب تو نہ بنے گا ؟
 امام صاحب نے فرمایا کہ اگرچہ زیادہ آدمیوں کا ساتھ لے جانا قرینِ صواب نہیں تاہم تمام آدمیوں
 کا استھانہ میں چھوڑ جانا بھی قطعاً موزوں نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ آپ تمام کو ساتھ لے چلیں
 اور مقامِ ملاقات سے تھوڑے فاصلے پر جن کو چاہیں ہمراہ لے لیں اور جن کو چاہیں چھوڑ جائیں۔
 سید صاحب نے امام صاحب کے علاوہ گیارہ اور مجاہدین کو ساتھ لیا اور روانہ ہو پڑے۔ امام
 صاحب نے از خود بطور احتیاط جوہیں آدمیوں کا انتخاب کر کے انہیں دریا کے کنارے کی اوٹ میں
 مقامِ ملاقات کے قریب جا کر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ ادھر پائندہ خاں نے
 بھی دامن کوہ میں غزاسکا کے خنجل کے پاس پانچ سو پیادے چھپا رکھے تھے پائندہ خاں سے ملاقات
 کے بعد سید صاحب کچھلی کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے تھے امام صاحب کو لشکر کا امیر اور مولانا
 خیر الدین شیر کوٹی کو نائب امیر بنایا گیا۔ امام صاحب نے پائندہ خاں کو اطلاع دی کہ ہم کچھلی جانا
 چاہتے ہیں اس لیے آپ کشتیاں تیار رکھیں۔ پائندہ خاں نے جواب دیا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ میں امیر المؤمنین
 کا فرمانبردار ہوں، لیکن اگر آپ لوگ میری ریاست میں سے گزریں گے تو ہزارہ کا گورنر ہری سنگھ مجھے
 تنگ کرے گا لہذا آپ کوئی اور راستہ اختیار کریں۔

امام صاحب نے دوبارہ لکھا کہ ایک طرف تو آپ امیر المؤمنین کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے علاقہ سے گزرنے کی بھی اجازت نہیں دیتے یہ کیسی اطاعت ہے؟ اگر آپ اپنے علاقہ سے گزرنا مصلحت کے خلاف سمجھتے ہیں تو ہم کسی دوسرے گھاٹ سے گزر جائیں گے لیکن اس صورت میں بھیٹ گلی سے گزرنا پڑے گا اور وہ بھی آپ کی ریاست میں ہے لہذا یہاں سے گزرنے کی اجازت دیجئے؟ پائندہ خاں نے جواب دیا کہ اب ہوا بھیٹ میں اپنے کسی علاقے سے گزرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا ورنہ لڑائی ہو جائے گی۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید صاحب کو صورت حال سے مطلع فرمایا تو سید صاحب نے خود پائندہ خاں کو خط لکھا۔ لیکن وہ نہ صرف اپنی ضد پر بدستور قائم رہا۔ بلکہ اس نے لڑائی کی تیاری بھی شروع کر دی سید صاحب پانچویں ہوتے ہوئے چنی تشریف لے گئے اور وہاں پہنچ کر امام صاحب کو امیر شکر بنایا اور فرمایا کہ آپ لڑائی کی ابتداء نہ کریں فریق مخالف اگر جنگ کا آغاز کر دے تو پھر آپ اپنی حفاظت کے لیے مناسب اقدام کرنے کے مجاز ہوں گے پھر سید صاحب نے دعاً فرمائی اور شکر کو مد اخیل کی طرف روانہ فرما دیا۔

امام صاحب چنی سے روانہ ہو کر گبائی میں ٹھہرے اور پھر وہاں سے دیگرہ کی طرف چل پڑے دوسو غازیوں کو دیگرہ چھوڑا اور باقی کو ساتھ لے کر فروسہ تشریف لے گئے پائندہ خاں نے عشرہ کی حفاظت کے لیے کوہ کنیر ٹی پر مورچے بنوائے۔ اس طرح سحانہ، فروسہ اور دیگرہ میں فروکش غازیوں کے درمیان رشتہ اتصال منقطع کرنا بھی اس کے لیے آسان تھا لیکن امام صاحب بھی اس سے بے خبر نہ تھے۔ آپ پہلے ہی غازیوں کی ایک جماعت کو کوہ کنیر ٹی کی طرف روانہ فرما چکے تھے اس جماعت کا امیر آپ نے جناب ارباب بہرام خاں کو بنایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ خدا نخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے تو شیخ بلند سخت، مولانا امیر الدین اور امام خاں خیر آبادی بالترتیب امارت کے فرائض انجام دیں گے۔ اگر یہ تینوں حضرات بھی جام شہادت نوش فرمائیں تو پھر مجاہدین اسلام کو اختیار ہوگا کہ وہ جسے پسند فرمائیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔ اللہ اللہ سنت رسول کا کس قدر خیال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر امام صاحب کو شاید وہ حدیث رسول یاد آگئی ہو جو صحیح بخاری میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ
انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں زید

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ
أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ مَوْقَعَةِ زَيْدِ بْنِ
حَارِثَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قَتْلَ زَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ
وَ
إِنَّ قَتْلَ جَعْفَرٍ فَعَبْدُ اللَّهِ بْنِ رُوْحَانَ
قَالَ عَبْدُ اللَّهِ كُنْتُ فِيهِمْ فِي تَلَاكِ
الغزوة الحدیث

بن حارثہؓ کو امیر مقرر کر کے فرمایا کہ اگر
زیدؓ شہید ہو جائے تو جعفرؓ (امیر ہو) اور
اگر جعفرؓ شہید ہو جائے تو عبد اللہ بن روْحانہؓ
۱۱ میرے) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ راوی
حدیث کہتے ہیں کہ میں بھی اس غزوہ میں ان
(غازیوں) میں تھا۔ الحدیث

الغرض امام صاحبؒ نے اس جماعت کو حکم دیا کہ کوہ کینر ٹری پر قبضہ کے بعد تم نے عشرہ کی
طرف پیش قدمی کرنا۔ ستھانہ سے غازیوں کو بلانے کے لیے آپ نے سید احمد علی کو روانہ فرما دیا اور
خود فروسہ سے پیش قدمی کا پروگرام بنایا۔ آپ کی یہ سکیم بھی فوجی نقطہ نظر سے بہت خوب تھی پائندہ
خال کو جب علم ہوا کہ غازی کینر ٹری پر تسلط جا چکے ہیں تو وہ بہت سٹپٹایا اور پریشان ہو کر اس نے
صلح کا بال پھیلایا اور امام صاحبؒ کی طرف پیغام بھیج دیا کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہوں اور آئندہ فرزندوں
کا وعدہ کرتا ہوں لہذا آپ میری غلطی معاف فرمادیں اور کل صبح پانچ سات سات ساتھیوں کے ہمراہ بانڈو
تشریف لے آئیں تاکہ گفت و شنید سے کوئی حتمی فیصلہ کر لیا جائے۔ آپ پائندہ خال کے اس پیغام
سے بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ اس سے لڑنے میں کوئی خوشی محسوس نہیں فرماتے تھے اور پھر سید
عاحبؒ کا حکم بھی یہی تھا کہ حتی الامکان جنگ سے گریز کیا جائے۔ آپ نے واپسی کا ایک حکم غازیوں
کو بھی بھیج دیا۔ رسالہ در عبد الحمید اور سید البرشاہ ستھانویؒ کا خیال تھا کہ پائندہ خال فریب دینا
چاہتا ہے لہذا واپسی کے بجائے عشرہ کے میدان میں پہنچنا ہی زیادہ بہتر ہے لیکن قائد شکر سید
احمد علیؒ نے کہا کہ میں تو سب سالار اعظم کے حکم کی اطاعت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لہذا وہ واپس تشریف
لے آئے اگلے دن امام صاحبؒ نے دس بارہ غازیوں کے ہمراہ بانڈو جانے کا پروگرام بنایا لیکن سالار
عبد الحمید خال اور سید البرشاہ ستھانویؒ کی بات درست نکلی۔ پائندہ خال کو جب یقین ہو گیا کہ غازی صلح
کے جال میں پھنس کر دو گیارہ، فروسہ، اور ستھانہ کو چھوڑ چکے ہیں تو اس نے کوہ کینر ٹری کے غازیوں کے
خاتمہ کے لیے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو بھٹ گلی میں فروسہ کے راستے کی بندش اور
دوسرے کو ستھانہ کے راستے میں رکاوٹ کے لیے مستعین کر دیا۔ یہ اس کے سوار لشکریوں کی تقسیم تھی

اسی طرح پیادوں کے بھی اس نے دو گروہ بنائے، ایک کے ذمہ کینڑی کی دائیں طرف اور دوسرے کے کینڑی کی بائیں طرف سے پیش قدمی تھی یہاں پر متعین غازیوں کے لیے یہ بڑا صبر آزمائے مرحلہ تھا۔ تمام راستے مسدود ہونے کے پیش نظر وہ سستھارہ یا فردوسہ اطلاع بھی نہیں بھیج سکتے تھے اور اس پر متزاد یہ کہ کھانے کے لیے ان کے پاس عورت کئی تھی، اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے بھون کر کھایا، سجدہ شکر ادا کیا اور نعرہ بکیر بلند کرتے ہوئے مقابلہ کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔

پائندہ خاں کی فوج کے سپاہی کوہ کینڑی کے دونوں جانب سے چڑھائی کر رہے تھے اور مجاہدین انہیں روکنے میں سرگرم تھے۔ ابھی ابتدا ہی تھی کہ چھ غازی خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے معرکہ آہستہ آہستہ تیز ہوتا گیا لیکن غازیوں کی پوزیشن بھی بڑی نازک تھی مدد خاں نے بیس رفعا کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پائندہ خاں کے سپاہیوں کو روکنے کی اجازت طلب کی جو کہ انہیں دے دی گئی، ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ سید دلاور علیؒ اور امام خاں شیر آبادیؒ بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ ان کی شہادت سے مجاہدین کو بڑا صدمہ پہنچا۔ ابھی تک پائندہ خاں کی فوج کا پلڑا بھاری تھا۔ اسی اثناء میں شیخ بلند سخت کچھ سپاہیوں کو لے کر ارباب بہرام خاںؒ کی اجازت سے مولانا شیر کوٹیؒ کے مورچے میں چلے گئے انہیں اور ان کے کچھ ساتھیوں کو اپنے ساتھ ملایا اور پہاڑ کے پہلو سے پائندہ خاں کی فوج پر حملہ کر دیا۔ ادھر قدرت نے کچھ غیبی امداد اس طرح بھی فرمائی کہ تھوڑی دیر بعد کچھ پنجابی اور قندھاری غازی بھی پہنچ گئے جن کو دیکھ کر فردوسہ کے راستے پر متعین اور کینڑی کے دونوں طرف سے حملہ آور ہونے والے دستے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پائندہ خاں نے جب اپنے سپاہیوں کو فخر ہوتے دیکھا تو خود بھی امب کی طرف دوڑ گیا اسے دوڑتے دیکھ کر اس کے ساتھیوں نے بہت شور مچانا شروع کر دیا جس کی وجہ سے بہت سے اور سپاہی بھی بھاگ گئے اور عشرہ پر غازیوں کا قبضہ ہو گیا۔ عشرہ کے بعد کوٹلم میں بیٹھے ہوئے اور گولیاں چلانے میں مصروف، پائندہ خاں کے سپاہیوں کا شیر دل غازیوں نے صفایا کر دیا۔ شیخ ولی محمد کوٹلم کے پہاڑ کے اوپر امب کی طرف جارہے تھے کہ پائندہ خاں کی ان پر نظر پڑ گئی بس کیا تھا کہ دم و باکر بھاگ گیا اور وہاں سے کئی میل کے فاصلہ پر پھرتا ہوا جا کر رکا۔

شیخ ولی محمد بوقت مغرب امب پہنچ گئے اور وہاں سے امام صاحبؒ کی خدمت میں پیغام

بھیجا کہ آپ رات کو سفر کی زحمت کو ادا نہ فرمائیں بلکہ صبح تشریف لے آئیں؛ چنانچہ آپ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جلوہ افروز ہوئے۔ اسی وقت گڑھی کے باشندوں نے پرچم مصالحت بلند کیا آپ نے شیخ بلند نخت اور شیخ دلی محمد کو دیگر آٹھ غازیوں کے ہمراہ بھیج دیا کہ دریافت کریں کہ وہ کیا چاہتے ہیں انہوں نے آکر رپورٹ دی کہ زہ امان اور اپنے ساز و سامان سمیت وہاں سے نکل جانے کی اجازت چاہتے ہیں آپ نے انہیں ذاتی سامان لے کر چلے جانے کی اجازت دے دی پھر آپ نے دروازہ کھولا اور سامان کا جائزہ لیا اور پائیندہ کے آدمیوں کو کشتیوں پر سوار کر کے دریا کے پار بھیج دیا اس طرح امب پر بھی غازیوں کا قبضہ ہو گیا پھر آپ نے رسالدار عبدالحمید خاں کو چھتر بائی روانہ فرمایا کہ خبر لی تھی کہ وہاں کی گڑھی بھی خالی ہو چکی ہے اور آپ امب کے ضروری انتظامات سے فراغت کے بعد روانہ ہوئے۔

چھتر بائی کی گڑھی تو خالی ہو چکی تھی لیکن غازی چونکہ جلد نہ پہنچ سکے تھے اس لیے پائیندہ خاں کے آدمیوں نے اس پر دوبارہ قبضہ جمالیا۔ امب سے چھتر بائی کو زیریں اور پہاڑی دور راستے جلتے تھے۔ رسالدار عبدالحمید پہاڑی اور امام صاحب زیریں راستے سے گئے اور وہاں مختلف مقامات پر آٹھ مورچے بنالے۔ محاصرہ اگرچہ بڑا مضبوط تھا لیکن گڑھی کے فتح ہونے کی کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی۔ آپ نے امب سے نوپ منگوائی، گوکہ باری کی لیکن نتیجہ پھر بھی کچھ نہ نکلا آخر کار سید صاحب کی خدمت میں صورت حال لکھ کر روانہ کی گئی نیز آپ سے امب تشریف لانے کی درخواست کی گئی تاکہ اس سلسلہ میں راستہ ہٹی کر سکیں۔ سید صاحب تشریف لائے تو آپ نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد شیخ بلند نخت کی قیادت میں پچیس تیس غازیوں کو پختیار سے توپیں لانے کے لیے بھیج دیا۔

۹۷

اس آئندہ میں ایک افسوسناک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ حافظ عبداللطیف نے بطور خود غازیوں سے کہہ دیا کہ نارا عصر کے بعد گڑھی پر حملہ ہوگا۔ مجاہدین نے سمجھا کہ شاید یہ حضرت امام صاحب کا حکم ہے حالانکہ آپ کو اس کا قطعاً علم نہ تھا۔ غازیوں نے حملہ کر دیا لیکن ناکام رہے، چند شہید اور کچھ زخمی ہوئے سید صاحب کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو حکم بھیج دیا کہ غازی چھتر بائی کو خیر باد کہہ کر کھسب بائی تشریف لے چلیں۔ امام صاحب نے اڑھائی سو غازیوں کو مورچوں میں چھوڑا

اور باقی کھل بائی بیچ دیئے۔ اس طرح آپ نے تمام کو احتیاط اور بڑی اچھی تدبیر سے خیر و عافیت کے ساتھ کھل بائی پہنچا دیا۔ غازیوں نے یہاں کئی ماہ تک قیام فرمایا آخر پانڈہ خاں بھی صلح پر آمادہ ہو گیا اور ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۳۵ھ کو اس نے تحریری طور پر معافی مانگ لی۔ الغرض امب اور عشرہ کے یہ معرکہ حضرت امام صاحبؒ کے کمال سپہ گری کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

امام صاحبؒ کے امب میں قیام کے زمانہ کے کئی واقعات کتب تاریخ و سیر میں ملتے ہیں آپ اور خود سید صاحبؒ

امب میں قیام

شکل امور میں سبقت کی کوشش فرماتے تھے تاکہ دیگر مجاہدین دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ وہ خود بھی خوشنوشی خوشی کام پایہ تکمیل تک پہنچانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سید جعفر علی نقویؒ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک زبورک کو امب سے پھرتا ہوا پائی پہنچانے کا پروگرام تھا امام صاحبؒ نے مجھے طلب کیا اور فرمایا کہ اوڈا سے مل کر اٹھائیں جب ہم نے اسے اٹھایا تو آپ نے اپنا مبارک کندھا نیچے کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ بہت وزنی ہے لہذا مجھے اٹھانے کی اجازت عطا فرمائیے۔ آپ نے تسلیم نہ کرتے ہوئے خود ہی اٹھانے پر اصرار فرمایا! چنانچہ حکم کی تعمیل تو کر دی گئی لیکن وزن اس قدر زیادہ تھا کہ آپ برواشت نہ کر سکے اور پاؤں لٹکھڑانے شروع ہو گئے جب دوسرے غازیوں نے دیکھا تو چشم زدن میں پہنچے اور آپ کے مبارک کندھوں سے زبورک لے لی۔ آپ نے فرمایا چونکہ تین کوس کی مسافت طے کرنا ہے اس لیے تمام بھائی باری باری اٹھائیں۔

سید عبدالرزاقؒ ایک مرتبہ کھڑے چلے گئے جب واپس آئے تو امام صاحبؒ نے ذرا برہمی کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے سید صاحبؒ کے پاس شکایت کر دی آپ اس وقت مجلس میں ہی تشریف فرماتھے۔ ان کی شکایت کے جواب میں فرمایا کہ دنیا پرستوں کے ٹوکرا فسر کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتے تو پھر یہ بغیر اجازت کیوں چلے گئے۔ پھر آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

”کون کس کام کے لائق ہے، اس کا فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے جو لوگ میرے ساتھ رہیں گے، وہ مولوی ہوں یا لٹا۔ ان سے جہاد کا کام لینے میں رعایت نہ کروں گا۔ جہاد میں ملتا اور سید دونوں کو آگے رہنا چاہیے۔“

ایک دفعہ سید صاحب فرماتے لگے کہ مجھے تو محض اللہ کی رضا چاہیے، میں جنت کی بھی خواہش نہیں کرتا۔ میری تو بس یہی تمنا ہے کہ وہ مجھ سے راضی رہے اس سے غرض نہیں کہ وہ مجھے جنت سے عطا رکھے یا جنتیوں کا خادم بنا دے یہ سُن کر حضرت امام صاحب فرماتے لگے۔

”یہ بے شک بڑا بلند مقام ہے لیکن جنت سے اس قدر بے پڑا ہی نہ چاہیے اس لیے کہ جنت سے حق اور دوزخ سے باطل مراد ہے اور ایک مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ حق سے بے پروا ہی کا اظہار کرے۔“

سید صاحب نے فرمایا :-

”جب خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا تو بندے کو خود جنت میں داخل فرما دے گا۔ اصل مقصود تو اس کی رضا کا حصول ہے۔ جنت تو اس کی رضا

کی ایک شاخ ہے۔“

www.KitaboSunnat.com

امام صاحب نے جواب دیا۔

”جی نہیں! بلکہ جنت کی بہترین شاخوں میں سے رضا ایک شاخ ہے۔“

مولانا عبدالوہاب نے یہ آیت شریف پڑھی :-

مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسے باغ دے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لیے پاکیزہ قیام گاہیں ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَ
مَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّتِ
وَرِضْوَانٍ مِّنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ^{۹۹}

اور کہا کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رضا ایک دوسری چیز ہے، جنت جس کا ایک

شجرہ ہے۔

امام صاحب گویا ہوئے۔

رضاً چونکہ جنت کی ایک بہترین شاخ ہے اس لیے شرف و علوم مرتبت کے پیش نظر اسے جنت سے الگ بیان کیا گیا۔

ستید صاحب نے یہ فرما کر بات ختم کر دی کہ :-

”میں تکلیف و راحت کا خواہاں نہیں میرا دل تو سراسر رضا کے خیال سے بسر ہے۔“

اسی طرح ایک روز آپ نے صبر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بڑے بڑے عجیب نکات بیان کیے مثلاً ”آپ نے فرمایا کہ۔“ صبر کی دو قسمیں ہیں، بدنی اور نفسانی، بدنی کی پھر دو قسمیں ہیں ایک فعلی دوسری انفعالی، فعلی یہ ہے کہ انسان اعمال شاقہ بہ طیب خاطر ادا کرے۔ انفعالی یہ کہ اگر اس پر شدید مصائب آئیں تو ثابت قدم رہے۔ نفسانی کے بہت سے پہلو ہیں مثلاً :-

- ۱۔ اگر انسان بطون و فردج کی شہوتوں سے محفوظ رہے تو اسے صفت کہتے ہیں۔
- ۲۔ اگر طلب فضول سے پرہیز کرے تو اس کا نام زہد و قناعت ہے۔
- ۳۔ اگر مصیبت کے وقت جزع و فرج سے پرہیز کرے تو یہ معروف صبر ہوگا۔
- ۴۔ اگر حالت جنگ میں فرار سے باز رہے تو اسے شجاعت کہا جائے گا یہ بھی صبر نفسانی ہی کا ایک پہلو ہے۔

۵۔ اگر غضب کی حالت میں انسان دوسرے کو مارنے یا مبرا بھلا کہنے سے باز رہے تو

یہ علم ہوگا۔

۶۔ کسی مہم کے سرانجام میں تجیر و اضطراب سے محفوظ رہنے کو وسعت حوصلہ قرار دیں گے۔

۷۔ اظہارِ اسرار میں ضبط و صبر کو رازداری سے تعبیر کریں گے۔

اس طرح ثابت کر دیا کہ انسان کے اکثر محاسن و فضائل دراصل صبر ہی کے مختلف

شیون و مظاہر ہیں۔

ایک دن قابل اخوندزادہ نے آپ سے حروف مقطعات کے متعلق سوال کیا تو آپ

نے جواب میں یہ آیت شریفہ تلاوت فرادی۔

جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن
کی مشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ
پیدا کرنے کے لیے اور اس کی ماہیت دریافت
کرنے کے لیے حالانکہ اس کی ماہیت نہیں
معلوم ہے مگر اللہ کو۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلٍ
وَمَا يَعْلَمُوْنَ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا
اللّٰهُ ۗ

سید صاحب جب حسن زئی تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے درخواست کی کہ
ہمیں عشر معارف فرادیا جائے، آپ نے تالیف تلوک کرتے ہوئے معارف فرادیا۔ امام صاحب کو جب
اس کا علم ہوا تو آپ نے رؤسا کو جمع کر کے فرمایا :-

”عشر بھی خمس و زکوٰۃ کی طرح شرعی حقوق میں سے ہے اور اس کی
معافی کا امام صاحب کو بھی اختیار نہیں بلکہ امام بھی اگر زراعت
پریشہ ہوتا اسے بھی عشر بیت المال میں جمع کرانا پڑے گا۔“

جب رؤسا کو معلوم ہو گیا کہ یہ ایک شرعی امر ہے تو انہوں نے بھی اسے خوشی خوشی تسلیم کر
لیا۔ یہاں ایک اور بات قابل غور ہے اور وہ یہ کہ آپ سید صاحب کا اس قدر احترام کیا
کرتے تھے کہ بقول نواب وزیر الدولہ مرحوم :-

حضرت ہادی ضال و غنی مولانا عبدالحی
اور جناب عالم جلیل مولانا محمد اسماعیلؒ کو
اگرچہ سید صاحب کے ہاں بہت قرب
حاصل تھا تاہم وہ سید صاحب کے سامنے
بالکل بے حس و حرکت، از خود رفته و سراپا
میطیع و منقاد تھے اور ان کی نشست و برخاست
اور گفت و شنید تک بھی حضرت سید صاحب

حضرت ہادی ضال و غنی مولانا عبدالحی
صاحب و جناب عالم جلیل مولانا محمد اسماعیلؒ
علیہا الرحمۃ از بس کہ بہدایت حضرت
ہادی جلالت عظمت، معرفت مقام قرب خاتم
امام ہمام دریافت بردند از کمال ادب بڑی
آنحضرت مانند نقش و صورت بے حس از
خود رفته سراپا میطیع و منقاد و حسب فرمود آنحضرت

ماجد کشف و شہود نشست و برخاست و گفت و شنود مکرر دین کے حکم کے مطابق ہوتی تھی۔

لیکن چونکہ یہ ایک شرعی معاملہ تھا۔ اس لیے سید صاحبؒ کی بھی پرواہ نہ کی اور بے باک ہو کر حتیٰ کا اظہار فرمادیا۔ قاضی سید محمد جانؒ کو جب ستم میں انتظام عشر کے لیے امیر بنا کر بھیجا گیا تو کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ انہیں بھی آپ کی حق گوئی دے باکی کا یہ واقعہ یاد آ گیا۔ ہر جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ لے جانے پر اصرار کیا اور کہا کہ اگر مجھ سے نادانستہ کوئی فعل خدا اور رسول کی رضا کے خلاف سرزد ہوا تو آپ اصلاح فرمادیں گے۔

جنگِ مروان

جب قاضی سید محمد جانؒ کے زیر امارت اور امام صاحبؒ کے زیر نگرانی تین سو سوار اور اڑھائی سو پیادہ غازیوں کا

تافہ ستم میں نظام شریعت کے استحکام اور بالخصوص عشر کے انتظام کے لیے گیا تو ان صحرا ت نے اپنے مشن کی کامیابی کے لیے دن رات کام کیا۔ علاقہ کے مختلف مقامات کے دوڑے کیے، لوگوں کو وعظ و تبلیغ کے ذریعہ سمجھایا اور بہت سے خوانین کو جمع کر کے انہیں اصلاح احوال کی طرف توجہ دلائی۔ ان میں مروان کا رئیس احمد خاں بھی تھا۔ اس نے جواب بھیجا کہ میں آٹھویں دن ملاقات کروں گا، ادھر بادثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ احمد خاں پشاور کے درانیوں سے ساز باز کر کے مجاہدین کے خلاف محاذ قائم کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہے مجاہدین نے بھی باہمی مشورہ کے بعد مروان پر پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا۔

عشاء کی نماز کے بعد شب خون کی نیت سے غازیوں کا لشکر مروان کی طرف روانہ ہوا جب مروان صرف ڈیڑھ کوس رہ گیا تو معلوم ہوا کہ دشمن کو حملہ کی اطلاع ہو چکی ہے امیر لشکر قاضی صاحبؒ نے امام صاحبؒ اور دیگر اکابر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہاں تک تو اللہ تعالیٰ نے پہنچا دیا ہے۔ اب تیچھے لوٹ جانا مناسب ہے اگر دشمن کے مطلع ہو جانے کے باعث شب خون کے فیصلہ کے مطابق عمل ناممکن ہے تو کوئی مضائقہ نہیں ہم دن کے وقت بھی دشمن سے ہاتھ دو چار کرنے کے لیے تیار ہیں اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں فتح و نصرت نصیب ہوگی۔ قاضی صاحبؒ بھی یہی چاہتے تھے لہذا وہ یہ بات سن کر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس اثنا میں ایک مجرنے بتایا کہ گڑھی کے قریب ہی ایک کھلیان

میں چالیس بیچاس آدمی بند قویں لے کر بیٹھے ہیں۔ مولانا مظہر علی عظیم آبادی کو ایک حبش کے ساتھ ان کی طرف بھیج دیا۔ جب یہ پہنچے تو انہوں نے فوراً بند قویں کو تان لیا۔ ادھر مولانا عظیم آبادی نے بھی ہلہ بول دیا، جس کی تاب نہ لاتے ہوئے کھلیانوں میں بیٹھے ہوئے سپاہی راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس دوران مولانا کی ران پر بھی ایک گولی لگ گئی اور آپ زمین پر گر پڑے، زخموں کو دیکھتے تو فرماتے تم جہلم میں ابھی آتا ہوں وہ سمجھے شاید پاؤں میں کوئی کانٹا وغیرہ پھنچ گیا ہے سچی کہ امام صاحب نے بھی دریافت فرمایا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ آپ میرا خیال نہ فرمائیں۔ پہلے گڑھی کا فیصلہ مطلوب ہے۔ اگر فتح ہو جائے تو مجھے بھی دیکھ لینا کہ کس حال میں ہوں۔ جنگ مسلسل جاری رہی طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد قاضی صاحب نے بھی جام شہادت نوش فرما گئے۔ امام صاحب کو علم ہوا تو فرماتے لگے۔

”الحمد للہ / قاضی القضاة نے اپنی مراد پائی“

لیکن اس بات کا چرچا نہ کرو۔ تاکہ دشمن کو ہمارے امیر کی شہادت کا علم نہ ہو۔ قاضی صاحب کی شہادت کے بعد امام صاحب نے امارت کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے، آخر کار مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی۔ جنگ ختم ہوئی تو احمد خاں کے بھائی رسول خاں نے معافی کی درخواست کی۔ امام صاحب نے فرمایا تم تمام آدمی گڑھی سے نکل جاؤ ہم تمہیں امان دیتے ہیں تمہارا اور دیگر رعایا کا مال محفوظ رہے گا البتہ احمد خاں باغی ہے۔ اس کا تمام مال چھین لیا جائے گا، انتظامات کی تکمیل کے بعد رسول خاں کو خانی کی مسند پر بٹھایا گیا شہاد کو مردان ہی میں آسودہ خاک کیا گیا البتہ جنگ کے بعد قاضی صاحب کے بھائی ان کی میت کو اپنے وطن لے گئے اور وہاں دفن کیا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد امام صاحب نے یہ دن ہوتی میں بسر کیا۔ اگلے دن گڑھی امان زمی میں تشریف لے گئے، تین دن قیام کے بعد سدھم اور شیوہ ہوتے ہوئے پنجاب میں درو مسعود فرما باپہر سید صاحب کی طرف سے بلاوا آنے پر کوٹھا اور کبلی سے ہوتے ہوئے امب تشریف لے گئے اور سید صاحب کی خدمت میں انتظام عشر اور جنگ مردان کی رپورٹ پیش کی۔ سید صاحب نے جب جنگ مردان میں قاضی صاحب کی شہادت کی خبر سنی تو انتہائی افسوس کا اظہار فرمایا۔

جنگ مایار

مجاہدین اور درانیوں کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں سے جنگ مایار بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیوں کہ اس معرکہ میں مجاہدین نے درانیوں کے چھلکے پھڑا دیئے۔ امام صاحب نے اس جنگ میں بھی اپنی خداداد شجاعتوں کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ درانیوں کی فوج بارہ ہزار تھی جب کہ مجاہدین کی تعداد تین، ساڑھے تین ہزار سے متجاوز نہ تھی درانیوں نے جب حملہ کیا تو ان کی کثرت، تعداد کی وجہ سے یوں معلوم ہوتا تھا گویا تمام مجاہدین ان کے زرخے میں آگئے ہیں اس موقع پر امام صاحب نے شیخ دلی محمد کو اپنے ساتھ لیا اور دشمن کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کے لشکر کے دو گروہوں نے باری باری بڑے زور دار حملے کیے لیکن ہر بار انہیں نامی کا نہ دیکھنا پڑا۔ آپ نے ان حملوں میں بھی کئی درانی فوجیوں کو خاک و خون میں تر پنے پر مجبور کر دیا۔ اس معرکہ میں آپ کے لیے بھی ایک بڑا کھن مرحلہ آیا۔ وہ یہ کہ جنگ شکیاری میں چونکہ آپ کی اہمیت مبارک زخمی ہو گئی تھی، اس لیے آپ جلد بندوق نہیں بھر سکتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی بندوق خالی تھی اور اسے بھرنے کی کوشش میں تھے، کہ ایک درانی سوار آپ کے بہت قریب آ گیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب وقت شہادت آ پہنچا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو ابھی کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی لمحہ حافظ وجیہ الدین چلیتی نے آپ کو دیکھا تو انہوں نے فوراً درانی سپاہی کو اپنی گولی کا نشانہ بنایا اور اس طرح امام صاحب کی جان بچی البتہ اس جنگ میں دیگر اٹھائیس مجاہدین کو جام شہادت نوش فرماتے کا موقع ملا۔ اسی کے قریب درانی بھی مقتول ہوئے۔ امام صاحب نے اپنے شہدائے کرام کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فراغت کے بعد تمام رفقائے حمیت و یرتک ان کی مغفرت کے لیے دعا کی۔ تمام کی آنکھوں سے اشک رواں تھے اور زبان سے یہ کلمات ادا ہو رہے تھے کہ ہمارے یہ بھائی تو منزلی مراد کو پہنچ گئے۔ اسے کاش / ہمیں بھی راہ خدا میں شہادت نصیب ہو۔

جنگ مایار سے فراغت کے بعد مجلس مشاورت نے پشاور کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ بھی کیا ہی

مردان کی طرف روانگی

تھا کہ مردان سے چند لاکھ صاحبان آئے اور انہوں نے کہا کہ درانی سراسیمہ ہو کر فرار ہو گئے ہیں ان کا متروکہ سامان موجود ہے اس کی حفاظت کا بندوبست کیجئے۔ سید صاحب نے فوراً امام

صاحب کو ایک سو رفقاء کے ساتھ مردان روانہ فرما دیا۔ ان میں سے کچھ ایسے غازی بھی تھے جنہوں نے گزشتہ چوبیس تیس گھنٹوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ٹھوک کی وجہ سے پیٹ میں قراقرٹھ رہے تھے لیکن جب فرانس نے پکارا تو فوراً سونے منزل رواں دواں ہو پڑے۔ جب ہوتی کے قریب پہنچے تو گڑھی سے کچھ گولیاں آئیں۔ امام صاحب نے جب دیکھا تو غازیوں کو چار چار قدم کے فاصلہ پر چلنے کا حکم دیا۔ اسلام کے یہ جانناز سپاہی بڑی شان و شوکت سے قدم بڑھاتے ہوئے مردان کے مغربی سمت ایک باغ میں پہنچ گئے۔ اگرچہ گڑھی مڑانی کے بڑجوں سے مسلسل گولیاں آ رہی تھیں لیکن ان غازیوں کے ایثار سپہ سالار حضرت امام صاحب نے ان کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب لیا تھا، جہاں وہ بالکل محفوظ تھے۔

کچھ دیر بعد گولیاں تو دمدم پڑ گئیں لیکن انہوں نے ایک چال اور چلی اور وہ یہ کہ غازیوں کو زبردستی کھانا کھلانے کا ارادہ کیا اس غرض سے امام صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ اجازت ہو تو کھانا لائیں۔ فراسات مومن کے بھی قربان جائیں، آپ ان کے اس برے ارادے کو بھی بھانپ گئے اور فرماتے لگے: خبردار! ان شرارتوں سے باز آ جاؤ ورنہ درانیوں سے بالی نصیبت میں حاصل کی ہوئی توپوں کے ساتھ گڑھی کو نصیبت دناؤ کہ دوں گا؛ چنانچہ آپ نے شاہینوں کو لانے کے لیے آدمی بھی روانہ فرما دیئے۔ جب ان کو علم ہوا تو دوڑے آئے اور صلح کے لیے آمادہ ہو گئے۔

رمول خاں نے صلح کے لیے یہ شرط پیش کی کہ غازی قبصے سے باہر نہیں گے اور اندر داخل نہ ہوں گے۔ امام صاحب نے سید صاحب کے استفتاء کے ساتھ اس شرط کو تسلیم کر لیا اس کے بعد آپ نے مرزا احمد بیگ کی قیادت میں پچاس غازیوں کو گڑھی پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ فرمایا اور تمام بڑجوں پر پہرے دار تعین کر کے بند دہلیں چلانے کا حکم دے دیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ قبضہ مکمل ہو چکا ہے۔ رمول خاں کو سید صاحب کی خدمت میں تورو بھیج دیا۔ سید صاحب کو صلح کی شرائط کی خبر دینے کے لیے کچھ غازی بھی بھیجے جب سید صاحب کی آمد کی خبر ملی تو پھر ایک غازی کو آگے بھیج دیا کہ آپ کی خدمت میں یہ عرض کریں کہ یہ شرائط صلح میں طے پا گیا ہے کہ آپ باہر تشریف رکھیں، اندر قدم رکھنے نہ فرمائیں۔

سید صاحب کی تشریف آوری کے موقع پر سواروں اور پیادوں کا بے پناہ ہجوم ان کے ساتھ تھا اس لیے جس غازی دلائیفیض محمد کو بھیجا گیا تھا وہ آپ تک پہنچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس لیے سید صاحب کو صلح کی شرائط کا علم نہ ہو سکا اور آپ اندر تشریف لے آئے۔ امام صاحب کو جب آپ کے اندر تشریف لے آنے کی خبر پہنچی تو سختے کی حالت میں فوراً آپ کے پاس پہنچے اور جاتے ہی کہا :-

خدا بخود خلاف شرع امر کے مرتکب ہوئے۔ شکر اسلام میں سے ایک آدمی کے عہد کا ایفادہ بھی امام اور پورے لشکر پر واجب ہو جاتا ہے۔ مجھے آپ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا تھا لیکن آپ نے میرے عہد کا بھی خیال نہ رکھا اور قصبے میں داخل ہو گئے۔ یرشکر ہے، اسے میدان میں ٹھہرنا چاہیے پیر زادوں کا قافلہ نہیں کر قصبے میں گھس آئے تھے

در اصل کسی ملکی نے سید صاحب کو امام صاحب کی طرف منسوب کر کے قصبے میں آنے کا بیٹھام دے دیا جس کی وجہ سے سید صاحب اندر تشریف لے آئے امام صاحب نے جب اظہار برہمی کیا تو سید صاحب فرمانے لگے۔

مجھ سے کہا گیا تو آیا، ورنہ کاہے کو آتا۔ میں بھی جاتا ہوں یہ فرما کر مشرقی دروازے سے باہر نکلے اور ندی کے مشرقی کنارے پر قوت کے درختوں کے سائے میں جا بیٹھے۔

امام صاحب کی اس روش کو اپنے پیر و مرشد کی سبوتاژ پر محمول نہ کیا جائے۔ حاشا وکلا، آپ تو اپنے پیر و مرشد کا اس قدر ادب و احترام کرتے کہ جب وہ سوار ہوتے تو آپ رکاب تھام کر چلتے تھے، جب وہ محو استراحت ہوتے تو ساری رات ان کی چادر پائی کے پاس بٹھیکر گزار دیتے اور جب وہ کسی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو آپ بالکل بے حس و حرکت رہتے اور آپ کی بات کا جواب بھی بڑی شکل سے دیتے تھے۔ یہاں آپ کا یہ اظہار برہمی جو جس ایمانی، حتیٰ کی پاسداری، شرعی معاملات میں سختی سے پابندی اور

حق گوئی دے باکی کے سبب ہے اور بس جیسا کہ قبل ازیں بھی اس طرف اشارہ کیا یہ بعد میں جب آپ کو شیخ ولی محمد کی زبانی معلوم ہوا کہ سید صاحب کی خدمت میں کوئی پیغام نہیں پہنچا تھا تو ضروری امور سے فراغت کے بعد سید صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور انتہائی ادب سے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے، سید صاحب نے بھی آپ کی حق گوئی پر کسی ملال کا اظہار نہ فرمایا بلکہ اہل قصبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ لوگوں نے میاں صاحب سے ہماری شکایت کر کے انہیں ناراض کر دیا۔ پھر آپ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مجھے آپ کے عہد و پیمان پر کسی نے مطلع نہیں کیا ورنہ ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ آپ نے بھی انتہائی مؤدبانہ پیرایہ بیان میں صورتِ حالات کی وضاحت فرادی۔ اہل قصبہ نے جب شکر اسلام کے سپہ سالاروں کی حق شناسی کا یہ منظر دیکھا تو بہت معذرت کی اور سید صاحب کی خدمتِ اقدس میں اصرار کرتے لگے کہ آپ ضرور گڑھی کو قدمِ مہینتِ لزوم سے نوازیں چنانچہ آپ نے ان کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔

پشاور کے سرداروں نے جب
مجاہدین کی کامیابی کو دیکھا تو

سردارینِ پشاور کا پیغامِ مصالحت

سلطان محمد خاں وغیرہ نے مصالحت کے لیے سلسلہ جنبانی شروع کر دیا۔ مشورہ کے بعد امام صاحب کو ان سے ملاقات کے لیے نامزد کیا گیا آپ چوبیس غازیوں کے ہمراہ ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ سلطان محمد خاں کی تمنا تھی کہ گڑھی میں امام صاحب کی ملاقات ہوتا کہ دروازہ تک استقبال کے لیے خود جا سکے لیکن اربابِ فیض اللہ خاں نے گڑھی کے دروازے کے سامنے باغ میں ملاقات کا انتظام کیا۔ امام صاحب نے پندرہ سولہ زھار کو اس مقام پر متعین فرادیا، جہاں سے سلطان محمد خاں کے لشکر کی آمد ممکن تھی۔ اور آپ تمام ملاقات پر تشریف لے گئے۔ سلطان محمد خاں آکر بیٹھ گئے۔ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد کہنے لگا کہ آئندہ سے میں دین کی خدمت اور غازیانِ اسلام کی اعانت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا؛ چنانچہ یہ پہلی مجلسِ معمولی گفتگو پر ہی اختتام پذیر ہوئی۔ یہ جمعرات کا دن تھا اس کے بعد ہفتہ کے دن ملاقات کا پروگرام طے پایا، پروگرام کے مطابق جب ہفتہ کے دن مذاکرات ہوئے

تو دیگر اُمود میں بحث کے علاوہ سلطان محمد خاں نے حضرت سید صاحبؒ سے ملاقات کا اشیاق بھی ظاہر کیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا یہ حضرت کا رائے پر موقوف ہے لہذا آپ سے دریافت کے بعد تبادیا جائے گا۔

آپ نے سید صاحبؒ سے اس کا ذکر کیا تو وہ ملاقات کے لیے تیار ہو گئے پشاور اور ہزار خانی کے درمیانی میدان کا ملاقات کے لیے انتخاب کیا گیا وہ دونوں فریق اپنے اپنے لشکر کے ہمراہ ملاقات کے لیے آئے۔ امام صاحبؒ ارباب بہرام خاں، سید صاحبؒ کی مدد کر رہے تھے جب کہ ارباب فیض اللہ خاں اور مردان خاں، سلطان محمد خاں کے معاون تھے۔ قریباً آدھ گھنٹہ تک گفتگو جاری رہی جو کہ فریقین کی مصالحت پر منتج ہوئی۔

سلطان محمد خاں کے بعد خیر سے امت تک کے تقریباً تمام رؤسا و خواہنوں نے بھی لغت کر کے اطاعت کا اظہار کیا جس سے بظاہر معلوم ہونے لگا کہ تین چار برس کی جانفشانیوں میں جان پڑ گئی ہے اور وہ روشن مستقبل کی غمازی کر رہی ہیں مگر افسوس کہ سردارانِ پشاور نے دھوکا دیا اور یہ جوئے نور سراب ثابت ہوئی۔

معلوم ہوتا ہے کہ سرداروں نے مصالحت سے جب مجاہدین کو مطمئن کر دیا تو خود دام سہنگ زمین بچھا کر خفیہ سازشوں کے منصوبے بنانے میں مصروف ہو گئے انہوں نے سازش کا جال کچھ اس قسم کا بنانا چاہا کہ مختلف مقامات کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملائیں اور ان علاقوں میں بکھرے ہوئے مجاہدین کو ایک ہی وقت میں کاٹا بے خبری کے عالم میں شہید کر دیں۔ ارباب فیض اللہ خاں کو جب اس جوڑ توڑ کی اطلاع ملی تو انہوں نے فوراً پشاور کے قاضی مولانا منظر علی صاحبؒ کو مطلع کیا اور کہا کہ امیر المؤمنین کو بھی اس صورتِ حال سے آگاہ کرو۔ اسی طرح شیخ حسن علی بن کا پورا خاندان سید صاحبؒ کے حکم سے دکھاڑا میں مقیم تھا۔ انہیں سازش کی ابتدائی خبر دکھاڑا کی مسجد کے امام سید انصر سے معلوم ہوئی۔ انہوں نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو دکھاڑا سے سید صاحبؒ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر پختیار بھیج دیا کہ ایک سازش کا انکشاف ہوا ہے اور وہ یہ کہ سردار ایک ہی شب میں مختلف مقامات میں موجود غازیوں کو خاکِ جنوں میں تڑپانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ لیکن سید صاحبؒ

کو خبر کی صحت میں تامل ہوا۔

شیخ عبدالعزیز نے واسطیٰ کرجب اپنے بھائی اور سید محمد اصغر کو بتایا کہ سید صاحبؒ اس خبر کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو انہوں نے بڑے انفوس کا اظہار کیا سید محمد اصغر نے دوبارہ پیغام بھیجا لیکن سید صاحبؒ نے یہی فرمایا کہ سب کے رؤسا و خواہن ہمارے دوست ہیں اور یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ شیخ نے دکھاڑا پہنچ کر جب بتایا کہ سید صاحبؒ اپنے موقع پر بدستور قائم ہیں تو سید محمد اصغر قلعہ و اضطراب کے عالم میں اشکبار ہو کر کہنے لگے میری بات کو یاد رکھنا، دو تین روز بعد حقیقت واضح ہو جائے گی۔ چنانچہ چند دن بعد ہی بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور پشت اور کے سرداروں نے مولانا مظہر علی، ان کے رفقاء اور ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر دیا۔

سید صاحبؒ کو جب اس حادثہ کا علم ہوا تو انہوں نے امام صاحبؒ اور دیگر مشیروں سے مشورہ کیا اور مختلف مقامات میں موجود غازیوں کو بیخبر چھینچنے کا پیغام بھیج دیا۔ امام صاحبؒ نے مسجد کے جنوب مغربی کونے میں توپیں نصب کرا دیں۔

پشاور اور تھمہ کے باشندوں کی غداری اور بد عہدی سے
جنگ بالاکوٹ
 امیر المؤمنین حضرت سید صاحبؒ بہت بیزار ہو گئے حتیٰ کہ ان کے علاقے میں اب قیام کو بھی پسند نہ فرمایا اور وہاں سے ہجرت کا غم کر کے دشوار گزار کوٹافی راستوں اور سنگلاخ گھاٹیوں کو طے کرتے ہوئے راجدواری تشریف لے گئے حضرت امام صاحبؒ بھی آپ کے رفیق سفر تھے۔ راجدواری پہنچے تو برف باری کا موسم شروع ہو چکا تھا اس موسم میں جہاد ممکن نہ تھا اس لیے پورے لشکر کو وہاں رکھنے کے بجائے مختلف مقامات پر پھیلا دیا گیا شکیاری کے قریب درہ بھوگڑ سنگ خاص اہمیت کا حامل تھا کیوں کہ یہاں سکھوں کی ایک چھاؤنی تھی سکھوں کی طرف سے حملہ کی روک تھام کے لیے سید صاحبؒ نے درہ بھوگڑ سنگ میں چار سو غازیوں کا ایک لشکر روانہ فرما دیا۔ امام صاحبؒ اس کے امیر اور مولانا خیر الدین شیر کوٹی جج نائب امیر و مشیر تھے۔ امام صاحبؒ نے راستہ میں ایک منزلی پر قیام فرمایا۔ مولانا خیر الدین کو سارے تین سو غازیوں کا امیر بنا کر بھوگڑ سنگ روانہ فرما دیا اور خود پچاس رفقاء سمیت بھوگڑ سنگ سے

چند میل کی مسافت پر واقع موضع سچون میں تشریف لے گئے اس اثنا میں سید صاحب کو معلوم ہوا کہ سکھوں نے اپنے آلام و مصائب کا صرف عام مسلمانوں کو ہی تختہ مشق نہیں بنا رکھا بلکہ بہت سے خوانین اور رؤسا پر بھی عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے ان تمام سرداروں نے سید صاحب کی خدمت میں امداد کی درخواستیں ارسال کیں۔ سید صاحب نے یہ تمام حالات لکھ کر امام صاحب کی خدمت میں بھیج دیئے اور فرمایا کہ آپ فوراً بالا کوٹ تشریف لے آئیں۔ آپ نے یہ حکم پہنچتے ہی مولانا خیر الدین کو لکھا کہ آپ فوراً بالا کوٹ پہنچ جائیں، میں بھی دو تین روز تک پہنچ جاؤں گا۔

آپ ۲۹ شعبان ۱۲۴۷ھ کو سچوں سے سوتے بالا کوٹ روانہ ہوئے لیکن بطور توریہ فرمایا کہ بھوگرٹنگ جانا ہے جب روانہ ہوئے تو برف باری ہو رہی تھی۔ بھوگرٹنگ پہنچ کر درختوں کے نیچے قیام فرمایا اور زقار کو بتایا کہ ہمیں بالا کوٹ جانا ہے راستہ میں ایک گاؤں آیا اس میں کچھ دیر ٹھہرے، کپڑوں سے برف ہاٹھی اور جب معلوم ہوا کہ اس گاؤں میں ٹھہرنے کے لیے کوئی خالی مکان نہیں مل سکے گا تو پھر سوتے منزل چل پڑے۔ نماز عصر وہیں کوہ میں اور مغرب بعض غازیوں نے پہاڑ کی چوٹی اور بعض نے دوران چڑھائی ادا فرمائی راستہ کے سنگلاخ اور انتہائی دشوار گزار مہنے کے باعث اس سفر میں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ جسمانی اعتبار سے بڑے نحیف و نزار اور دھان پان تھے ان دنوں طبیعت بھی علیل تھی۔ چلتے چلتے جب تھکن سے چور ہو سیکے تو ایک جگہ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔

بھائیو! کچھ سو، ہم تو یہاں سے اٹھتے نہیں۔ چند جواں قامت غازی دور کر مٹی کوٹ سے چار پائی اور کچھ آدمیوں کو لے کر آئے اور آپ کو چار پائی پر ڈال کر مٹی کوٹ پہنچا دیا۔ اسی شام رمضان المبارک کا چاند طلوع ہوا اور آپ دوسرے دن بالا کوٹ تشریف لے گئے۔

سرداروں نے جب آپ سے ملاقات کی تو آپ سے بھی امداد کی درخواست کی۔ آپ نے غازی بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔ مولانا خیر الدین کو امیر بنانا چاہا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ ان رؤسا کا کوئی اعتبار نہیں۔ نامعلوم کس مشکل میں پھنسا کر علیحدہ ہو جائیں۔ آپ نے زبردست کٹھن کے ہمراہ تین سو غازیوں کو منظر آباد روانہ فرما دیا۔ سید صاحب کو جب مولانا خیر الدین کی معذرت

کاظم ہوا تو آپ نے ان کے نام فران بھیجا کہ اگرچہ آپ کا عذر معقول ہے تاہم آپ کو ضرور جانا چاہیے؛
چنانچہ وہ بھی دس آدمیوں کے ساتھ منظر آباد پہنچ گئے۔

مولانا نصیر الدین منگلوریؒ نے بالاکوٹ میں نماز تراویح کا انتظام

دینی مصروفیات

کیا۔ امام صاحبؒ ضعف و نفاہت کے باعث شریک نہ
ہرتے تھے لیکن تمام رفقاء سے فرما دیا کہ میں مجبوری کے سبب نماز تراویح میں شریک نہیں ہوتا لہذا
اس سلسلہ میں کوئی میری پیروی نہ کرے، البتہ کوئی میری طرح مجبور ہو تو اور بات ہے۔ اس زمانہ
میں ملا محمد آپ سے سورہ انفال کا ترجمہ پڑھتے تھے مولانا جعفر علی نقویؒ نے بھی پڑھنے کا اشتیاق
ظاہر کیا لیکن آپ نے قلتِ فرصت کے پیش نظر معذرت کر دی۔ جب رمضان المبارک کی ستائیس
تاریخ ہوئی تو آپ نے فرمایا :-

”آج جی چاہتا ہے کہ دو رکعت تراویح میں بھی پڑھ لوں، لیکن
شرط یہ ہے کہ امام مجھے بنایا جائے۔“

اس پر جب نے عرض کیا کہ آپ کی موجودگی میں امامت کا اور کون حدتار ہو سکتا ہے؟ مولانا
سید جعفر علی نقویؒ رقمطراز ہیں کہ :-

”آپ نے دو رکعتوں میں پوری سورہ بنی اسرائیل تلاوت فرمائی
اور اس کیفیت میں فرمائی کہ ابتداءً سے آج تک کسی امام کے
پچھے نماز میں وہ حظ و لذت نصیب نہ ہو سکی اور تمام عمر از یاد بخواب
رفت۔“

سید صاحبؒ ۲۲ رمضان المبارک

تجویرِ شہخون اور پیغامِ سید صاحبؒ

ہی کو راج دہاری سے سچون

روانہ ہو گئے تھے اور ۲۴ رمضان المبارک کو وہاں پہنچ گئے تھے، ۲۷ رمضان المبارک کو جمعہ کا
خطبہ بھی وہیں ارشاد فرمایا۔ آپ ابھی تک سچون ہی میں قیام پذیر تھے کہ امام صاحبؒ کو اطلاع
 ملی کہ شیرنگھ اور نجف خاں گڑھی حبیب اللہ آگئے ہیں اور جگہ جگہ سے فوج جمع کر کے جنگی
تیاروں میں مصروف ہیں امام صاحبؒ نے یہ تمام حالات سید صاحبؒ کی خدمت میں کھنکھتے

ایک دن خود ہی شیخ جن کا فیصلہ کر لیا لیکن اسی روز سید صاحب کا ایک خاص خادم و زنج ذیل پیغام لایا :-

مدت است کہ آں برگزیدہ بارگاہ از
 ماجد استند و اشتیاق از بس داریم۔ نامہ بہ
 آپ بہت مدت سے ہم سے جدا ہیں لہذا
 ملاقات کا اشتیاق بہت زیادہ ہے اس لیے
 آپ کو بلایا جاتا ہے سرور حبیب اللہ خاں
 طلب سے رسد و از عقب سرور حبیب اللہ
 خاں ہم سے رود۔ حکم قطعی برائے خود، ہمیں
 بھی آرنا ہے لہذا آپ اسے قطعی حکم سمجھتے ہوئے
 داند کہ زود از زود روانہ نزد ایں جانب
 جلد از جلد ہمارے پاس تشریف
 لائیں۔

شونہ

اس مکتوب کے اہتمام پر مہر اور آغاز پر کلمۃ اللہ کافی "ثبت تھا۔ اصطلاح میں اس سے انتہائی تائید مراد تھی۔ امام صاحب نے یہ مکتوب پڑھتے ہی فرمایا کہ :- "بھائیو مجھے حضرت نے طلب فرمایا ہے اس لیے شیخ جن کا ارادہ ملتوی کیا جاتا ہے۔" کچھ اجاب نے درخواست کی کہ شیخ جن کا فیصلہ ملتوی نہیں کرنا چاہیے سید صاحب کی خدمت میں یہ حالات لکھ بھجھنے چاہئیں لیکن آپ نے فرمایا حضرت کا از حد تائید فرما ہے جس کی اطاعت سے انکار کی مجھے گنجائش نہیں۔ آپ نے شیخ بلند نخت کو امیر بنایا اور خود سید صاحب کی خدمت میں شیخ تشریف لے گئے۔ شیخوں میں دیگر امور کے علاوہ سید صاحب کے حکم سے آپ نے "شکوۃ المصاریح" کا درس بھی شروع فرمایا۔ ہر روز صبح کے وقت ایک مجلس میں چند احادیث کا ترجمہ و تشریح بیان فرماتے۔ ان مجلسوں میں سید صاحب بھی شرکت فرماتے۔ عصر کے بعد مجمع عام میں شکوۃ کی ایک فصل سامنے رکھ کر خطاب فرماتے۔ سید صاحب نے آپ کو یہاں اس لیے طلب فرمایا تھا کہ کھول کی طرف سے درہ بھوگڑ ننگ پر حملہ کا خطرہ تھا۔ ابھی تک آپ کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ بالاکوٹ سے حبیب اللہ نے لکھا کہ شیرنگھ بالاکوٹ میں پیش قدمی کا ارادہ کرنا ہے لہذا آپ جلد بالاکوٹ تشریف لے آئیں، چنانچہ آپ امام صاحب اور دیگر رفقاء سمیت ۵ ذی قعدہ (۱۸۳۱ء) کو شیخوں سے بالاکوٹ روانہ ہو گئے۔

جدید تبلیغ | پہاڑی راستہ تھا، کمزوری طبیعت کے باعث امام صاحب کا چند

قدم پر سانس مچھول جاتا۔ جب تھکاوٹ سے بہت چور ہو جاتے تو پتھر پر بیٹھ کر وعظ فرمانا شروع کر دیتے سانس درست ہو جاتا تو پتھر سفر جاری فرما دیتے۔ اسی طرح کے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

بھائیو! خیال کرو۔ اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ اپنے کسی کام کے لیے ایسے دشوار گزار راستے پر بھیجتا تو بلا عذر جانا اور رنج راہ اٹھانا پڑتا۔ لیکن وہ نوکری صرف گزراں دنیا کے لیے ہوتی۔ الحمد للہ آج ہم کسی کے نوکر نہیں ہیں بلکہ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کے لیے یہاں آئے ہیں اور خوشی خوشی یہ سب محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں اگر ہماری نیتیں خالص ہیں تو اللہ تعالیٰ آخرت میں بڑا درجہ دے گا۔

پہاڑ کی چوٹی پر کئی چشمے تھے۔ سید صاحب و ماں ٹھہر گئے اور امام صاحب سے فرمایا کہ آپ بالا کوٹ تشریف لے جا کر ہمارے خورد و نوش کا انتظام کریں لیکن بعد میں پیغام بھیج دیا کہ آپ ہمارا انتظار نہ کریں، ہم رات پہاڑ پر ہی بسر کریں گے؛ چنانچہ سید صاحب صبح بالا کوٹ روانہ ہوئے۔ امام صاحب نے ست بنے کے نلے پر آپ کا استقبال کیا جنگ بالا کوٹ کے واقعات سمجھنے کے لیے بالا کوٹ کے محل وقوع کی وضاحت ضروری ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

.. بالا کوٹ ضلع ہزارہ کی تحصیل مانسہرہ کا مشہور قصبہ ہے اور تحصیل کے

بالا کوٹ

شمالی و مشرقی گوشے میں وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر پاسبان کی حیثیت میں کھڑا ہے۔ اردگرد کے پہاڑی سلسلوں کو پیش نظر رکھا جائے تو بالا کوٹ وادی کاغان کا ایک حصہ معلوم ہوگا چونکہ اس کے سر پر پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے اور دریا نے کُنہار (جس کا اصل نام دریا نے کاغان ہے) کے منہ کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہا، اس لیے بالا کوٹ وادی کاغان سے منفک ہو گیا۔

.. مانسہرہ سے جو سڑک پہاڑوں کے نشیب و فراز سے گزرتی اور بیچ و خم کھاتی ہوئی نظر آئے

اور سری نگر جاتی ہے، وہ پندرھویں یا سوہویں میل پر وادی کنہار میں داخل ہوتی ہے۔ وہاں اس کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ایک شاخ دریا کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ جنوب کو گئی ہے قریباً ڈیڑھ میل پر ایک پل ملتا ہے اس سے گزر کر مشرقی کنارے پر جائیں تو تھوڑی دور گراھی حبیب اللہ خاں کی آبادی ہے۔ یہی سڑک مظفر آباد اور سری نگر جاتی ہے دوسری شاخ کنہار کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ شمال کو گئی ہے اس کے دسویں میل پر بالا کوٹ واقع ہے۔

سید صاحب جب بالا کوٹ تشریف لائے تو سکھ لشکر دریائے کنہار کے مشرقی کنارے پر بالا کوٹ سے جنوب کی جانب

شکر گاہیں

دو اڑھائی کوس کی مسافت پر ہوگا۔ آپ نے بالا کوٹ پہنچ کر مختلف گزر گاہوں کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ سکھوں کے لیے بالا کوٹ پر حملے کی دو ہی صورتیں تھیں اول یہ کہ وہ کچھلی کی طرف سے پہاڑ پر چڑھ کر مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اترتے اور دوم یہ کہ کنہار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالا کوٹ کے سامنے پہنچتے۔ انہوں نے دوسری صورت اختیار کی کیوں کہ پہلی شکل اختیار کرنے سے وہ توپیں اور بھاری سامان اس راستے سے نہیں لے جاسکتے تھے سید صاحب نے بھی دفاعی انتظامات کے لیے جگہ جگہ مورچے بنوا کر ان میں مجاہدین کو متعین کر دیا۔ لڑائی کی حکیم یہ تھی کہ سکھ مٹی کوٹ کے ٹیلے اور قصبے کے درمیانی نشیبی علاقہ میں جس وقت پہنچیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ امام صاحب کی جماعت کو قصبے کی جانب بٹھانے کا فیصلہ کیا گیا، لیکن یاد رہے آپ خود جماعت کے ساتھ نہیں تھے

بلکہ غازیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ مسجد بالا کے پاس شمالی طرف قیام فرماتے آپ کی جماعت کے بائیں طرف شیخ ولی محمد اور آپ کے سامنے مسجد کی مغربی جانب مولانا احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کا مورچہ تھا۔ اسی طرح دیگر جماعتوں کی بھی موزوں مقامات پر مورچہ بندی کر دی گئی تھی۔

صبح کی نماز مسجد بالا میں ادا کی گئی، سید صاحب نے امت کے فریضہ انجام دینے کے لیے سکھ لشکر ایک دن پہلے ہی پہاڑ پر پہنچ گیا تھا لیکن رات سو جانے کے باعث پیش قدمی نہ کر سکا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی مٹی کوٹ کی شمالی جانب سے نمودار ہوئے اور گویاں چلانے لگے ان کے شاہینوں کے گولے تو قصبے کے اوپر سے

جنگ

نکل رہے تھے۔ سید صاحب نے تمام چاعتوں کے اُمراء کو حکم دے رکھا تھا کہ مورچوں میں بیٹھ کر دفاع کریں اور اس وقت تک باہر نہ نکلیں جب تک کہ ہمارا نشان آگے بڑھتا ہوا نظر نہ آئے۔ سکھوں کی طرف سے گولیوں کی موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ بعض غازی زخمی ہو گئے آہستہ آہستہ پوری سکھ فوج مٹی کوٹ کے ٹیلے سے بالا کوٹ کی طرف نیچے اتارنے لگی یہ دیکھ کر سید صاحب مسجد بالا سے مجاہدین کے ایک دستے کے ساتھ روانہ ہوئے حضرت امام صاحب نے جب آپ کو دیکھا تو اپنے اپنے مورچے سے نکل کر آپ کے ساتھ لگے مسجد زمینی میں چند لمحات قیام کے بعد سید صاحب اچانک دلدل میں داخل ہو گئے امام صاحب نے دیکھا تو لمبی مار کی بندو قوں والے مجاہدین کو سید صاحب کے ارد گرد جمع ہو جانے کا حکم دیا۔ آخر کار بڑا گھسان کارن پڑا۔ سکھ فوج اگرچہ مجاہدین کی نسبت بارہ گنا زیادہ تھی لیکن غازیوں نے بڑی عزیمت و استقامت کے ساتھ مردانہ وار مقابلہ کیا۔ غازی پھرے ہوئے شیروں کی طرح جس طرف رخ کرتے دشمن کی صفیں الٹ دیتے تھے کہ سکھ سپاہ ہو گئے اور آخر کو شہر شکر نے خود تلوار ہاتھ میں لی اور آگے بڑھا شروع کیا، یہاں شکھ اسے روک رہا تھا لیکن اس نے کچھ نہ سنا اور آگے ہی بڑھا گیا اس نے اپنے دیگر ساتھیوں کو بھی میدان میں لڑنے پر ابھارنا شروع کیا۔ سکھ فوج واپس آگئی اور اس نے بڑی شدت سے حملہ کیا الغرض دونوں فوجیں بڑی بہادری سے لڑتی رہیں اور فریقین کی طرف سے بڑی زبردست آتش بازی ہوتی رہی سید صاحب اور امام صاحب نے بھی شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے تھے کہ سکھ مؤرخ متناہ شکھ نے بھی لکھا ہے کہ :-

خلیفہ سید احمد شاہ و مولوی اسماعیل کہ ہر دو افسران کلاں ترانے فوج بوند بہ ذات خود حملہ کناں و اللہ اکبر گویاں در زمین سو تر کہ در میان ہر دو بوند آمدند وہ آواز بلند گفتند کہ کافران رفتند، حملہ بہ

خلیفہ سید احمد شاہ اور مولوی اسماعیل کہ بھی جو فوج کے سب سے بڑے سردار تھے، بہ ذات خود حملے میں شریک ہو گئے وہ اللہ اکبر کہتے ہوئے سو تر کی زمین میں پہنچ گئے زور زور سے کہہ رہے تھے، دیکھو کافر شکست کھا کر جا رہے ہیں ان پر زور بول رہے۔

ذیقین میں بڑا زبردست مقابلہ ہوتا رہا۔ بالآخر مشیتِ ایزدی کے مطابق اس معرکہ میں سید صاحب، امام صاحب اور دیگر بہت سے مجاہدین اسلام جامِ شہادت نوش فرما گئے۔ سیدین شہیدین کی شہادت کیسے واقع ہوئی اس میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور پھر سید صاحب کی شہادت یا ضیوبت میں بھی اختلاف ہے اس کی تفصیل کے لیے سید احمد شہیدؒ، مصنف مولانا غلام رسول ہر کا مطالعہ فرمائیے یہاں ہم صرف امام صاحب کے متعلق آپ نے جو روایات جمع کی ہیں ان کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

منظورہ میں ہے کہ ان کلام **شہادت کیسے ہوئی** گولی لگی سید عبدالرحمن (خواہر زادہ سید صاحب)

نے شیخ ولی محمد اور امان اللہ خاں کھنوی کی زبانی سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی اس سے اگرچہ خفیت زخم آیا لیکن داڑھی خون سے رنگی گئی پھر آپ ننگے سر امان اللہ خاں کو بیٹے بندوق بھری ہوئی تھی۔ اور بلبلی چڑھی ہوئی تھی۔ پوچھا: امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ امان اللہ خاں نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ادھر سے کثرت گولیاں آ رہی تھیں لیکن یہ کہتے ہوئے چلے گئے:

جائی! میں تو وہیں جاتا ہوں۔ پھر معلوم نہ ہو سکا کہ کس سر سے شہادت پائی۔ میان حنیظ اللہ دیوبندی نے انہیں دھانوں کے کھیتوں میں مٹی کوٹ کے نالے سے قریب بندوق چلاتے دیکھا تھا۔

میاں امام الدین بڑخانوی کا بیان ہے کہ جب غازی حضرت امیر المؤمنین کی تلاش میں تھے تو کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا رفل کندھے پر رکھے ہوئے چہل قدمی کر رہے تھے پیشانی سے خون جاری ہے۔

لعل محمد جلدیش پوری مٹی کوٹ کے دامن کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے بائیں طرف سے مولانا اسماعیل رفل کندھے پر ڈالے اور تنگی تو اور ہاتھ میں لیے میرے پاس آئے پیشانی سے خون بہہ رہا تھا؛ پوچھا: امیر المؤمنین کہاں ہیں؟ میں نے اپنے دامن سے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سن کر وہ اس طرف بچھٹے ہوئے چلے گئے۔ کریم خاں میرواتی کا بیان بھی یہی ہے کہ مولانا اس ہجوم کی طرف چلے گئے جہاں تلوار چل رہی تھی وقائع میں ہے کہ سر سے خون جاری تھا، یہ معلوم نہیں کہ گولی پیشانی پر لگی تھی یا کینٹی پر۔ ہجوم میں جا کر داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

شہادت کہاں ہوئی؟

آخری بیان کسی عینی شہادت پر مبنی نہیں صرف ہجوم میں گھس جانے کی بنا پر قیاس کر لیا گیا کہ وہاں شہید ہوئے یہ ہجوم

بالاکوٹ کی غزنی جانب مٹی کوٹ کے دامن میں تھا اور مولانا کی قبر اس جگہ سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار سنی اگر مولانا مٹی کوٹ کے دامن میں شہید ہوئے تو ان کی میت کو اٹھا کر اتنی دور ایک انگ تھلاک مقام پر کیوں لے گئے، جبکہ وہاں کوئی قبرستان بھی نہ تھا بلکہ کھیت ہی کھیت تھی؟ میرا خیال ہے کہ مولانا لڑتے لڑتے اور دشمن کے دباؤ کے باعث مٹی کوٹ کے دامن سے پیچھے ہٹتے ہٹتے ست بنے کے پار پہنچ گئے اور وہاں شہید ہوئے یہ معلوم نہیں کہ شہادت گولی سے ہوئی یا تلوار سے۔ شیخ فتح اللہ صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ کافروں نے شہادت کے بعد آپ کی لاش کو بہت تلاش کیا، لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی فرماتے ہیں۔

حق نے اسمعیل کی عزت یہ کی لاش کو کھنار سے دولت نہ دی
 پردہ رحمت میں اپنے ڈھانک لی کی تلاش اعدا نے لیکن نہ ملی
 دشت دیکھا گرچہ سو سو بار ہے

یہ آئینہ ۲۴ رومی قعدہ ۱۲۶۹ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۲۱ء جمعہ المبارک کے دن یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت امام صاحب اپنے پیرو مرشد اور دیگر جاٹھار رفقاء سمیت جان پر کھیل کر میدان میں لڑے۔ علماء سو کی تفریق انگیز حرکات، افغان سرداروں کی جاہلانہ عصیتت سرحد کے خوانین کی غداری اور دشمن کے پاس ہر طرح کے سامان حرب کی فراوانی کے باعث اگرچہ موت صاف نظر آ رہی تھی لیکن شہادت کی آرزو دلوں میں موجزن تھی اس لیے بے سرو سامانی کے عالم میں بھی لڑے اور اس طرح کہ اس فرشتہ سیرت قافلہ حریت کے نعرہ حق سے دشت و جبل گونج اٹھے۔ اس وقت تک یہ قافلہ اہل حق رواں دواں ہی رہا جب تک کہ اس نے اپنے مقدس خون سے بالاکوٹ کی گل پوش وادی کو لالہ زار نہ بنا ڈالا۔ آج بھی بالاکوٹ کے دشت و جبل سے ان کے نعرہ مسانہ کی گونجتی ہوئی آواز صاف سنائی دے رہی

ہرگز نہ میرا سحر و شس زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جریۃ عالم و و اہم ما

اے سرزمینِ بالا کوٹ! تجھ پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی موسلا دھار بارشیں نازل ہوں
کہ تجھ میں امت کی بہترین آرزوئیں محوِ استراحت ہیں۔ اور اے نختگانِ ارضِ بالا کوٹ! تم پر
اللہ کی رحمت و سلامتی کی شبنم افشانی ہو، خدا تمہاری قربانی کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور تمہیں
جنتِ الفردوس میں - الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَتِّينَ وَالصَّادِقِينَ
وَالشَّهَادَةِ وَالصَّالِحِينَ کی معیت سے سرفرازے۔ آمین۔ اے شہدائے بالا کوٹ!
ہمیں یقین ہے کہ تمہاری یہ قربانی انشاء اللہ رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ قبولِ مولانا سید ابوالاعلیٰ
مودودی خدا کی میزان میں ہندی مسلمان کے دو ازودہ صد سالہ کارنامے میں جتنا حصہ خیر کے پلٹے
میں رکھے جانے کے قابل ہوگا۔ اس کا سب سے زیادہ وزنی جزئی ہوگا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنکم اجمعین

امام صاحب کا مدفن ست بنے نلے کے کنارے بلندی پر واقع ہے کچھ عرصہ

موت پہلے محکمہ اوقاف نے مزار کا فرش چمنیہ کر دیا ہے اور پتھروں کا خوبصورت
اور مضبوط پرشتہ بنا دیا ہے۔ شرک اور مزار کے درمیان ایک بہت بڑا پہاڑی نالہ ہے جس کی
وجہ سے مزار تک پہنچنا خاصا دشوار ہے اگر اس نالہ پر کوئی پل وغیرہ کا انتظام ہو جائے تو اچھا
ہے تاکہ زیارت کرنے والوں کی یہ دشواری ختم ہو جائے اور وہ آسانی مزار تک پہنچ کر دعا کر
سکیں۔ شہادت کے کافی مدت بعد تک مدفن کا علم نہ تھا ۱۹۹۳ء میں خان عجب خاں مانسہرہ میں
نائب تحصیل دار متعین ہو کر آئے تو انہوں نے سید صاحب اور امام صاحب کی قبروں کی سن رسیدہ
اور واقعہ سال آدمیوں کو جمع کر کے پوری تحقیق کی اور دونوں قبروں پر ایک ایک کتیبہ نصب کیا امام
صاحب کی قبر پر انہوں نے جو کتیبہ لگوایا وہ اتراشیدہ پتھر پر ٹیڑھے اور ترچھے حروف میں لکھا
ہوا ہے اور اب قبر کی چار دیواری میں مشرقی جانب ہے۔ فرید آباد کے سید اسد علی نے
بھی قبر شریف پر ایک لوح لکائی جس پر حسب ذیل عبارت اور اشعار کندہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مدفن

حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبدالغنی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم

ولادت شنبہ ۲۸ شوال ۱۱۹۶ھ شہادت جمعہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۲۶ھ

اسے ذیح اللہ اسماعیل

شہدات صور اسرافیل

خون خود را در کپہ کہسار تخت

لیک یخ تحریرت در ہند میخت

احقر العباد :-

سید اسد علی انوری فرید آبادی این کتبہ را در ماہ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ نصب کرد

ایک پرانے پتھر پر ایک اور کتبہ بھی لگا ہوا ہے جس پر حسب ذیل عبارت کندہ ہے ۔

مزار شریف

غازی مولوی شاہ اسماعیل صاحب دہلوی شہید مرحوم

۱۳ اپریل ۱۸۸۱ء

باب ششم

تصنیفات

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت امام محمد مصطفیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ نے
 سن ستور سنہما لنتے ہی اپنی زندگی کا ایک نصب العین متعین فرمایا اور وہ تھا اعلیٰ کلمۃ اللہ صبر
 اسی نصب العین کے لیے آپ نے اپنی حیات مبارکہ کی صمیمیں اور شاہیں، دن اور راتیں بسر فرمادی
 حتیٰ کہ اس بلند ترین نصب العین اور پاکیزہ مشن کے لیے اپنے مقدس خون کے آخری قطرہ تک کو
 قربان کر دیا ہے

بنا کر دند خوشش رسمے بر خاک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ای عاشقانِ پاک طینت را

اس لیے آپ کو قلم کے جوہر دکھانے کی فرصت بہت کم میسر آئی۔ اگر آپ کو مہلت ملتی تو
 دنیا دیکھتی کہ آپ بڑے بڑے سلاطین قلم اور شہسوارانِ فن سے سبقت لے جاتے، تاہم

حالات کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے کچھ کتابیں تصنیف فرمائیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اپنے موضوع پر پہلے کی بعض بڑی بڑی مجلدات اور نامور کتابوں سے کئی گنا زیادہ ذہنی ہم نوازہ مصنف کی بلند پایہ تصنیفی خوبیوں اور علمی گہرائیوں کا بھی پتہ دیتی ہیں۔ طرز نگارش کا حسن اسلوب بیان کی عمدگی، استدلال کی قوت، دلائل کا رسوخ، احکام شرعیہ کی مؤثر تشریح، فلسفہ و اصول دینی کی نقاب کشائی اور بیان میں تفہیم و تسلیم دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا آپ کی تصنیفات کی مشترک خصوصیات ہیں۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھنے کا عزم کیا اور اس عزم کا اپنے عم محترم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس بھی اظہار کیا۔ شاہ صاحب فرماتے لگے کہ تفسیر تو بہت سی لکھی جا چکی ہیں لہذا آپ کسی نئے انداز کو اپناتے ہوئے تفسیر لکھیں آپ نے استفسار فرمایا چچا جان! وہ نیا انداز کیا ہو سکتا ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا :-

”کچھ پرانی ادب کی کتابیں، شعرائے متقدمین کا کلام اور محاورہ
عرب دیکھو اور پھر قرآنی محاورہ اور ہم عصروں کی تحریروں سے لے
تطبیق دے کر دیکھو۔ اسی طرح کی بہت سی نئی باتیں جب تفسیر لکھنے
بیٹھو گے نکل آئیں گی۔“

آپ کو بھی یہ بات پسند آئی اس دن سے شاہی کتب خانہ کی مملوک کتب ادب کا مطالعہ شروع کر دیا پھر کیا تھا آپ کی خدا داد قوتِ حفظ نے عربی لٹریچر کے محاورات، تشبیہات اور ضرب الامثال قسم کی بے شمار چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ اپنی گرفت میں لے لیا علاوہ ازیں دو نہاد اشعار عربی بھی آپ کے ترک زباں ہو گئے مگر افسوس کہ آپ کی یہ تئادلی ہی میں رہی اور آپ کو اس عظیم کام کے لیے وقت تیسرے اسکور نہ یہ مجوزہ تفسیر ایک بے نظیر شاہکار ہوئی۔

ان تمام امور کے باوصف آپ کی جملہ یادگاری آج موجود ہیں، وہ سب اپنے اپنے موضوع پر نادرہ میگانہ ہیں عوام و خواص ان سے کیسا استفادہ کرتے اور آپ پرستین و آفرین کے پھول برساتے ہیں مثلاً شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ :-

”میں ان دونوں داد پوتوں کا قائل ہوں جو صرف قرآن وحدیث

۲۱۱
 سے استنباط سائل کرتے ہیں اور اپنی رائے پر اعتماد رکھتے ہیں زید و
 عمر کو کسی مُصنّف یا عالم کی پیروی نہیں کرتے، ان کی تخریر سے معلوم
 ہوتا ہے کہ فیضانِ الہی جوش مار رہا ہے۔

اب ہم ذیل میں آپ کی تصنیفات سے متعارف کراتے ہیں وباللہ التوفیق۔

شُرک و بدعت کی تردید میں امام صاحبؒ نے یہ رسالہ عربی
 زبان میں تحریر فرمایا تھا اس کی ابتداء "ان الاشراک

۱۔ رد الاشراک

الذی نزل الکتب الالہیة لا یطالہ وبعث الانبیاء لمحقة... کے الفاظ
 سے ہوتی ہے حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ آپ کی اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے
 فرماتے ہیں۔

"مختصری است در رد اشراک و بدعات از آیات و احادیث
 لا غیر باب اولش در اجتناب از شرک است و باب آخرش فی الوجوه
 المنوعہ عن تزیین النساء و تقویۃ الایمان اردو گویا ترجمہ نصف اول
 ہمیں مختصر ہے۔"

ایک اور جگہ آپ کی مؤلفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"از ان جملہ رد الاشراک است مشتمل بر دو باب در نفی اشراک و
 رسوم و کفر و بدعات از احادیث و تقویۃ الایمان ترجمہ یک باب
 اوست ہم از مؤلف ہے۔"

یعنی آپ نے آیات و احادیث کی روشنی میں شرک و بدعت اور دیگر کفریہ رسوم کی تردید
 میں یہ کتاب تصنیف فرمائی جو کہ دو ابواب مشتمل تھی، اس کے پہلے باب کا آپ نے ہی اردو میں ترجمہ
 کیا اور اسے تقویۃ الایمان کے نام سے موسوم فرمایا۔ اس کتاب کا ایک ایک نسخہ مولانا رشید احمد
 گنگوہیؒ، مولانا نصر اللہ خورشیدیؒ، مولانا امیر شاہ خاںؒ حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ اور کئی دیگر
 بزرگوں کے پاس تھا۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مقالہ نگار نے اس رسالہ کا تعارف پیش کرتے
 ہوئے لکھا ہے کہ :-

”یہ شرک اور غیر مشروع مراسم کے رد میں آیات و احادیث کا مجموعہ ہے اس کے دو باب ہیں، نواب صدیق حسن خاں نے اسے ایک مرتبہ، قطف الثمر کے ساتھ شائع کیا تھا اور احادیث کی تخریج کر کے اس کا نام ”الادراک بتخریج احادیث رد الاشرک“ رکھا۔ یہ رسالہ انگ بھی شائع ہو چکا ہے۔“

یہ آپ کی وہ مقبول خاص وعام، ایمان افزہ، نکتہ آفرین پرتاثر

۲۔ تقویۃ الایمان

دُرُودِ رَدِّ اور اپنے موضوع کی معرکہ آرا تصنیف لطیف ہے جو ایک طرف اہل توحید کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تو دوسری طرف اس کی ایسی طاقت سے اس کے زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک ایرانہائے شرک و بدعت متزلزل ہیں۔

”تقویۃ الایمان“ کا موضوع توحید ہے، جس پر دین و ایمان کی بنیادیں استوار ہیں۔ اس موضوع پر اگرچہ بے شمار اہل علم نے خام فرسائی فرمائی ہے تاہم

موضوع

حضرت امام صاحبؒ کا اسلوب بیان سب سے نرالا اور البیلا ہے آپ سب سے پہلے کتاب و سنت سے استدلال کرتے ہوئے آیات و احادیث پیش فرماتے ہیں اور پھر ان کی عام فہم اور سلیس انداز میں تشریح کرتے ہیں اور ساتھ ہی شرک و بدعت کی ان رسوم کی دل نشین انداز میں تردید فرماتے جاتے ہیں جو کہ اس وقت کے معاشرہ میں رواج پذیر تھیں، اگر خدا نخواستہ مطالعہ کرنے والا خود ان بیماریوں میں مبتلا ہو تو اس کے لیے توبہ کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ اور اگر پڑھنے والا موجد و مخلص مومن ہو تو اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے، کل تازہ کی طرح تازہ۔

آپ نے اس کتاب کو تصنیف فرما کر جب اپنے خاندان کے اہل علم اور

تاسید

اپنے دیگر خاص خاص اصحاب کو جمع کر کے پیش کیا تو تمام نے اس کے

مندرجات پر صا د کیا۔ چنانچہ حضرت امیر شاہ خاں صاحب فرماتے ہیں کہ :-

”آپ نے تقویۃ الایمان“ اول عربی میں لکھی تھی چنانچہ اس کا ایک

نسخہ میرے پاس اور ایک نسخہ مولانا گنگوہیؒ کے پاس اور ایک نسخہ مولوی

نصر اللہ خاں خوجویؒ کے کتب خانہ میں تھا اس کے بعد مولانا نے اس

کو اردو میں لکھا اور لکھنے کے بعد اپنے خاص خاص لوگوں کو جمع کیا جن میں سید صاحب، مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولوی فرید الدین صاحب مراد آبادی، مومن، خاں، عبداللہ خاں علوی بھی تھے، اور ان کے سامنے تقویۃ الامیان کو پیش کیا اور فرمایا کہ میں نے یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی تھے شرکِ جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورشِ ضرور ہوگی اگر میں یہاں رہتا تو ان مضامین کو آٹھ دس برس میں تدریجاً بیان کرتا لیکن اس وقت میرا ارادہ حجِ کلبہ اور وہاں سے واپسی کے بعد عزمِ جہاد ہے اس لیے میں اس کام سے معذور ہو گیا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کوئی دوسرا اس بار کو اٹھائے گا نہیں۔ اس لیے میں نے یہ کتاب لکھ دی ہے گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ ٹرہیٹر کو خود ٹھیک جا میں گے، یہ میرا خیال ہے اگر آپ حضرات کی رائے اشاعت کی ہو تو اشاعت کی جائے ورنہ اسے چاک کر دیا جاوے اس پر ایک شخص نے کہا کہ اشاعت تو ضرور ہونی چاہیے مگر فلاں فلاں مقام پر ترمیم ہونی چاہیے اس پر مولوی عبدالحی صاحب، شاہ اسحق صاحب اور عبداللہ خاں علوی و مومن خاں نے مخالفت کی اور کہا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں۔ اس پر آپس میں گفتگو ہوئی اور گفتگو کے بعد بالاتفاق یہ طے پایا کہ ترمیم کی ضرورت نہیں ہے اور اسی طرح شائع ہونی چاہیے چنانچہ اسی طرح سے اس کی اشاعت ہو گئی۔

خاں صاحب کے اس بیان سے کئی امور واضح ہوئے اول یہ کہ امام صاحب نے پہلے یہ کتاب

عربی میں تصنیف فرمائی اور پھر اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے، دوام آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ اس میں تشدد بھی ہو گیا تو یاد رہے کہ اس تشدد فی العلاج کا سبب مرض کا شدید ہونا تھا۔ جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے۔ سووم آپ نے یہ کتاب حج پر روانہ ہونے سے قبل تصنیف فرمائی گویا یہ کتاب ۱۸۲۱ء سے قبل کی تصنیف ہے چہارم تقویۃ الایمان کے مندرجات اس دور کے علماء اور خاندانِ ولی اللہی کے اہل علم و تحقیق کے تصدیق شدہ ہیں جب ہم حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البازغہ "الفوز الکبیر" الفتوحات الالہیہ" اور "بدور البازغہ" وغیرہ کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے مندرجات کی یکسانیت سے اس امر کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ پنجم امام صاحبؒ کا شورش کے متعلق اندازہ بہت صحیح ثابت ہوا بلکہ "تقویۃ الایمان" کے خلاف جو شورش ہوئی ہے اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی اور تب سے لیکر اب تک اس کتاب مقدس کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس سلسلہ میں پہلا منہگامہ سنہ ۱۹۲۰ء میں نواب محمد میر خاں کی ترغیب سے اس مناظرہ کی صورت میں ہوا جس میں مولوی رشید الدین وغیرہ نے جامع مسجد میں امام صاحبؒ اور مولانا عبدالحیؒ سے سوالات پوچھے اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حافظ عزیز الدین مراد آبادیؒ فرماتے ہیں :-

مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات کے بعد پہلا منہگامہ اختلافِ مناظرہ جامع مسجد دہلی بوقت صبح منہ شنبہ ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۲۴۰ھ جو امین مولانا شہید مرحوم مع مولانا عبدالحیؒ مولوی رشید الدین خاں صاحب وغیرہ چند مسائل بدعت و رسوماتِ شرکیہ بوسہ قبر وغیرہ میں دربارہ تقویۃ الایمان ہوا جس میں جمع کثیر علماء و فضلاء و رؤسا وغیرہم تقریباً پانچ ہزار آدمی مع انتظاماتِ حکام کے تھا۔ یہ روئداد مناظرہ فلمی درجہ چترق کتب خانہ مولانا سید حسن شاہ صاحب محدث ریاست رامپور میں محفوظ ہے۔ پھر مناظرہ دہلی سے بارہ تیرہ یوم بعد مولانا شہید مرحوم کی طرف سے ۱۲ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۰ھ کو بتائید و تشریح تقویۃ الایمان "فترمی در مسائل بوسہ قبر وغیرہ صادر ہوئی۔"

استقامت یہ تھا :- ”در صورتیکہ بعض افعال شرکیمہ کہ در رسالہ تقویۃ الایمان محرر شدہ مثل نذر تغیر اللہ یعنی توشہ وغیرہ و بوسہ دادن قبر و خلافت انداختن بدان و سوگند بنام غیر اللہ و مثل آنا از زید صادر شد پس زبیرا کافر گفتن و خون و مال اورا مباح دانستن و دیگر معاملہ کفار با او نمودن جائز است یا نہ؟“

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا :-

زبیرا کافر محض دانستن و با او معاملہ کفار مجرم و صدور آنچه در سوال محرر است جائز نیست و ہر کہ با او معاملہ کفار مجرم و صدور افعال مذکورہ نماید گنہگار میشود..... الخ کتبہ محمد اسمعیل مصنف تقویۃ الایمان عنی عند درشا بجمان آباد و محررہ دوازدم جہادی الاولیٰ ۱۲۴۰ھ تمام شدہ
(محمد اسمعیل دہلوی)

سید بغدادی کے اعتراضات

اسی طرح ۱۲۴۰ھ کی یہ بات ہے کہ سید عبد اللہ بغدادی کے ذہن میں بعض

مخالفین نے تقویۃ الایمان کے متعلق کئی شبہات پیدا کر دیئے۔ انہوں نے ان کو ایک مکتوب کی شکل میں لکھ کر امام صاحب کی خدمت میں کانپور ارسال کر دیا۔ آپ ان دونوں جہاد کے لیے دعوت و تنظیم کے سلسلے میں داعیوں کے سرخیل کی حیثیت سے کانپور قیام پذیر تھے۔ آپ تک یہ اعتراضات پہنچے تو آپ نے کانپور سے ہی سید بغدادی کی طرف ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں عقلی و لفظی دلائل سے ان کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

۱۰ امام صاحب کا یہ مکتوب گرامی جب سید بغدادی کو دہلی میں موصول ہوا تو انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلی کے نواسہ مولانا محمد یعقوب کو بھی سنایا۔ حاضرین مجلس میں سے دو تین احباب نے اس نامہ مبارک کی نقلیں لے لیں اور پھر مولانا نصیر الدین اور مولانا محبوب علی نے بھی اس کی ایک ایک نقل لے لی۔ یاد رہے حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلی نے بھی نصیر الدین کے خط سے اسے اپنے لیے نقل فرمایا تھا۔ بہر کیف مخالفین نے سید عبد اللہ بغدادی کے ذہن میں ان کی آرد سے عدم واقفیت کے باعث تقویۃ الایمان کے متعلق جو شکوک و شبہات پیدا کر دیئے تھے، وہ اس مکتوب گرامی کے مطالعہ سے ختم ہو گئے بلکہ انہوں نے امام صاحب

کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی اور کہا کہ میں چونکہ اردو نہیں جانتا اور مجھے غلط ترجمہ کر کے سنایا گیا اس لیے آپ مجھ سے مخافہ ہوں۔

امام صاحبؒ کے معاصرین میں سے سب سے زیادہ جس نے آپ کی مخالفت کی وہ مولانا فضل حق خیر آبادیؒ ہیں۔ منطق و فلسفہ میں آپ کا پایا اگرچہ اس قدر بلند تھا کہ سقراط و بقراط اور افلاطون کی غلطیوں کی نشان دہی کرتے تھے لیکن انہوں نے آپ کے اعتقادی نظریات بالکل عوامی تھے انہوں نے "تقویۃ الایمان" کی اس عبارت :-

"اس شاہشاہ کی تویہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن

سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرئیل اور محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے؟

پر بقول امام صاحبؒ ورح ذیل اعتراضات کیے۔

۱، اول آنکہ دعویٰ تعلق قدرت الہیہ بمثل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہا باطل

است۔

۲، ثانی آنکہ ذکر دعویٰ مذکور اسات ادب است بحجاب سید المرسلین

۳، ثالث آنکہ ذکر آن لغو است۔

انہوں نے اس قسم کے اعتراضات پر مشتمل "امتناع النیظیر" کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ امام

صاحبؒ نے اس کے جواب میں "امکان النیظیر" کے نام سے ایک مہم مجلس میں نہایت قنانت سنجیدگی

اور دلائل عقلیہ و نقلیہ سے مدلل بزبان فارسی ایک رسالہ لکھا جو کہ "یک روزہ" کے نام سے مشہور

ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ قدرت ایک علیحدہ صفت ہے اور تکوین یعنی بنانا ایک دوسری صفت

ہے سو وجود مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرت الہی کے تحت داخل ہے، تکوین کے تحت نہیں

تاکہ اس کا وقوع لازم آئے، "تقویۃ الایمان" کے اس مقام پر بھی یہی ثابت کرنا مقصود ہے

کہ اللہ رب العزت جل جلالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل پیدا کرنے پر قادر ہے اور

یہ مقصود نہیں کہ وہ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کرے گا۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں پھر آپ

نے قدرت الہی کے ثبوت میں درج ذیل آیت لکھی۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضِ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ
مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ
الْعَلِيمُ

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو
پیدا کیا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں
کو پیدا کر سکے؟ کیوں نہیں، جب کہ وہ ماہر
خلاق ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں جمع مذکر کی ضمیر تمام بنی نوع انسان کی طرف راجع
ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اور گو اس آیت میں معاد کا بیان ہے مگر اس
کے شل پیدا کرنے پر قادر ہونا اس سے بخوبی ثابت ہے۔

انہوں نے کہا مولانا خیر آبادی؟ ایسا ذہین انسان اس مسئلہ کو سمجھ نہ سکا یا محض معاشرت، ضد
اور سٹ و دھرمی کا شکار ہو گئے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ امام صاحب کے ٹھوس دلائل کو تسلیم کر کے اپنی غلطی
کا اعتراف فرماتے لیکن سہواً یہ کہ اپنے غلط موقف پر ڈٹے رہے اور "تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ"
کے نام سے ایک اور کتاب لکھ ڈالی۔ اس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز کے ایک نامور شاگرد
مولانا حمید علی صاحب ٹنکی نے کتاب لکھی۔ خود مولانا خیر آبادی کے تلمیذ رشید مولانا سراج الدین
لکھنوی نے مولانا کی تردید اور امام صاحب کی تائید میں "امکان نظیر النسب علی اللہ علیہ وسلم و امتناعہ"
کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ حکیم سید عبدالحی فرماتے ہیں۔

"قد لبط القول فیہا لبسطاً"
لا لِقَا یزیت بها احوال شیخہ
فضل حق ۱۵

آپ نے اس رسالہ میں مسئلہ نہایت شرح و بسط
سے بیان فرمایا ہے اور اپنے استاد مولانا فضل حق
کے اقوال کی تردید کی ہے۔

مفتی صدر الدین صاحب آرزوہ اگرچہ مولانا فضل حق کے استاد جہاٹی اور گہرے دوست
تھے لیکن انہوں نے جب انصاف سے مسئلہ کا جائزہ لیا تو انہیں امام صاحب کے دلائل ہی ذوق محسوس
ہوئے۔ اس لیے انہوں نے آپ کی تائید میں کئی تحریریں شائع کرائیں بلکہ آپ تو اظہار ناراضگی کرتے
ہوئے مولانا خیر آبادی کو امام صاحب کی مخالفت سے روکتے اور منسوخ فرمایا کرتے

”لَا اَرْضِي مِنْكَ ذَلِكَ وَكَيْسَ
هَذَا بَعْدَكَ“
مجھے آپ کی یہ روش پسند نہیں اور نہ یہ آپ
کے شانِ شان ہے۔

اسی طرح مولانا تراب علی لکھنوی نے بھی حضرت امام صاحبؒ کا تائید میں ”افاداتِ تریبہ“
کے نام سے ایک رسالہ لکھا جو کہ میرٹھ سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہو چکا ہے اس کے دیباچہ میں
آپ فرماتے ہیں :-

”بعد تصنیف رسالہ ”تقویۃ الایمان“ مولوی فضل حق خیر آبادی نے فقط اس
سلسلہ میں خلاف کیا (چونکہ منطقی تھے) اور چند ورق بطور رسالہ کے لکھ کر پاس جناب
محرر ذخائر علوم عقلیہ و تطبیہ منبع صفاتِ بلکہ و انسیہ حنفیہ من حنات سید المرسلین
جبرئیل مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کے بھیجے جناب مولوی صاحب نے ان کی
تحریر کا جواب سہی بیک روزی ”ایک دم میں لکھ کر بھیج دیا اور خوب ان کے شہادت
کا استیصال کیا بعد ازاں مولوی فضل حق صاحب نے ”تحقیقِ التقوی“ تصنیف
کیا جناب افاداتِ ناب مولانا حیدر علی ٹوکی (تلمیذ رشید شاہ عبدالعزیز صاحب)
نے خوب دھوم دھام سے اس کا جواب لکھا اور دو رسالہ کبیرہ و صغیرہ اس مسئلہ اور
مسائل میں ان کے رد میں تصنیف کیے بعد ازاں مجمع معقول و منقول فروع و اصول
مولوی سراج الدین صاحب سے کہ مولوی فضل امام (والد مولوی فضل حق صاحب)
کے شاگرد تھے اور مولوی فضل حق سے اس مسئلہ خاص میں تحریر ہوئی۔ مولوی سراج
الدین نے مولوی فضل حق صاحب کو ساکت کیا اور امکان کا اقرار کر لیا اور ان
کے رد میں ایک رسالہ تصنیف کیا جو کہ احقر العباد (مولانا تراب علی) کے پاس
موجود ہے“

حقیقت یہ ہے کہ اہل علم میں سے جس نے بھی نظر انصاف کے ساتھ فریقین کے دلائل کا
جائزہ لیا، اس نے ہی امام صاحبؒ کے موقف کو مبنی برحق و انصاف اور آپ کے دلائل کو
ٹھوس، ناقابل تردید اور اقرب الی الکتاب و السنۃ قرار دیا۔ مولانا خیر آبادی کے متعلق تو حضرت
ذاب صدیق حسن خاں نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ :-

فانہ اول من قام بضدہ
 و تصدی لردہ فی رسالہ الہی
 لیست علیہا اشارۃ من علم
 الکتاب و السنۃ

، مولانا خیر آبادی نے سب سے پہلے آپ (امام صاحب) کی اپنے ان رسائل میں مخالفت و تردید کی جنہیں کتاب و سنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

مولانا محمد عبدالشاہ خاں شیروانی نے مولانا فضل حق کی طرف سے مدافعت اور ان کے اور امام صاحب کے درمیان تقابل کی جو کوشش کی ہے، اس پر ہم اس کے سوا کیا عرض کر سکتے ہیں کہ یہ مدعی حسرت اور گواہ حسرت کے مصداق ہے ورنہ مولانا خیر آبادی کے سامنے جب حق واضح ہوا تو انہوں نے خود رجوع فرمایا تھا۔

آہ! معاشرانہ چشمک کتنی بڑی عادت ہے کہ اچھے بھلے اہل علم بھی اس کا شکار ہو کر جاوہ مستقیم سے ٹھک جاتے ہیں یہ امکان و امتناعِ نظیر کا مسئلہ ایسا تو نہ تھا کہ مولانا خیر آبادی ایسے ذہین انسان کی کجھ میں نہ آسکتا۔ یہاں بھی معاشرت — کہ اصلِ منافرت ہے — کار فرما تھی۔ تاہم مقامِ مسترت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو بھی آخر کار ہدایت نصیب فرمائی اور انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف فرمایا چنانچہ مفتی عنایت احمد صاحب فرماتے ہیں

مولوی فضل حق صاحبؒ بہت نادم تھے اور روتے تھے اور فراتے

تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسمعیل صاحبؒ کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا۔ مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہی اعمال کی سزا ہے میری مولوی اسمعیلؒ سے دوستی تھی اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیا جائے بدایوں اول نے ابھار کر ان سے بھڑا دیا اور ظلم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پرتل گیا تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا۔

بلکہ مولانا مرحوم تو اس سے بھی پہلے رجوع فرما چکے تھے جیسا کہ امیر خاں صاحبؒ کی بیان کردہ بیج

ذیلی حکایت سے ثابت ہے۔

مولوی عبدالرشید صاحب غازی پوری مولوی فضل حق صاحب سے پڑھتے تھے یہ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے۔ اتفاق سے ان کے ایک دوست مل گئے۔ اس دوست نے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلیں تم ان کے (مولانا سمعیل صاحب کے) معتمد ہو، آج ہمیں تمہارے استاد سے ان پر تبرے سناؤں گے، انہوں نے کہا چلو۔ جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسمعیل پر تبرے سناؤں گا۔ مولوی فضل حق صاحب نے کہا اچھا اس غرض سے لائے ہیں! اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا میں اور مولوی اسمعیل پر تبرا کروں۔ یہ نہیں ہو سکتا جو مجھ سے ہو چکا ہے، وہ بہ لائے سکھائے سے ہوا تھا اور اب تو وہ بھی نہیں ہو سکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔

اچھا ہوا مولانا خیر آبادی نے توبہ کر کے اپنے نامہ اعمال سے اس سیاہی کو دھو ڈالا، یہی مقابلہ کی بات! اگر سویر ادب کا احتمال نہ ہو تو عرض کروں کہ مولانا فضل حق مرحوم کیا ان کے والد ماجد حضرت مولانا فضل امام بھی امام صاحب کے مقابلہ کی اس وقت تاب نہ لاسکے تھے جب کہ آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے افق البین کا سبق پڑھ رہے تھے حالانکہ وہ آپ کے طالب علمی کا دور تھا اور مولانا فضل امام اچھے خاصے عالم تھے۔

مولوی جمال الدین کھنوی متوفی (۱۲۷۹ھ)

مولوی جمال الدین کی مخالفت

بھی آپ کے زبردست مخالفین میں سے

تھے، یہ متعصب قسم کے انسان تھے۔ اپنے مخالفین پر کفر و تضلیل کا فتویٰ لگانے میں بڑے جری تھے اور باجہ میں شرکت کا جنون کی حد تک شوق رکھتے تھے۔ انہوں نے امام صاحب پر سویر ادب نبوت کا تہتان باندھ کر آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ علامہ سید عبدالحی نے ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جمال الدین نے اس سلسلہ میں بڑی زیادتی کی
سے مصنف تقویۃ الایمان تو کجا وہ تو

قد اضطرط الجمال فی ذلک

فان کنت لست تکتف

الایمان" فضلا عن "تقویۃ الایمان" کو اچھا سمجھنے والے پر بھی کفر کا مصنفہ ہے۔
 فتویٰ لگاتا ہے۔

مولانا نے یہ بالکل بجا فرمایا ہے اس کے تعصب اور عداوت کا اندازہ اس سے بھی لگائیے کہ حضرت سید صاحب نے جب مولانا محمد علی محدث رامپوریؒ کو اپنا خلیفہ بنا کر ہر اس کی طرف دعوت و ارشاد کے لیے روانہ فرمایا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے اللہ تعالیٰ نے وہاں کے ہزاروں آدمیوں اور عورتوں کو ہدایت نصیب فرمائی تو یہ جمال الدین صاحب آتش حسد میں جل اٹھے۔ انہوں نے دیگر اہل بدعت کو ساتھ ملایا اور محدث رامپوری کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا۔ ان پر کفر کا فتویٰ لگایا، "تقویۃ الایمان" کے نسخے نذر آتش کر دینے میں بھی ذرہ بھر خوش خد محسوس نہ کیا اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ آپ کے خلاف سازشیں کر کے حکام سے آپ کی مدراس سے جلا وطنی کے احکام نہ صادر کر دیئے۔ پھر اسی برس نہیں بلکہ انہوں نے "تقویۃ الایمان" کی تفسیح اور معتقدین کی تکفیر میں ایک فتویٰ شائع کر کے خوب مشہور کیا، جب یہ فتویٰ کلکتہ پہنچا تو عامۃ المسلمین جو "تقویۃ الایمان" سے کسب فیض کے سبب شرک و بدعت سے توبہ کر چکے تھے، اسے دیکھ کر مذہب میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے تحقیق کے لیے علماء کرام سے استفسار کیا علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے جس میں مولانا غلام سبجان مولانا وارث علی، مولانا عبدالباری قاضی کلکتہ، مولانا سید محمد مراد، مولانا رمضان علی، مولانا سلیمان الہروی، مولانا اکبر شاہ کابلی، مولانا منصور احمد، مولانا خادم حسین، مولانا ریاض الدین اور مولانا صاحب علی خاں رحمہم اللہ تعالیٰ جمعین ایسے گرامی علماء شامل تھے، تقویۃ الایمان کی موافقت و تائید میں مجمل و مفصل دو فتوے دیئے جن سے مذہب عوام کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے مولانا صاحب علی حسینی لکھنویؒ نے ان دونوں فتووں اور "تقویۃ الایمان" کی تائید میں مزید دو طائل تحریر فرما کر انہیں ایک رسالہ کی شکل میں شائع فرما دیا۔ یہ رسالہ جب مدراس پہنچا تو اہل بدعت بہت برا فروخت ہوئے اور ابوالاعلیٰ خیر الدین محمد گوباموی نے اس کے جواب میں "خیر الزاد لیوم المعاد" کے نام سے ایک رسالہ لکھ دیا۔ اس کے جواب میں مدراس کے نامور عالم دین مولانا عبدالحق قریشیؒ نے ذی قعدہ ۱۲۵۲ھ میں "تنبیہ الضالین عن طریق سید المرسلین" کے نام سے ایک بلند

پایہ کتاب کھٹی، جس میں آپ نے نہ صرف "خیر الزاد" پر تعاقب کیا بلکہ تقویۃ الایمان کے خلاف دوسرے رسالوں، فتووں اور اشتہارات کا بھی خوب پوسٹ مارٹم کیا، جس سے ایوانہائے شرک و بدعت پر اس پڑ گئی۔^{۲۹} جزاء اللہ حسن الجزاء

مولوی فضل رسول بدایونی^{۳۰} بھی حضرت امام صاحب کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔ انہوں

نے "تقویۃ الایمان" کی مخالفت میں "البوارق المحمدیہ لرحم الشیاطین المنجریہ یلقب بہ سوط الرحمن علی قرن الشیطان"، "سیف الجبار المسلول علی الاعداء ملامرہ"، "احقاق الحق و ابطال الباطل" اور "مقولات عشر" وغیرہ کئی کتابیں لکھیں اور ان میں نہ صرف امام صاحب اور "تقویۃ الایمان" کو ہدف بنایا بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد سمعیؒ ایسے جلیل القدر بزرگوں کو بھی صاف نہیں کیا، مؤخر الذکر بزرگ کے دور رسالوں اربعین مسائل اور "مایہ مسائل" کی تردید میں تو بدایونی صاحب نے تصحیح المسائل^{۳۱} و تردید مسائل نجدیہ اراذل کے نام سے مستقل کتاب بھی لکھی۔

بدایونی صاحب کی ان تمام کتابوں کے جواب میں علماء اہل حدیث نے نہایت قابل تکریم تصنیف فرمائیں مثلاً "بارق" کے جواب میں مولانا قاضی بشیر الدین قزوینی نے "الصواعق الالہیۃ لروا الشیاطین اللہا بتیہ" اور تصحیح المسائل کے جواب میں تفہیم المسائل^{۳۲} جیسی معرکہ آرا کتابیں لکھیں۔ مولانا محمد تقی خاں صاحب دہلوی نے "مقولات عشر" کا جواب ۲۶۸ھ میں "النشر" کے نام سے لکھا۔ اسی طرح مولانا حیدر علی ٹونکی نے بھی بدایونی صاحب کی کتابوں کے جواب میں "سیافنتہ الافاس عن وسوستہ الخناس" وغیرہ کئی کتابیں تصنیف فرمائیں الغرض علماء اہل حدیث نے بدایونی صاحب کی ایک ایک کتاب کا جواب لکھا اور خوب لکھا اور اس کے تمام مغالطوں کو طشت از بام کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جزاء اللہ حسن الجزاء

مولوی بدایونی کے بعد ان کے لڑکے مولوی عبدالقادر اور پوتے عبدالقادر صاحب نے "ایصال ثواب" کی نیت سے اسٹن کار خیر کو جاری رکھا لیکن ان کے بعد یہ وراثت

بانس بریلی والوں کو منتقل ہو گئی۔

مولوی فضل رسول کی وراثت جب بدایوں سے
بانس بریلی منتقل ہو گئی تو مولوی احمد رضا خاں

مولوی احمد رضا خاں

نے اپنے تئیں اس کا سب سے زیادہ حق دار ثابت کیا اور "تقویۃ الایمان" اور اس کے معتقدین کی مخالفت یعنی بدعات کی موافقت کو اپنا اور ہنا بھجونا بنالیا اور بدعات کی تبلیغ و اشاعت میں اس قدر سرگرمی دکھائی کہ تریلویت نے ایک مستقل فرقے کی صورت اختیار کرنی یاد رہے مولوی احمد رضا خاں نے "تقویۃ الایمان" اور اس کے حامیوں کی مخالفت میں مرصع قسم کی گالیوں پرستل دو درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے بھی تقویۃ

مولوی نعیم مراد آبادی

الایمان کی تردید میں "اطیب البیان" — برعکس
نہنذ نام زنجی کافر — کے نام سے کتاب لکھی جس طرح سے کفار قریش آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو معاذ اللہ مذم کہہ کر اپنی شرافت کا ثبوت دیا کرتے تھے اسی طرح مراد آبادی صاحب
بھی "تقویۃ الایمان" کو "تقویۃ الایمان" لکھتے ہیں ہیں اس سے غرض نہیں وہ جو چاہیں لکھیں
البتہ ان کے اس شاہکار کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً بلڈ پریشر کے مریض تھے اس لیے اس
نے اتنی خوش کلامی کے نمونے درج ذیل الفاظ میں یادگار چھوڑے ہیں۔

ظالم، بے دین، سود اللہ و جبک، مضری، تھوک دو اس بے جبا
کمنہ پر، دشمن دین، بد نصیب، بد باطن، جاہل، بد گام، نابینا،
بدخت، گمراہ، سبھوتا، دغا باز، نافرمام، قاتلہم اللہ تعالیٰ گناہ

نابکار، بے ایمان، مردود۔

اور انہیں حضرت امکا صاحب نور اللہ مرقدہ و برد مضجیحہ کے لیے استعمال کر کے اپنے لیے زاد
آخرت بنا لیا ہے۔

مراد آبادی کی یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو شیخ الاسلام حضرت ابو الوفاء
مولانا شاعر اللہ صاحب کے ایمار سے مراد آبادی کے نامور فرزند توحید حضرت مولانا حافظ

عزیز الدین صاحب نے اس کا جواب سپرد قلم فرمایا شروع کیا جو کہ کچھ عرصہ تک حضرت سید
الہمدیش کے میگزین ہفت روزہ "الہمدیش" امرتسر میں قسط وار شائع ہوتا رہا، لیکن افسوس
کہ یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا اور بعد میں بھی اس کی اشاعت کے سامان تیسرے اسکے۔ تاہم محمد اللہ
یہ ۱۹۶۵ء میں حضرت مولانا ابوالخیر محمد اسماعیل صاحب سلفی مرحوم اور حضرت مولانا ابواللطیف محمد
عطاء اللہ حنیف بھوجیانی دامت برکاتہم کی مساعی جمعیلہ سے "اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان"
کے نام سے بڑے سائز کے ۸۸ صفحات پر زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصفہ شہود پر
جلوہ گر ہو چکا ہے۔ محمد اللہ اس کی اشاعت کے بعد آج تک بریلوی حضرات میں سے کسی کو اس
کے جواب کی جرأت نہیں ہوئی۔ امید ہے اس طویل داستان سرائی سے اس طوفان بدتمیزی
کی ایک ادنیٰ سی جھلک تاثرین کے سامنے آگئی ہوگی جو "تقویۃ الایمان" اور اس کے جلیل القدر
مصنف کے خلاف اہل بدعت نے برپا کیا ورنہ اس سلسلہ کی تمام کتابوں کے نام شمار کرانے
کے لیے کئی دفاتر و کارخانے چالیس کتابوں کے نام تو فاضل فضل احمد نے بھی ذکر کیے ہیں بلکہ مولانا
احمد رضا کے بعض ممنو اول کے بقول انہوں نے تقویۃ الایمان کی تردید میں دو سو کتابیں لکھی ہیں
اس لیے اگر حضرت بھوجیانی دامت برکاتہم نے یہ فرمایا ہے تو بالکل بجاکہ :-

"اس سارے قبیلے کے داعیوں پر مولانا شہید کا تو اسوار اور ان
کو "تقویۃ الایمان" کا مرض لاحق رہا۔ شاید اس میں بالکل مبالغہ
نہ ہو کہ دو دو کد میں سینکڑوں کتابیں، رسالے اور اشتہار لکھے گئے
ہوں گے مگر وہی گھسے پٹے اعتراض، رٹے رٹائے الزام اور وہی
"ٹکسالی گالیاں" مگر یہ حضرات تھے کہ شاید ان کو کوئی اور کام نہیں
تھا کہ وہ رہ کر ان کو تقویۃ الایمان کا ہی چول اٹھاتا :-"

اسی طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے جو یہ درد بھرے دل کے ساتھ
لکھا ہے، اس کی صداقت میں کیا شک ہے کہ :-

"۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۵ھ سے لے کر اس دن تک جس کو سو برس سے
زاد ہوئے شاید کوئی دن طلوع ہوا جس کی صبح کو اس شہید اسلام

(حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ) کی۔ جس کی اور فضیلتیں برطرف اس کی شہادت مسلم اور شہداء کی معصرت مسلم۔ تکفیر و تذلیل میں کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت و سب و تم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے کفر کے ثبوت میں نہ پیش کی گئی ہو، وہ ابو جہل و ابولہب سے زیادہ دشمن اسلام، تاریخ و مرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج لہذا اسلام و فرعون و ہامان سے زیادہ سختی نارا، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا متقلد و شاگرد بتایا گیا اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کے جسم نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چبھی، جن کے پیروؤں میں اللہ کے راستے میں کوئی کاٹنا نہیں گڑا جن کو خون چھوڑ کر (کہ اس کا ان کے ہاں کیا ذکر) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی اور یہ ان لوگوں نے کہا جن کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت و عصمت بچانے کے لیے اس نے اپنا سر کٹا یا۔ تو کیا اس کا یہی گناہ تھا؟ اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی، اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزت و آبرو محفوظ نہ تھی اس وقت یہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی والے جو ایک کلمہ و کفر برداشت نہیں کر سکتے کہاں تھے؟ اور کیا آج بھی شاہ ولی اللہ کے پوتے کے علاوہ کوئی کافر نہیں؟

رکھیں غالب مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا موتا ہے

اگر تقویۃ الایمان کی توحیدی شعاعوں سے ایک طرف شرک و بدعت کے متوالوں کی آنکھیں چندھیا گئیں اور انہوں نے "تقویۃ الایمان" اور اس کے قابلِ صدا احترامِ مصنف کے خلاف سب و تم بلکہ تکفیر و تفسیل کی اندھا دھند گولہ

دوسرا رخ

باری شروع کر دی جیسا کہ سابقہ صفحات میں ذکر کیا گیا تو دوسری طرف توحید کے فرزندوں اور سنت کے شیدائیوں کو اس سے بے پناہ مسرت اور ان کے ایمان کو اس سے جلا بھی نصیب ہوئی اس لیے وہ بڑی عقیدت سے تقویۃ الایمان کی مدح و ستائش اور اس کے مصنف کے حضور تسبیح و آفرین کے پھول پیش کرتے آئے ہیں ذیل میں ہم چند شاہیر اہل علم کے اس سلسلہ میں ارشادات نقل کرتے ہیں تاکہ تصویر کا یہ رخ بھی واضح طور پر سامنے آجائے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید اور حضرت نواب والا جاہ سید صدیقی حسن خان و مولانا رشید

مفتی صدر الدین

احمد ننگرہوی کے استاد و محترم جناب مفتی صدر الدین صاحب سے استفاداً کیا گیا کہ "تقویۃ الایمان اور نصیحۃ المسلمین" مصنف مولانا خرم علی کے مطابق عمل کرنا کیسا ہے؟ اور جو ان کے مصنفوں کو کافر اور گمراہ کہے وہ کیسا ہے؟ مفتی صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا :-

- نصیحۃ المسلمین اس فقیر کی نظر سے نہیں گزری اور نہ اس کے مولف کا حال تفصیلی معلوم ہوا ہے۔ لیکن اگر اس کتاب میں شرک کی بُرائی کا بیان ہے تو اس کے اچھے ہونے میں کس کو کلام ہے؟ اور تقویۃ الایمان کو نظر اجمال سے دیکھا ہے باعتبار اصول اور اصل مقصود کے بہت خوب ہے اور مولوی اسماعیل صاحب کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا یہ لوگ ان میں سے ہیں جن کے حق میں حق سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَنْتُكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَبْرَةِ وَيَصُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اور یہ فرمایا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَا هَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَتَّخِذُوْنَ رَحْمَةً اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

پس جو ان کو کافر اور گمراہ کہے

وہ آپ گمراہ ہے، واللہ اعلم بالصواب۔
حرزہ، محمد صدر الدین

محمد صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ

مفتی سعد الدین نظام الدین مراد آبادی
راپوری متوفی ۱۲۹۳ھ جو کہ حضرت شاہ

مفتی سعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

عبد العزیز محدث دہلوی کے شاگرد ہیں، اپنے فتویٰ میں فرماتے ہیں۔

ہوالموفق بندہ سراپا گناہ محمد سعد اللہ عفا اللہ عنہما جہا

میگویم کہ مولانا محمد سمیع مغفور عالم ربانی و مصدر فیوض دانی

بودند و قوت نظریہ از علوم عقلیہ و نقلیہ بآں مرتبہ داشتند کہ

زبان ناطقہ شاہیر علماء و عصر در جنب تقریر شان لالی بودند و

حاسدین اہل علم را روبرو ایشان بجز سرسرخوشی و گلو حوت زدن

ممال سے نمود در بیان مسائل شرعیہ و ہدایت امور دینیہ حضرت

ایشان را مصداق لایخافون لومة لائم یاقتہ ام و بخلوس

دینی و حتی گوئی و صدق نیت و حسن طویت بحقیقت ایشان اعمال

آثار کاشمش علی رابعۃ النہار شاہ عدل است

العبد المذنب الاواہ مفتی محمد سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ

محمد سعد اللہ رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۷۹

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبد العزیز و شاہ محمد اسماعیل کی بابرکت مجلسوں کے فیض یافتہ حدیث و فقہ کے

لاٹانی عالم، شیخ اہل حضرت میاں سید زبیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء

جو کہ پچھتر برس تک مدرسہ تدریس پر جلوہ افروز رہے فرماتے ہیں :-

"تحریر اور تقریر مولانا صاحب کی " تقویۃ الایمان " میں مثل تحریر و تقریر

اہم رازی مفسرہ تفسیر کبیرہ کے ہیں اور مسائل اور احکام مندرجہ
 - تقویۃ الایمان " موافق کتب اہل سنت کے ہیں اور جب کہ یہ
 مضمون عالی مقصود و عظیم متنق علیہ جماعت انبیاء اور اولیاء اور علما
 اولین و آخرین کا یعنی مضمون دفع شرک و بدعت اور اثبات توحید ذاتی
 اور صفاتی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور احوالئے سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم اشرف مقاصد دینی قرار پایا، پھر غور کیا جائے کہ جو کتاب
 محتوی اور حامل اس مضمون شریف کو ہے، وہ کس مرتبہ کی اشرف اور
 لائق تخییم و تکریم ہوگی، اور تقویۃ الایمان " میں اول سے آخر تک
 یہی مضمون مندرج ہے۔

مشہور حنفی عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے
مولانا گنگوہی ہیں :-

• کتاب تقویۃ الایمان " نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب
 قوت و اصلاح ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پورا اس
 میں ہے اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا۔
 ایک دوسرے تمام پر فرماتے ہیں :-

• کتاب تقویۃ الایمان " نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و کفر
 میں لاجواب ہے استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث
 سے ہیں اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجب
 اجر کا ہے اس کے رکھنے کو جو برابر تھا ہے وہ فاسق و فاجر اور بدعتی ہے
 اگر اپنے جہل سے کوئی اس کتاب کی خوبی کو نہ سمجھے تو اس کا تصور نہم
 ہے، کتاب اور مؤلف کتاب کی کیا تقصیر بڑے بڑے عالم اہل
 حق اس کو پسند کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر کسی گمراہ نے اس کو برابر کہا تو
 وہ خود ضال و مضل ہے۔

مولانا امیر شاہ خاں صاحب نے آپ کا درج ذیل قول بھی نقل کیا ہے، جو کہ تقویۃ الایمان کی مخالفت کرنے والوں کو خصوصی غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

.. مولانا لکھتے ہیں: "تقویۃ الایمان" کی نسبت فرماتے تھے کہ اس سے بہت ہی نفع ہوا چنانچہ مولوی اسماعیل صاحب کی حیات ہی میں دو لاکھ لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے اور ان کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا توازن ہی نہیں ہو سکتا۔

کعبہ را ہر دم تسبیحی سے فزود
ایں از اخلاصاتِ ابراہیم بود

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی فرماتے ہیں :-

مولانا محمود الحسن

.. عالم بیل فاضل جلیل نمونہ علماء امتی کا نبیاً بنی اسرائیل مولانا المحافظ الحاج مولوی اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ وعلی آباؤ الکرام نے جب اپنے زمانہ میں امور شرک و بدعت کا رواج زیادہ دیکھا تو مولانا مدوح نے بمقتضائے تائید دین جہاں تک ہو سکا زبان نصیحت فرمائی، تحریروں کی بھی نوبت آئی چنانچہ رسالہ "تقویۃ الایمان" بھی جب ہی لکھا جس میں نصوص و تراجم سے نہایت سلاست کے ساتھ مضامین توحید کو اچھی طرح بیان فرمایا اور قدرتِ حق تعالیٰ شانہ کو جملہ بنی آدم و مخلوقات پر ثابت کر کے اہل شرک و بدعت کو ان کے خیالاتِ باطلہ کی خرابی پر مطلع فرمایا۔ اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ہدایت و صحت عقائد نصیب ہوئی۔

ترجمیر پاک و ہند کے نامور محقق عالم دین حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں :-

علامہ سلیمان ندوی

.. قرآن پاک کے بعد مولانا اسماعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" میرے ہاتھ

میں دین کی پہلی کتاب دی گئی۔ میں ان بیسیوں کے بیچ میں بیٹھ کر "تقویۃ الایمان" کی ایک بات پڑھتا تھا اور بھائی صاحب مرحوم پر وہ کے پیچھے سے ایک ایک مسئلہ کی تشریح و تفسیر فرماتے اور جو وہ فرماتے میرے دل میں بیٹھ جاتا۔

یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دینِ حق کی باتیں سکھائیں اور ایسی سکھائیں کہ اثنائے تعلیم و مطالعہ میں بیسیوں آندھیوں آئیں کتنی دفعہ خیالات کے طوفان اٹھے مگر اس وقت جو باتیں چڑھ چکی تھیں، ان میں سے ایک بھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکی۔ علم کلام کے مسائل، اشعارہ و معتزلہ کے نزاعات، غزالی و ابن رشد کے دلائل یکے بعد دیگرے نگاہوں سے گزرے مگر اسمعیل شہید کی تعلقین بہر حال اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مشہور سیاسی لیڈر اور ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں :-

مولانا سندھی

تحفۃ الہند کے بعد جو دوسری کتاب ہمارے ہاتھ میں آئی وہ مولانا اسمعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" تھی، جو اس سوال کا جواب شافی تھی اور جس سے ہم کو معلوم ہو گیا کہ اسلام کی توحید بالکل خالص ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

"یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی تو ہندوستانی مسلمان دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔"

مزید فرمایا :-

"اسلام کے اظہار سے پہلے میں نے شاہ صاحبؒ کی "تقویۃ الایمان" پڑھی تھی چنانچہ روشرک کے متعلق مجھے اس سے بڑا فائدہ پہنچا بلکہ ایک لحاظ سے یہ کتاب مجھے اسلام میں لانے کا ذریعہ بنی۔ غرضیکہ امام

محمد اسمعیلؒ میرے استاد اور امام ہیں اور مجھے ان سے محبت ہے،
ایسی محبت جس طرح لوگ اپنے مذاہب کے ائمہ سے کرتے ہیں۔

خاطروں میں کرام! غور فرمائیں کہ حالات کی یکس قدر تم ظریفی ہے کہ یہ کتاب اگر کافر ٹھہریں
تو قطعہ گوبوشِ اسلام ہونے پر مجبور ہو جائیں اور مسلمان کہلائیں اور اگر مسلمان اسے ٹھہریں تو وہ دُعا پائی و
بد مذہب کہلائیں۔ ان فرض بے شمار اربابِ علم و فضل نے حضرت امام صاحبؒ کی اس مقدس تصنیف پر
تحسین و آفرین کے پھول نچا دیے ہیں جن میں سے اختصار کے پیش نظر چند ایک کو جمع کر کے آپ کی
خدمت میں گذشتہ پیش کر دیا گیا ہے اب ہم اس سلسلہ کو مولانا فتح اللہ صاحب مرحوم کے درج ذیل
اشعار پر ختم کرتے ہیں۔

تھے جو اسمعیلؒ غازی مولوی علم کے دریا مراتب میں ولی
اک کتابِ حق انہوں نے جب لکھی اس میں تفریقِ حق و باطل کی ہوئی
مہر گیا جو مردِ ناہنجار ہے

جس پر سوجاوے ذرا الطافِ حق تقویتِ ایمان کا لیوے سبق
طبعِ اسمعیلؒ کا روشن طبق ہر حُجرا اس کا ہے ہدایت کا ورق
شرک کے حق میں عجب تلوار ہے

مومنوں کے حق میں تقویت ہے وہ فاسقوں کو باعثِ لعنت ہے وہ
ناقبلوا من یکم نعمت ہے وہ قد خلت من یکم سنت ہے وہ
آسانیِ علم کا اظہار ہے

جو کام اخلاصِ نیت کے ساتھ کیا جائے
اللہ تعالیٰ اس میں برکت فرمادیتے ہیں معلوم

تقویتِ ایمان اور اسکی شرح

نہیں امام صاحبؒ نے کس قدر جذبہٴ صداقت، پاکیزہ عزم اور خلوصِ نیت کے ساتھ اس صحیفہٴ توحید
کو تصنیف فرمایا کہ اسے بے پناہ قبول فی الارض کا شرف نصیب ہو اس کی افادیت اور علمائے
کرام کے اس کے متعلق ارشادات ذکر کیے جا چکے ہیں، اب ہم اختصار کے ساتھ اس کی چند
شرح کا ذکر کرتے ہیں۔

تقویۃ الایمان کی یہ شرح
مولانا عبدالعقید بن عبدالحق

ار توفیۃ الایقان شرح تقویۃ الایمان

ساکن گوالیار نے لکھی ہے اس کے درق پر تعارف یوں ہے :-

”وَ اِذَا ذَكَرْتَ رِبَاكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدًا وَلَوْ اَعْلَىٰ اَدْبَارِهِمْ
نَفْوْرًا - الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْمِنَّةُ“

کتاب تقویۃ الایمان جو تامل بیخ شرک و طغیان مغز توحید و فقر ایمان مستند محمدیث و قرآن خالق و مخلوق کے درمیان فرق بتلانے میں لے نظیر اور دل پذیر ہے سو اس کی شرح مسمیٰ ”توفیۃ الایقان شرح تقویۃ الایمان“ کہ جس کا شارح علامہ نے شرک پندوں کے شبہات اور وہی اعتراضات بخوبی دفع کیا اور اصل کتاب کے مطلب پر اہل سنت کے قدیم معتبر کتابوں کے ساتھ مطابقت تامہ بتلایا ہے۔ بفرائش انجمن حزب اللہ کھوشی تازہ بار دوم مکی مطبع موٹی المطبعتہ المحمدیۃ الواقعة فی معسر بنگلور ۱۲۹۲ھ رمضان۔ یہ شرح فل سکیپ سائز کے ۲۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اس میں شارح نے تقویۃ الایمان کے ہر اس مقام کی تفصیل و شرح کی کوشش کی ہے جس میں اغلاق کا کچھ بھی شائبہ تھا۔ نیز نہایت شرح و بسط کے ساتھ معتزضین کے تمام اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں۔ بنگلور کے مولانا عبدالباری اور دہلی کے مولانا محمد داؤد راز کے کتب خانوں میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود ہے۔

۲۔ اکل البیان فی تائید تقویۃ الایمان

قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے کہ
مراد آباد کے مولوی نعیم نے بھی تقویۃ

الایمان کی تردید میں ”الطیب البیان“ کے نام سے کتاب لکھی اور حافظ عزیز الدین صاحب نے اس کا ”اکل البیان فی تائید تقویۃ الایمان“ کے نام سے جواب لکھا۔ اس میں آپ نے نعیم صاحب اور بریلوی کیمپ کے ”تقویۃ الایمان“ پر جملہ اعتراضات کا بڑی عمدگی سے جائزہ لیا ہے اور نہایت ٹھوس، مدلل اور سکت جواب دیئے ہیں جس کی وجہ سے یہ کتاب صرف ”الطیب البیان“ کا رد ہی نہیں بلکہ ”تقویۃ الایمان“ کی ایک مفصل، مستند اور جامع شرح کی بھی حیثیت رکھتی ہے یہ شرح متوسط سائز کے ۸۸۸ صفحات پر المکتبۃ السلفیۃ، لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۶۵ء

میں زبورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۳۔ المنہج الدینی رد التعلید

یہ امام صاحبؒ کے تلمیذ مولانا عبداللہ خاں علویؒ کی تقویتہ الایمان ہے۔

کے متن کی شرح ہے، جیسا کہ اس کے متن میں مذکور ہے اس کا ایک مخطوطہ امیر الملک حضرت نواب صدیق خاں صاحبؒ کے خزانہء اکتب میں تھا۔

۴۔ فیض الرحمن لتاسید تقویتہ الایمان

تقویتہ الایمان کے سلسلہ کی بعض مفید مطبوعات پر مشتمل یہ

مولانا محمد داؤد راز سلفی ساکن موضع راہپوہ ضلع گوجرانوڈ کا مقالہ ہے جو کہ قریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہے اور تقویتہ الایمان کے اس ایڈیشن کے ساتھ ملتی ہے جو مولانا موصوف ہی کے زیر اہتمام نہایت صحت کے ساتھ ۱۳۸۳ھ میں ادارہ اشاعت دین ۱۲۱-۱۲۲-۱۲۳ جمیری گیٹ دہلی سے شائع ہوا۔

علاوہ ازیں میر شہامت علی نے تقویتہ الایمان کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا تھا اس کا ایک جدید ایڈیشن حال ہی میں شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور کے زیر اہتمام طبع ہوا ہے۔

تقویتہ الایمان اور اس کا ادبی پہلو

تقویتہ الایمان اگرچہ اس دور کی تصنیف ہے جو کہ اردو زبان میں

نشر نگاری و انشائیہ پر اڑی کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا لیکن حضرت امام صاحبؒ نے اس کتاب کو اس قدر عام فہم، سلیس، سادہ، دلکش اور شگفتہ عبارت میں لکھا ہے کہ ان چند الفاظ و محاورات کو چھوڑ کر جو آج متروک ہو چکے ہیں آج بھی وہی نشین انداز میں لکھنا آسان نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں جب کہ اردو زبان میں گنتی کی چند کتابیں تھیں اور اردو کو ابھی گھنٹوں چلانا نہ آیا تھا، امام صاحبؒ نے اس میں کیا سحر کر دکھایا ہے اور اپنے خیالات کا کس قدر خوش اسلوبی سے اظہار کیا ہے غرضیکہ ادبی نقطہ نظر سے بھی یہ کتاب نہایت اہمیت کی حامل ہے اور اس کا طرز تحریر ایسا مؤثر اور پُر زور ہے کہ بقول صاحب "میر المصنفین"

”ایک دریائے ذخار اُٹا چلا آتا ہے“

چنانچہ سلاستِ تحریر، روانیِ بیان اور زورِ قلم کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائیے :-

”سننا چاہیے کہ اکثر لوگ پیروں کو پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پرلوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی غمتیں مانتے ہیں اور حجت برائی کے لیے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد البنی رکھتا ہے، کوئی علی بخش، کوئی حسین بخش، کوئی پیر بخش کوئی مدار بخش کوئی سالار بخش، کوئی غلام محی الدین، کوئی غلام معین الدین اور ان کے بیٹے کے لیے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے، کوئی کسی کے نام کی برہی پنتا ہے، کوئی کسی کے نام کی پٹے پنتا ہے، کوئی کسی کے نام کی بیڑی ڈالتا ہے، کوئی کسی کے نام کے جانور حلال کرتا ہے، کوئی مشکل کے وقت کسی کی دُعا دیتا ہے، کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے غرضیکہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء اور انبیاء سے اور اماموں اور شہیدوں سے اور فرشتوں اور پرلوں سے کر گزرتے ہیں اور دعویٰ مسلمانانہ کا کیے جاتے ہیں، سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ ہے“

تمام کتاب پڑھ جائیے جس طرح قاری آپ کی طبعی قابلیت اور قوتِ استدلال پر عیش عیش کراٹھتا ہے اسی طرح جب وہ ادبی نقطہ نظر سے کتاب کے محاسن پر نگاہ ڈالتا ہے تو ایک ایک جملے پر بے ساختہ پکار اٹھتا ہے سبحان اللہ! اور اسے یوں محسوس ہونے لگتا ہے گویا گنگا اور جہانم نے اپنی تمام تر روانیاں حضرت امام صاحب کے قلم فیضِ رقم پر نثار کر دی ہیں الغرض تھوڑی الامان ”اُردو نثر کا شاہکار ہے یقین ہے کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ اس کی ادبیت میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی اور اُردو زبان اپنی ارتقائی منزل میں طے کرنے کے بعد بھی اسے اپنا

ایک گراں قدر سرمایہ تصور کرے گی۔ اُردو زبان کی تاریخ پر بحث کرتے ہوئے مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے۔

”عجب لطف یہ ہے کہ زبان کی عام فہمی دیکھ مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا یعنی ۱۸۰۷ء میں مولوی شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ بعد اس کے مولوی اسماعیل صاحب نے بعض رسالے عام اہل اسلام کی فہمائش کے لیے اُردو میں لکھے۔“

ڈاکٹر قیام الدین نے بھی تحریک کی مجموعی حیثیت سے اردو کی خدمت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”وہابی تحریک کا ایک اہم اور نظروں سے پوشیدہ ضمنی فیضان وہ زور دار جنبش ہے جو اس نے اُردو زبان خصوصاً نثر نگاری کی رفتار کو ترقی دی۔ اپنے پیغاموں کو عوام تک پہنچانے کی کوشش میں اور تبلیغی تحریکوں کی طرح اس نے مقامی زبانوں کے استعمال پر بہت زور لگایا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقوں کی عام زبان فارسی تھی، وہابی قائدین نے اُردو کا زیادہ استعمال کیا اور اسی زبان میں بہت زیادہ رسالے لکھے۔“

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے بھی لکھا ہے کہ :-

۔ مولوی اسماعیل صاحب کا مشہور رسالہ ”تقویۃ الایمان“ اور نیز

دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً ”ترغیب الجہاد، ہدایۃ المسلمین، نصیحتۃ المؤمنین (المسلمین)، موضح الکبائر والبدعات، ماتہ مسائل وغیرہ ان سب سے زیادہ زبانِ اردو کو بھی تقویت پہنچی ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب اور آپ کے رفقاء کی اردو تصنیفات سے اردو نثر کو بڑی تقویت نصیب ہوئی بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو جسے علمی حلقوں میں کوئی پوچھتا نہ تھا، اب ایک

ایسی ادبی زبان ہو گئی جو فارسی کی نیابت کر سکتی تھی۔

(۱) تقویۃ الایمان ۱۸۲۲ء کو تصنیف

کی گئی اور ۱۸۲۳ء میں غالباً سید عبداللہ

دو تقویۃ الایمان اور اس کے نسخے

بن سید بہادر علی کے اہتمام سے پہلی مرتبہ زلیوہ طبعیت سے آراستہ ہوئی جب کہ امام صاحب نے اپنے رضاء سمیت وطن ناکوں سے ہجرت کر کے پنجتار تشریف لے جا چکے تھے اور سکھوں کے خلاف باقاعدہ محاذ جنگ قائم کر چکے تھے تب سے لے کر اب تک اہل بدعت کے اس کے خلاف برپا کئے گئے سطوفان بدتمیزی کے علی الرغم سینکڑوں ایڈیشن پچاس، ساٹھ لاکھ کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں اور دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرف قبولیت اردو زبان کی کسی دوسری کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ اس کے تمام نسخوں کا ذکر تو ایک متقل کتاب کا موضوع ہے لہذا ذیل میں اس کے مطبوعہ و مخطوطہ چند نسخوں کی طرف اشارہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۲) "تقویۃ الایمان" کا ایٹمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں ہے اس پر سن کتابت ۱۲۴۶ھ مرقوم ہے۔ گویا یہ نسخہ اس سال کا لکھا ہوا ہے جس میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

(۳) ایٹمی نسخہ مولانا محمد صابر عثمانی مرحوم کے کتب خانہ میں بھی موجود تھا۔ اس پر سن کتابت ۱۲۴۳ھ مرقوم ہے۔

(۴) ۱۲۶۵ھ کا مکتوبہ نسخہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امرتسر کے کتب خانہ میں ہے جس کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"قدنمت هذا الرسالة المسماة بتقویۃ الایمان من

تصنیف مولانا اسمعیل صاحب دہلوی"

(۵) ۱۲ محرم ۱۲۶۶ھ کو مطبع محوی دہلی میں حافظ محمد پیر خاں کے اہتمام سے تقویۃ الایمان کا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس پر مولانا محبوب علی دہلوی کا حاشیہ بھی تھا۔ محضی کتاب کے آخر کی ایک عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

.. انہوں نے ایسے موحد، محب رسول کی کہ آخر اس راہ میں شہید ہوئے
گورپرست لاندھوں نے کچھ قدر سمجھی، وہابی کہا بلکہ بزرگوں کا منکر
ٹھہرایا۔ الخ

اس ایڈیشن کی ایک طبعی نقل بھی مولانا نسیم امروہی کے کتب خانہ میں ہے۔

(۶) "تقویۃ الایمان" کی شرح توقیۃ الایقان (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) جو کہ بڑے سائز
کے ۲۶۸ صفحات پر ۱۹۲۸ء کو ننگرور سے شائع ہوئی اس کے ساتھ تقویۃ الایمان کا متن بھی
شائع ہوا تھا۔

(۷) ایک بہترین مستند و بیچ نسخہ ہے جسے مولانا محی الدین تو مسلم لاہوری نے ۱۳۰۵ھ میں
طبع کروایا۔ اس کے ساتھ تذکیر الاخوان اور حاشیہ پر افاشۃ اللہقان مترجم اردو بھی طبع ہوئی
ہے۔

(۸) ۱۳۰۶ھ میں مولانا محی الدین قصوری بی، اے نے بڑی عقیدت سے بہتر سے بہتر انداز
میں شائع کرنے کی کوشش کی۔ جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔

(۹) ۱۳۸۳ھ میں مولانا محمد داؤد راز صاحب نے ایک بہترین مستند اور شاندار نسخہ ادارہ
اشاعت دین جمہیری گیٹ دہلی سے شائع کیا۔ اس کے ابتداء میں ۳۲ صفحات کا پیش لفظ
اور آخر میں قریباً پچاس صفحات پر مشتمل "فیض الرحمن تاسید تقویۃ الایمان" کے نام سے ایک
تعلقہ بھی ہے۔

(۱۰) "تقویۃ الایمان" کا ایک ایڈیشن فاروقی کتب خانہ لبنان کے زیر اہتمام بھی طبع ہوا ہے
جس پر سال طباعت و راج نہیں اس نسخہ کے ابتداء میں مولانا غلام رسول مہر کے قلم سے حضرت
امام صاحبؒ و سید صاحبؒ کے مختصر سوانح حیات اور آخر میں شیخ فتح اللہ صاحبؒ کا رسالہ
"حارق الاشرار" طبع ہوا ہے۔

(۱۱) "تقویۃ الایمان" کا سب سے جدید ایڈیشن وہ ہے جسے المحدث اکادمی - لاہور نے
نہایت حسن انداز میں خوبصورت سرورق کے ساتھ ۱۹۶۸ء میں زبور طباعت سے آراستہ کیا
اس کے آغاز میں بھی حضرت مہر مہر مہر کے قلم سے امام صاحبؒ کے مختصر سوانح حیات ہیں المحدث

اکادمی کے زیر اہتمام فروری ۱۹۶۳ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں
جیسا کہ ذکر کیا گیا امام صاحب نے اپنی عربی تصنیف ،
۳۔ تذکیر الاخوان

نام سے اردو میں ترجمہ کیا۔ لیکن جہاد میں مصروف ہوجانے کے باعث اس کے دوسرے باب
" الاعتصام بالسنتہ والاحتجاب عن البدعہ " کا ترجمہ نہ کر سکے۔ اس کا ترجمہ آپ کے تلمیذ محمد
سلطان نے کیا ہے اور اسے " تذکیر الاخوان لبقیۃ تقویۃ الایمان " کے نام سے موسوم کیا ہے چنانچہ
انہوں نے " تذکیر الاخوان " کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے :-

" ایک فاضل جلیل متشرع و نینار (امام صاحب) نے شرک اور
بدعت کی بُرائی کے بیان میں ایک رسالہ " تقویۃ الایمان " لکھا اور اس میں
صرف آیتیں اور حدیثیں جمع کیں اور اس کے دو باب ٹھہرائے ایک باب
میں توحید کی خوبیاں اور شرک کی بُرائیاں ہندی (اردو) زبان میں بیان
کیں اور دوسرے باب میں اتباع سنت کی خوبیاں اور بدعت کی بُرائیاں
اور تفصیل بعض بدعات کی آیت اور حدیث سے ذکر کی اور ارادہ ہندی
(اردو) ترجمے کا کیا مگر فرصت نہ پائی اور راہِ خدا میں جان دی ۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ "

اب سن بارہ سو پچاس (۱۹۵۵ء) میں اللہ تعالیٰ نے اس
خاکسار گناہ گار و بیچیدان محمد سلطان کے دل میں ارادہ ، اس کے ترجمہ
کا ڈالا سو اس دوسرے باب کا ترجمہ ہندی (اردو) بولی میں شروع
کیا اور " تذکیر الاخوان لبقیۃ تقویۃ الایمان " اس کا نام رکھا

" تذکیر الاخوان " میں اعتصام بالسنتہ ، احتجاب عن البدعہ ، ذکر صحابہ و اہل بیت ، رد بدعات
تہوّر ، بدعات تقلید اور دیگر معاشی و معاشرتی اور اخلاقی بُرائیوں وغیرہ عنوانات پر کتاب و
سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کسی نے ان دونوں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے
کیا خوب کہا کہ " تقویۃ الایمان " لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تشریح اور تذکیر الاخوان محمد رسول اللہ

کی توثیح ہے۔

”تذکیر الاخوان“ کے بھی کئی ایڈیشن نکلی چکے ہیں۔ علامہ سید اولاد حسن قنوجی (رحمہ اللہ) نے حضرت نواب صاحبؒ نے اس پر ”راہِ سنت“ کے نام سے نہایت مفید حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ ”تذکیر الاخوان“ کا ایک ایڈیشن سید عنایت اللہ کے زیر اہتمام ۱۳۶۱ھ میں ۲۰۲۶ء ساٹھ کے ۲۶۰ صفحات پر مطبع صدیقی دہلی سے شائع ہوا۔ منشی محمد ابراہیم کے اہتمام سے رجب ۱۳۱۳ھ میں مطبع افتخار دہلی سے بھی ۲۲۶ صفحات پر اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا۔ اسی طرح راشد کمپنی دیوبند نے بھی ایک مرتبہ اسے شائع کیا تھا۔ اور حال ہی میں اس کا ایک نیا ایڈیشن بھی شائع ہوا ہے۔

آپ کی یہ کتاب بزبانِ فارسی ہے جس میں آپ نے حضرت سید احمد صاحبؒ کے ملفوظات کو ترتیب دیا ہے چنانچہ مقدمہ تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

۴۔ صراطِ المستقیم

اس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں اور سب سے بڑھی نعمت ہادی زمانہ مرشد لیگانہ حضرت سید احمد صاحبؒ کی مخلص ہدایت منزل میں حاضر ہونے ہے اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیتیک زندہ رکھنے سے فائدہ دے اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ (قربِ الہی) کو نفع پہنچا دے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلس عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلماتِ ہدایت آیات کے سننے میں کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الہی کی خیر خواہی کا یہ تعاضا ہوا کہ غائبین بھی اس فیوضِ الہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق اس کے بغیر اور کوئی نہیں کہ ان بلند پرواز مضامین کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔

یہ کتاب مقدمہ، چار ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب میں آپ کے رفیقِ خاص حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی شریک رہے جیسا کہ آپ نے مقدمہ میں صراحت فرمائی ہے

چنانچہ دوسرا اور تیسرا باب مولانا عبدالحی کے قلم کار ہیں منت ہے۔ مقدمہ تین افادوں پر مشتمل ہے۔ افادہ اول میں حبِ عشقی و عقلی افادہ دوم میں راہِ نبوت و راہِ ولایت اور افادہ سوم میں مضامین کتاب کی تقدیم و تاخیر کے سبب کو بیان کیا گیا ہے۔ باب اول میں طریقِ نبوت و ولایت میں جن وجوہ سے امتیاز ہوتا ہے ان کی دلنشین انداز میں تشریح کی گئی ہے۔ باب دوم میں عبادات کے ادا کرنے، عمدہ صفات کے اپنانے اور بُری صفات کے ترک کرنے کے طریقے بتائے گئے ہیں یہ باب مقدمہ، چار فصلوں اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ باب سوم راہِ ولایت کے سلوک کے بیان میں ہے اس میں چار فصل اور تکملہ ہے اور باب چہارم سلوکِ راہِ نبوت کے بیان میں ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ سید صاحب کے ملفوظات کو ترتیب دیا گیا ہے جو کہ تقوت و اخلاق اور نصائح و ہذیرہ پر مشتمل ہیں تاہم یہ کتاب بھی الفاظ کی بندش، عبارت کی عمدگی اور دلنشین طرزِ نگارش کے اعتبار سے مصنفین کا شاہکار ہے۔ امام صاحب، سید صاحب اور دیگر نقلاً سمیت جب فرغیہ حج کی ادائیگی کے لیے کہ معطلہ تشریف لے گئے تو آپ نے اور مولانا عبدالحی نے شیخ حسین آفندی کی خاطر "صراطِ مستقیم" کا عربی میں ترجمہ بھی کر دیا تھا جس کی نقلیں ان علماء نے بھی لے لی تھیں جو داخل بیعت ہوئے تھے۔ اس ترجمہ کا ایک مکمل نسخہ صاحبزادہ عبدالرحیم خاں مرحوم کے کتب خانہ ٹونک میں بھی موجود تھا۔

مخالفین نے صراطِ مستقیم پر کچھ اعتراضات بھی کیے ہیں جن کا تجزیہ آئندہ صفحات میں "اعتراضات اور ان کی حقیقت" باب کے ضمن میں کیا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے تو اس کی تردید میں مستقل رسالے بھی لکھے مثلاً مشہور شیعہ عالم مولوی ولد دار علی کے شاگرد مولوی علی بن حسن المعروف بہ شرف علی خاں نے "ازاحتہ الغی فی الرد علی عبدالحی" کے نام سے "صراطِ مستقیم" کی تردید میں رسالہ لکھا۔ اسی طرح مولوی ولد دار علی کے ایک دوسرے شاگرد مولوی محمد قلی کنوڑی نے بھی افسوسناک الحمیدریہ کے نام سے اس کی تردید میں رسالہ لکھا۔ یاد رہے شیعہ حضرات نے یہ زحمت شاید اس لیے اٹھائی کہ کتاب کے دوسرے باب کے دوسرے حصہ میں ان بدعات کی تردید ہے جو اہل سنت نے شیعوں سے اخذ کر لی ہیں مثلاً غزاداری، تعزیہ سازی اور عقیدہ تفضیلی حضرت علیؑ وغیرہ۔

”صراطِ مستقیم“ میں تصوف و اخلاق کے علاوہ ان جملہ تقسام کی بدعات کی تردید بھی ہے جو اس وقت معاشرہ میں رواج پذیر تھیں شیخ محمد اکرام مرحوم نے بہت خوب لکھا ہے

صراطِ مستقیم میں سندوستانی مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی خرابیوں کا بالتفصیل بیان ہے اور نہ صرف مرض کی تشخیص بلکہ علاج بھی صحیح تجویز کر دیا گیا ہے اور جس طرح ایک طبیب کامل مرض کے مختلف آثار دیکھ کر ہر خرابی کے لیے مختلف نسخے نہیں تجویز کرتا بلکہ ایک ایسی دوا تجویز کرتا ہے جو تمام امراض کی جڑ کو قطع کرے اسی طرح مولانا نے بھی قوم کی خرابیوں کے لیے اصولی نسخہ تجویز کیا چونکہ یہ تمام خرابیاں جو مختلف قسموں کی تھیں اور مختلف رستوں سے داخل ہوئیں، حقیقتاً اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ مسلمانوں نے رسول اکرم کی سنت کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے تم کی نجات اسی میں تھی کہ ہر وہ رسم جو سنت نبوی اور طریقِ صحابہ کے خلاف ہو یا بعد میں جاری ہوئی ہو، ترک کی جائے۔ سید صاحب کا ارشاد ہے

”تمام رسومِ ہندو سندھ و فارس و روم را کہ خلافِ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم باشد یا زیادتی از طریقہ صحابہؓ شود ترک نماید و انکار و کراہت بر آن اظہار کند“

صراطِ مستقیم کے اور بھی کئی ایشین شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا عبد الجبار کانپوری نے اس کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا، جو چھپ چکا ہے۔ غالباً اسی ترجمہ کی ترمیم و ترمین مولانا جمیل نے لکھنؤ کا ندھلوی نے کی اور فارسی و عربی اشعار کا ترجمہ کر دیا جسے حال ہی میں کلامِ کسینی کراچی نے شائع کیا ہے۔

امام صاحب کی تصوف کے موضوع پر یہ نہایت بلند پایہ اور

۵۔ عقبات

گراں قدر تصنیف ہے جو مقدمہ، چار اشارات اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ کی کتب تصوف مثلاً ”معانی و معانی“ ”صعادت“ اور ”مجامع“ وغیرہ، حضرت مجدد الف ثانی کے ”مکتوبات“ شیخ اکبر محی الدین ابن

عربی کی "فتوحات" اور اپنے اہم کرام کی کتب کے حاصل مطالعہ کو نہایت سلیقہ اور اپنی طرف سے محک و اضافہ کے ساتھ مرتب فرمایا ہے ان مذکورہ ائمہ کرام کے تذکرہ کے بعد جن کی کتب سے آپ نے استفادہ کیا، فرماتے ہیں :-

• آردت ان أسرج فی سبیل المبادی سراجاً یجتدی
 بہ الساکون وأضح فی مدارج المقدمات معراجاً
 یرتقی علیہ الطالبون فالفت رسالتہ تلکون کالبرق
 بین ما ظہر بالعیان وما ثبت بالتبیان وکالو
 صلیۃ
 بین ما فازیہ آراب الکشف و بین ما وصل
 الیہ آل البرہان ثم ان ما اودعتہ رسالتی وان
 لم یکن عین ما تلقتہ من ائمتی الا انہ کالاصل
 لہذا الشجر والبذر لہذا الثمر شعور
 کذا لک تنشأ لیتہ ہو عرقہا
 وحسن نبات الارض من کرم البذر

مقدمہ چار عقبات پر مشتمل ہے پہلے عقبہ میں علم کے اسباب و ذرائع پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ تین ہیں (۱) محسوس سے اخذ کرنا (۲) معلوم سے مجہول کی طرف انتقال (۳) تلقی من لیسب و دوسرے عقبہ میں فرمایا ہے کہ علم نقلی نظریات سے تعلق رکھتا ہے اور علم معتبر کے تین اسباب ہیں ۱۔ عقل ۲۔ نقل ۳۔ کشف اور ان میں سے ہر ایک میں خلل واقع ہو سکتا ہے لیکن جب خلل نہ ہو تو ان میں تناقض نہیں ہوتا۔ تیسرے عقبہ میں اس بات کی تردید کرتے ہوئے نقل مفید لقین نہیں

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں :-

قد تھو لا بعض من لہ میرزق الفہم بامر فطیع آن
 النقل لا یضید العلم القطعی زاعماً انہ انما لینیذ العلم بوجہ
 اللفظ و افادتہ للمعنی موقوفۃ علی العلم بوصفہ
 لہ الخ

پرتھے عقبہ میں الہام کے مفید علم نہ سمجھنے والوں کی تردید کی ہے اور اپنے موقف کو کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ مدلل طور پر بیان فرمایا ہے۔

مقدمہ کے بعد کتاب کے عنوانات "اشارہ" سے شروع ہوتے ہیں۔ پہلے اشارہ میں ۲۳ عبقات اور خاتمہ ہے خاتمہ میں صفات باری تعالیٰ سے متعلق نہایت عمدہ بحث ہے دوسرے اشارہ میں ۲۵ عبقات اور خاتمہ ہے اس میں تجلیات کی بحث نہایت حسن پریرایہ میں کی گئی ہے تیسرے اشارہ میں ۱۲ عبقات ہیں اور ان میں ایجاب و اختیار کی بحث ہے چوتھے اشارہ میں ۱۲ عبقات ہیں ان میں کمال نفس کے مراتب پر بحث ہے خاتمہ پانچ عبقات پر مشتمل ہے عالم مثال پر بحث کے ضمنی تیسرے عقبہ میں فرماتے ہیں۔

"وجود مثالی کا منکر قطعی طور پر اہل سنت سے خارج ہے کیوں کہ اس میں اعتزال کا شائبہ پایا جاتا ہے کیوں کہ وہ ہزاروں قسم کی بعید از قیاس تاویلیں کرتا ہے۔"

المجاہد بالوجود المثالی لیس
من اهل السنۃ حقا بل فیہ شوب
من الاعتزال لما انه یفطر الی
تاویل الف الف بل اکثر تاویلاً
بعیداً۔

مختصر یہ کہ آپ کی یہ عظیم ایشان کتاب آپ کی وقت نظر اور علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت نامہ کا ایک بین ثبوت ہے ذات صفات، تجلیات، علم حق، تجدد اشغال، تنزیلات مستہ، خیر و شر، حق و باطل، ماہیت معاد، منازل قرب، طریق صوفیہ، عبد و رب کا تعلق، وحدت الوجود اور اس نوع کے دیگر عنوانات پر آپ نے جس خوبی سے کتاب و سنت اور علماء تصوف کے ارشادات کی روشنی میں بحث فرمائی ہے اس کا اندازہ احباب ذوق ہی کر سکتے ہیں۔ آپ کا اس کتاب کی شرح لکھنے کا بھی ارادہ تھا لیکن وہ جہاد میں مصروفیت کے باعث پورا نہ ہو سکا۔

یہ کتاب سب سے پہلے مولانا عبید اللہ سندھی کی فرمائش پر دیوبند سے شائع ہوئی تھی دوسری مرتبہ ۱۳۸۰ھ میں مجلس علمی کراچی نے $\frac{26 \times 20}{8}$ سائز کے ۲۲۷ صفحات پر نہایت خوبصورت انداز میں طابو پر زلیویر طباعت سے آراستہ کرائی ہے اس وقت یہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے مولانا مناظر حسن گیلانی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تھا جو کہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد سے شائع

۶۔ اصول فقہ

امام صاحب کا یہ مختصر سا رسالہ اصول فقہ کا ایک بہترین متن ہے جو اختصار و ایجاز کے باوصف نقائص و عیوب سے پاک ہے

ہے اس عنوان پر اگرچہ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ، امام آدمیؒ، قاضی بیضاویؒ، امام ابن حاجبؒ، امام ابو بکر جصاصؒ، قاضی دیلمیؒ، امام شافعیؒ، امام بزدویؒ، امام تفتازانیؒ، امام ابن ابیہامؒ، امام سبکیؒ، امام شاطبیؒ، امام ابن حزمؒ اور دیگر بے شمار جہادہ اہل فن نے قلم کی خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں لیکن امام محمد اعظمؒ کا انداز سب سے نرالا اور بسیلا ہے۔ متأخرین میں سے عہد عالمگیر کے قاضی محبت اللہ بہاریؒ (م ۱۱۱۹ھ) کے تین اصول فقہ "مسلم الثبوت" کا اگرچہ بہت چرچا ہے۔ لیکن ان کے اختصار میں خلل ہے اور اصول فقہ کے مسائل کے ساتھ علم کلام اور فلسفہ کے چند غیر ضروری مسائل کے تذکرہ سے کتاب میں نقص پیدا ہو گیا ہے اس کے برعکس حضرت امام صاحبؒ کا یہ متن نقص سے پاک نہایت عمدہ، جامع اور کوزہ میں دریا بند کرنے کے مصداق ہے "مسلم الثبوت" وغیرہ کے بجائے اگر اسے داخل نصاب کیا جائے، تو یہ کتاب مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

۱۔ اصول فقہ کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۵ء میں ۳۶ صفحات پر مطبع مجتہائی سے یہ کتاب شائع ہوئی تھی۔ دائرۃ المعارف لاہور نے ۳۰۸۲۰ سائز پر اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا۔ مولوی مشتاق احمد ہنٹھوی نے اس کے حواشی لکھے ہیں جو سب سے پہلے مطبع طبعی لاہور سے شائع ہونے والے نسخہ پر مطبوع ہوئے۔ محشی چونکہ حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہوں نے حواشی میں جا بجا حضرت امام صاحبؒ سے اختلاف کیا ہے اس کی ایک بے نظیر شرح حضرت العلامة المحقق الاستاذ الامام الحافظ محمد المحدث گوندوی دست برکاتہم کے قلم فیض رقم سے بھی ہے جو کہ "بغیۃ الفحول فی شرح مختصر الاصول" کے نام سے ادارہ اشاعت السنہ لاہور سے دسمبر ۱۹۶۸ء میں لیتھو پریس پر شائع ہو چکا ہے۔ اے کاش! اس شرح حافل کو اس کے شایان شان ٹائپ وغیرہ پر زیور طباعت سے آراستہ کیا جاتا۔

۲۔ ایک روزہ | یہ فارسی زبان میں امام صاحبؒ کا امکان و امتناع نظیر کے موضوع پر

وہی رسالہ ہے جس کا ذکر آپ "تقویۃ الایمان" کے تعارف کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ ایک دن آپ نماز کے لیے مسجد تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں کسی نے مولانا خیر آبادیؒ کا رسالہ دیا جو انہوں نے آپ کی تردید میں لکھا تھا۔ نماز سے فراغت کے بعد، ایک ہفتہ میں مسجد میں جلوہ افروزی کے عالم میں اس کا جواب تحریر فرمایا، اس لیے یہ ایک روزہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس کے دلائل اس قدر ناقابل تردید ہیں کہ آج تک مخالفین اس کا جواب نہیں دے سکے۔ ۱۰ ذوالحجہ ۱۳۳۱ھ کو اس رسالہ کی تیسرین ہوئی تھی جب کہ امام صاحبؒ، ہجرت بن غرمن جہاد کے سلسلے میں شکار پور تشریف فرما تھے۔ اور سب سے پہلے ۱۲۹۶ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے "ایضاح الحق" کے ساتھ شائع ہوا۔ کچھ عرصہ ہوا مکتبہ صدیقیہ طمان نے اسے الگ زیور طباعت سے آراستہ کر دیا ہے۔

اس رسالہ کا ذکر کرتے ہوئے سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ آپ نے اس

۸۔ رسالہ درم منطق علم منطوق

میں :-

"شکل اول کے بعد الطبايع اور شکل رابع کے بعد البدیيات ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس کے دلائل اس قوت و استحکام کے ساتھ مذکور فرمائے کہ اگر معلم اول موجود ہوتا تو اپنی براہین کو تار و عنکبوت سے سُست تر سمجھتا"

یہ رسالہ غالباً طبع نہیں ہو سکا اور نہ ہی اس کے کسی قلم نسخہ کا سراغ مل سکا ہے

حضرت امام صاحبؒ کی یہ نہایت بلند پایہ تصنیف ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحی نے بالکل سجا فرمایا۔

۹۔ منصب امامت

ہے :-

"وہو مالہ لیسبق الیہ"

"سابقہ زمانہ میں اس موضوع پر ایسی کوئی کتاب نہیں :-"

یہ سب سے پہلے ۲۶ × ۲۰ سائز کے ۱۱ صفحات پر ریاست بھوپال کے وزیر مولانا محمد

جمال الدین خاں کی فرمائش پر مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے بعد مولانا عبد اللطیف قریشی کے ترجمہ کے ساتھ ۳۰۶ حصوں میں $\frac{22 \times 29}{8}$ کے ۳۴ صفحات پر مطبع مذکور سے ہی "درجاتِ امامت" کے نام سے شائع ہوئی۔ علاوہ ازیں اس کا صرف اردو ترجمہ بھی از حکیم محمد حسین علوی۔ لاہور ۱۹۴۹ء میں $\frac{22 \times 18}{8}$ سائز کے ۱۵۲ صفحات پر منسب امامت، اسلامی سلطنت کا دستور العمل کے نام سے مؤمن پورہ راوی روڈ لاہور سے شائع ہو چکا ہے اس کتاب کے دو باب ہیں، باب اول میں حقیقتِ امامت کا ذکر ہے اور اس باب کو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے فصل اول میں کمالاتِ انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ کمالات جو حقیقتِ امامت سے تعلق رکھتے ہیں ان کا مرجع پانچ اصول ہیں اول وجاہت، دوم ولایت، سوم بعثت، چہارم ہدایت اور پنجم سیاست پھر ان اصولِ خمسہ کی نہایت دل نشین انداز میں تشریح کی گئی ہے فصل دوم میں انبیاء کے کمالات سے اولیاء اللہ کی مشابہت کو دو مختلف اعتبار سے بیان کیا گیا ہے۔

باب دوم میں ایک مقدمہ، دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے مقدمہ میں امامت کی حقیقتی و حکمی دو اعتبار سے تشریح کی گئی ہے۔ فصل اول میں امامت حقیقتی کی اقسام اور فصل دوم میں امامت حکمی کی اقسام بیان کی گئی ہیں خاتمہ میں اس امر کی وضاحت ہے کہ لفظ امام سے کیا مراد ہے؟ اس ضمن میں دو تشبیہ ہیں پہلی میں صاحبِ دعوت اور دوسری میں اصحابِ دعوت کے حکم کی وضاحت کی گئی ہے الغرض اس کتاب میں آپ نے حقیقتِ نبوت کی وضاحت کے بعد حقیقتِ امامت یعنی سیاسی قیادت (POLITICAL LEADERSHIP) وغیرہ کی اقسام اور اسلامی اصولوں کے مطابق ان کے احکام کو بیان فرمایا ہے اور اس امر کی توضیح کی ہے کہ کس قسم کی قیادت کے ساتھ مسلمانوں کا کیا سلوک ہونا چاہیے گویا جو لوگ نبوت و امامت اور ولایت کو باہم مخلط کر دیتے ہیں ان کے لیے اس کتاب میں حقیقت کو سمجھنے کے لیے پور پورا سامان موجود ہے اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبِ اسلامی سیاست ISLAMIC POLITICS پر بڑی گہری نگاہ رکھتے تھے۔

شاہ پرستی کے آپ مخالف تھے اس لیے آپ نے اپنی اس مایہ ناز تصنیف میں اس کا

برطانیہ اور فریاد ہے مسلمان بادشاہوں کی اس دور کی بادشاہت جس کو لوگ نطل الہی سے تعبیر کرتے تھے آپ اس کو قابلِ نفی اور جبر و قہر کی حکومت سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ان کا استیصال اور عین انتظام است و ان کا استیصال عین انتظام ہے اور ان کو ہلاک کرنا عین اسلام و اطاعت ہر تسلط از احکام شرعیہ نیست و انقیاد ہر متعجب از او اور اطاعت کرنا حکمِ شریعت نہیں۔
دینیہ نہ

آپ بزرگ ترین امتیاز کی دو علامتیں بیان کرنے کے بعد، جو کہ اس دور کے حکمرانوں میں پائی جاتی تھیں، فرماتے ہیں :-

پس دریں صورت برافروختن
اعلام قتل و قتال و برانداختن آن مبتدع
ضال و رحنِ لیت و اہل لیت منفعت
خواہد بخشید و الایوام و خواص بے شک
مضرند خواہد رسید
پس ایسی صورت میں علم بغاوت بلند کرنا اور اس گمراہ کو جو مذہب کے نام پر مانی کر رہا ہے معزول اور برخواست کر دینا لیت کے لیے بھی مفید ہوگا۔ اور اہل لیت کے لیے بھی ورنہ ملک کے عوام و خواص کو بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

اس کے بعد مزید فرماتے ہیں :-

"جہاد برایشان از ارکان اسلام
است و امانت ایشان اعانتِ سید
الانام"
"ان کے خلاف جہاد کرنا ارکانِ اسلام سے ہے اور ان کو ذلیل کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت ہے۔"

آپ کا یہ فیصلہ ان مسلمان بادشاہوں کے متعلق ہے جو راہِ راست سے ٹھیک چکے تھے ان حضرات کو غور فرمانا چاہیے جو یہ کہتے ہیں کہ آپ انگریزوں کے خلاف نہیں بلکہ صرف سکھوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے تھے کہ جس کا نظریہ غلط کار مسلمان حکمرانوں کے متعلق یہ ہو تو فرنگی کافروں کے متعلق اس کا موقف کیا ہوگا ؟ غرضیکہ "منصبِ امامت" اپنے موضوع پر ایک جامع کتاب ہے جسے اسلامی حکومت کے ایک دستور کی حیثیت سے بھی پیش کیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ اعلیٰ

دریائے مسائل و احکام کی وضاحت کے لیے اس دور میں تصنیف کی گئی تھی جب کہ سیدین شہیدانہ
 نفلت کردہ ہند کو اسلامی ریاست کی حیثیت سے اسلامی آئین کے نفاذ کے نوڑے نمود
 دیکھنا چاہتے تھے اور عملاً اس کے لیے معروف جہاد تھے۔ کتاب کے آخر میں آپ نے جو یہ فرمایا
 ہے کہ :-

«عقرب انشاء اللہ تعالیٰ احکام امام
 در ابواب آئندہ بالاستیعاب مذکور خواہد گردید
 انشاء اللہ عنقریب احکام امام آئندہ
 البواب میں بالاستیعاب مذکور ہوں گے -
 واللہ بیدعی من یشاء الی سواء
 البتیل وهو حسبی ونعم الوکیل

افس آپ جام شہادت نوش فرما جانے کے باعث اپنے اس عزم کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا
 سکے۔ اے کاش / اللہ تعالیٰ کسی صاحب ذوق کو توفیق بخشے کہ وہ امام صاحب کے اسلوب کو
 تہ نظر رکھتے ہوئے کتاب تکمیل کر دے۔ وہ کا ذلالت علی ائمانہ بعین
 آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اس کتاب کے متعلق درج ذیل قول
 بھی ملاحظہ فرمائیے :-

«شاہ اسماعیل صاحب شہید کی عقیدت خاندانی ورثہ ہے لیکن
 ان کی شہرہ آفاق اور مسلم ذکاوت اور وفور علم کا اندازہ صرف
 «منصب امامت» سے ہوا جو اس موضوع پر میرے محدود علم میں
 اپنے طرز کی منفرد تصنیف ہے»

آپ کی اس تصنیف لطیف کا پورا نام "ایضاح الحق
 الصریح فی احکام المیت والفریح" ہے کتاب کے

۱۰۔ ایضاح الحق

نام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا موضوع صرف احکام میت ہے لیکن درحقیقت یہ
 حقیقت سنت و روایت کی کتاب ہے اور بعض حکما و کرام کی رائے ہے کہ روایات
 میں اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ آپ نے کتاب کے آغاز میں سبب تالیف ذکر
 کرتے ہوئے فرمایا ہے :-

یشفق کرمی مولوی تفضل علی صاحب
 راجھا ہنس تمیز فیما بین السنۃ والبدعۃ
 در رسوم مذکورہ ہمسید تباؤ علیہ از بندہ
 ضعیف الراجی رحمۃ اللہ الجلیل احقر العباد
 محمد اسمعیل عفی عنہ استفسارہ این معنی فرمودہ
 پس بندہ بضعیف اجوبہ سائل مستفسرہ
 را در ضمن چند اوراق مفصل و تدلل گردانیدہ
 از ابا ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت
 والصریح معنی نہودہ^۹

میرے شفق و کرم مولوی تفضل علی صاحب
 کو رسوم مذکورہ میں سنت و بدعت کے
 درمیان فرق و امتیاز کی خواہش ہوئی تو بندہ
 ضعیف امیدوار رحمت اللہ الجلیل احقر
 العباد محمد اسمعیل عفی عنہ سے اس کو دریا
 و استفسار فرمایا تو بندہ ضعیف نے ان
 سائل مستفسرہ کے جوابات کو چند اوراق میں
 مفصل و تدلل بیان کر کے اسے "ایضاح الحق
 الصریح فی احکام المیت والصریح" کے نام
 سے موسوم کر دیا۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے بدعت کی لغوی تشریح اور بدعت اصلہ و
 مضیہ کے اعتبار سے بدعت کی تقسیم اور پھر اس کی تشریح، امور سنت و امور غیر سنت،
 تقلید و اجتہاد اور علوم نافعہ پر مشتمل مباحث نہایت مدلل اور دل نشین ہیں۔
 یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۲۲۴ھ میں مطبع فاروقی دہلی سے طبع ہوئی پھر ۱۲۵۶ھ میں کتب خانہ
 اشرافیہ دہلی سے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی۔ یہ ترجمہ مولانا عبداللطیف سونی بتی کا ہے
 اور "امداد الفتح" کے نام سے مشہور ہے۔ امداد الفتح فی توضیح الايضاح "مکتبہ رحیمیہ لویند
 سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

مولوی عبدالہادی حنفی نے عدم جواز رفع الیدین میں
 ایک رسالہ لکھا تھا۔ امام صاحب نے تنقید الجواب

التنقید الجواب

کے نام سے اس پر تنقید لکھی حضرت امام فتوحی فرماتے ہیں :-
 "تنقید الجواب فتویٰ فارسی عبارت ست در جواب عدم رفع الیدین فی الصلوٰۃ للشیخ
 الوروی عبدالہادی المہاجر الحنفی از شیخ محمد اسمعیل بن عبدالغنی الشہید المتوفی سنۃ احدی و
 خمین و ماتین والذی اولہ الحمد للہ الذی لا شریک لہ فی الخلق والامر و

آخرًا املا لا محمد اسمعيل غفا الله عنه و بروى دستخط مولوى عبدالحى مرحوم دست
بایں حروف هذا الملاء كله مرتج الحق والحق احق بالاتباع حرره عبدالحى عفى عنه شانزدهم ذى الحجة
۱۲۲۲ھ ہجری

۱۲۔ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین

نام سے ظاہر ہے۔ یہ آپ کی وہ بے نظیر تصنیف ہے جس پر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور
شاہ عبدالقادرؒ نے بھی اظہارِ پسندیدگی فرمایا تھا بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تو یہ بھی فرمایا
تھا :-

۱۱۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ گھر محققینِ علمِ حدیث سے خالی نہیں
ہے۔

رفع الیدین کی کُسنیت پر بحث کرتے ہوئے دیا یہ میں فرماتے ہیں :-

“ان رفع الیدین عند الافتتاح والركوع والقيام
منه الى الثالثة سنة غير مؤكدة من سنن
المهدى فيثاب فاعله بقدر ما فعل ان كائماً
فحسبه وان مرة فمثله ولا ميلام متاركة
وان تركه مدلاً عملاً”

چنانچہ امام صاحب نے خود بھی رفع الیدین پر عمل شروع فرما دیا تھا۔ یاد رہے اس وقت شاہ
عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ بھی بقتید حیات تھے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہؒ کے
ایک دوسرے پوتے شاہ مخصوصؒ اللہ بن شاہ رفیع الدین کے متعلق بھی کتابوں میں صراحت
موجود ہے کہ وہ بھی آئین بالجہر اور رفع الیدین پر عمل پیرا تھے اس کتاب میں اثبات رفع الیدین کے
علاوہ آپ نے چونکہ آئین بالجہر، فاتحہ خلعت الامام اور رد تعلید وغیرہ کی طرف بھی اشارات فرمائے
ہیں اس لیے مقلدین حضرات کو یہ کتاب انتہائی مانگاوار گزری چنانچہ اس کی تردید میں مولوی محمد شاہ
پاک تپنی نے ”تنویر الحق“ کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کے جواب میں علامہ حدیث کی طرف سے شیخ

۱۲۱
 اہل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی نے نہایت مدلل و مفصل کتاب "معیار الحق" کے نام سے تصنیف فرمائی۔ اس کا اثر علی حلقوں پر بڑا شدید ہوا، مخالفین تو اس سے بڑھلا اٹھے سچ ہو چھینے تو اس عنوان پر شاید ہی اس سے زیادہ کوئی مستند، مدلل اور معیاری کتاب ہو، امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اس کے متعلق فرمایا ہے۔

مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا اور صاحب
 ارشاد الحق (انتصار الحق) کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ
 گیا۔

"معیار الحق" کی تردید میں مولوی ارشاد حسین صاحب رامپوری نے "انتصار الحق" لکھی جس کی طرف حضرت امام الہند کے اس مذکورہ ارشاد میں اشارہ ہے۔ رامپوری صاحب کو اپنی کتاب پر بڑا ناز اور غور تھا اور ان کے زعم میں اس کا جواب بہت محال تھا لیکن خدا رحمت کرے مولانا سید امیر حسین سہسوانی پر کہ انہوں نے "انتصار" کی اشاعت کے ایک ہی دن بعد براہین اثنا عشریہ کے نام سے اس کا جواب شائع فرما دیا۔ انہوں نے اس کی ایک کاپی مولانا عبدالحی لکھنوی کو بھی بھیجی، جسے ملاحظہ کرنے کے بعد انہوں نے مولانا امیر حسین مرحوم کو اپنے مکتوب میں لکھا۔

براہین اثنا عشریہ رسیدہ غلط اسامی کتب و مؤلفین در انتصار
 لاقدر مستند شاید تنبیر اختصار برچسبہ کفایت شدہ

"انتصار" کا دوسرا جواب مولانا احمد حسن نے "تخصیص الانظار فیما سب علیہ الانتصار" تیسرا

جواب مولانا شہرود الحق فطیم آبادی نے "البحر الذخار لازحاق صاحب الانتصار" اور چوتھا جواب مولانا احتشام الدین مراد آبادی نے "اعتیار الحق" کے نام سے لکھا۔

اس کتاب کے بھی کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ "در قدیم زان در کلکتہ با ترجمہ اردو طبع شدہ۔ آپ کا اشارہ غالباً اس ایڈیشن کی طرف ہے جو ۱۲۵۶ھ میں مطبع رحمانی کلکتہ سے شائع ہوا تھا اسی طرح ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۷۹ھ میں مطبع مجتبیٰ میرٹھ سے بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ حال ہی میں "المکتبہ السلفیہ" لاہور سے یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی ہے۔

۱۳۔ حقیقتِ تصوف

اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا فضل حسین صاحب
بہاری لکھتے ہیں :-

۔ ایک کتاب آپ نے لکھی جس کا نام حقیقتِ تصوف تھا۔ اب یہ
نایاب ہو گئی ہے اس میں آپ نے سچے صوفیوں کی تعریف لکھی ہے اور
اب جو من گھڑت باتیں داخل تصوف ہو گئی ہیں، ان کی بُرائی بیسان کی
ہے۔ اس کتاب سے اس طبقہ والوں کی بھی بہت کچھ اصلاح ہوئی ہے۔

مولانا بہاری کے علاوہ اور کسی نے اس کتاب کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ اس کے کوئی مفسر
آکے ہیں۔

۱۴۔ مثنوی سلک نور (اردو)

یہ شاید کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت امام
صاحب جیسے اُردو، عربی اور فارسی
کے صاحب طرز اُستاد پر از تھے ایسے ہی آپ ایک تادور الکلام شاعر بھی تھے۔ گو اس طرف
آپ نے خاص توجہ فرمائی اور نہ دیگر مصروفیات کے باعث اس کے لیے وقت میسر آسکتا تھا مگر
آپ کے منظومات میں سے جو کچھ موجود ہے وہ آپ کی بہترین شاعرانہ صلاحیتوں کی عکاسی کے لیے
کافی ہے۔ اس سلسلہ میں مثنوی سلک نور خاص طور پر قابل ذکر ہے، اس میں ردِ شرک، توحیدِ الٰہی
نعتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مدحِ حضرت سید احمد شہید ایسے پاکیزہ عنوانات کو مثنوی
سخن بنایا گیا ہے۔ "مثنوی سلک نور" مولوی ابو محمد جمیل کے حسب فرمائش پکاش سٹیم پریس لاہور
سے ۱۳۲۰ھ میں طبع ہوئی اس کے آغاز میں ناشر یا مرتب نے رسالہ "حقیقتِ اصلاح" کو بھی لگا
دیا ہے یا در ہے یہ امام صاحب کا رسالہ نہیں بلکہ حضرت سید احمد صاحب کی ایک تقریر ہے
مثنوی کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

الٰہی ترا نام کیا خوب ہے کہ ہر جان کو وہی مطلوب ہے
اسی سے ہے ہر دل کو آرام چین وہی سبب باذنِ کلبے نیت زین
اس میں کل دو صد اکاون اشعار ہیں۔ آخر میں اکتیس اشعار پر مشتمل "نسخہ قوتِ ایمان"
کے نام سے ایک بڑی دلچسپ نظم ہے۔

۱۵۔ مثنوی سلک نور فارسی

آپ کی یہ فارسی مثنوی تین سو بیسٹھ اشعار پر مشتمل ہے، اتباع توحید و سنت، اجتناب شرک

و بدعت اور تردید فلسفہ قدیم اس مثنوی کے مضامین ہیں۔ مثنوی کا آغاز اس طرح ہے سے

مک الحمد اے مالک کار ساز کرودی مرا از شناسانِ راز
مرا دم ازاں رازِ توحید تست کہ آں مغزِ تمجید و تمجید تست

یہ مثنوی ہنوز غیر مطبوع ہے اس کا ایک تعلیمی نسخہ مولانا عبدالصمد مدرس جامع مسجد الحمد میٹ

راولپنڈی کے پاس موجود ہے۔ امام صاحب کے ارادت مند اور معاصر مولانا عبدالرب ہزاروی نے اسے امام صاحب سے حاصل کر لیا تھا۔ آج سے کوئی نوے سال قبل ۱۳۰۳ھ میں ان کے صاحبزادے مولانا عبدالرحمن نے بھی اسے نقل کر لیا تھا۔ اسی کی ایک نقل مولانا موصوف کے پاس ہے۔ آپ اسے طبع کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عنایت فرمائیں۔

۱۶۔ قصیدہ در مدح حضرت سید محمد شہید

تذکرہ نگاروں نے گو اس کا ذکر کیا ہے لیکن افسوس کہ

کسی نے بھی اسے نقل نہیں کیا۔ صرف مولانا تھانیسری نے اس قصیدہ کے سات آٹھ اشعار نقل فرمائے ہیں ان میں سے ابتدائی دو شعر درج ذیل ہیں سے

بیاد تہنیتِ شجرہ امامت کن کہ بعد گم شدنش ہاں چگونہ گشت پدید
ہزار شکر بہ یزداں پاک کہ فضلش ز نور قدسی غیبش کہ قطرہ یہ چکید

۱۷۔ قصیدہ در مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بھی آپ کا ایک

فارسی قصیدہ ہے جس کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہے۔

ہزار حمد بربِ حکیم صاحبِ جود
ظہور کرد کمالش ز جزر ہر موجود

حضرت نواب صاحب نے اپنی کتاب "آسمان البلاء" میں اس قصیدہ کے آٹھائیس اشعار

نقل فرمائے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ :-

”تمام ابنِ قصیدہ بخط وادار ماجد محرم سطور در بیاض نشان
مرقوم است“

آج اس قصیدہ کے صرف یہی اثنار موجود ہیں جنہیں حضرت نواب صاحبِ درج
فرما گئے، افسوس کہ قصیدہ کا باقی حصہ دستبردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہا۔

بے نمازوں کو آسان اور دل نشین انداز میں سمجھانے

کی غرض سے فرغیہ نماز کی اہمیت اور تارکِ صلوٰۃ

۱۸۔ رسالہ بے نمازاں

کے لیے وعید وغیرہ کو آپ نے نہایت مؤثر پیرائے بیان میں نظم فرمایا اور جا بجا آیات و احادیث
کو بھی اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا۔ آیات و احادیث کا عام فہم بین استطور ترجمہ بھی درج فرما
دیا۔ یہی ”رسالہ بے نمازاں“ ہے۔ حمد، درود، تسمیہ اور آیت ”یوم کشف عن ساق الخ کے
بعد رسالہ کا آغاز اس طرح ہے

بعد حمد پاک ربِّ العالمین اور درود رحمۃ للعالمین
حال اپنا اب ستولے بے نماز کیوں رہے تاکہ کے فرتے سے باز

”رسالہ بے نمازاں“ ۲۰ × ۳۰ سائز کے ۱۲ صفحات پر نارتی کتب خانہ ملتان سے
شائع ہو چکا ہے اس کے ساتھ ۱۳ سے ۱۸ صفحات تک مولانا عبدالغفار ملتانی کی ”تنبیہ نماز“
کے نام سے ایک تقریر بھی ملتی ہے۔

امام صاحب کا کلام اگرچہ علیحدہ علیحدہ تو شائع ہوا لیکن افسوس کہ آپ کے کلام کو مرتب
کر کے شائع کرنے کی کسی نے زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ بحمد اللہ یہ سعادت بھی راقم کے حصہ میں
آئی۔ راقم نے آپ کے کلام کو کلام شاہ اسماعیل شہید کے نام سے مرتب کیا اور طارق اکیڈمی
فیصل آباد نے اسے نہایت سلیقے سے زیور طباعت سے آراستہ کر لیا ہے۔

ان گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام صاحب
میدانِ تصنیف کے بھی کامیاب شہسوار تھے اگرچہ دعوت و تبلیغ اور جہاد میں مصروفیت کے
باعث آپ کو قلم کی خوب خوب جولانیاں دکھانے کے مواقع تو نسبتاً کم آسکتے تاہم قلم برداشتہ
آپ کی جو طبعی یادگاریں ہیں وہ اپنی جامعیت، پختگی اور تاثیر کے اعتبار سے فن کی کئی ضخیم جلد

پر جاری ہیں۔ مذکورہ کتب کے علاوہ امام صاحب نے سید صاحب کے مکتوبات ترتیب دیئے
 مولیٰ عبدالرحمن مکھنوی کے رسالہ "کلمۃ الحق" پر نہایت اچھا محاکمہ لکھا اور بہت سی کتابوں پر
 نہایت قیمتی حواشی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ افسوس کہ مولانا رشید الدین خاں کا نادر و نایاب کتب
 پر مشتمل کتب خانہ جب آیامِ غدر ۱۸۵۷ء میں گٹ گیا تو یہ تمام قیمتی حواشی بھی ضائع ہو گئے۔ مولانا
 رشید الدین کے صاحبزادے مولانا سید الدین ہمیشہ نہایت افسوس سے فرماتے کہ ہم کو اپنے
 کتب خانہ کے گٹ جانے کا اس قدر افسوس نہیں جس قدر ان حواشی کے ضائع ہو جانے کا ہے کیوں
 کہ کتابیں تو پھر بھی دستیاب ہو سکتی ہیں مگر ان حواشی کا ملنا محال ہے۔

پیامِ شاہجہانپوری نے اپنی کتاب "حیاتِ سخیل شہید" میں جو آپ کی طرف "الاربعین فی
 احوال المہدیین" کا انتساب کیا ہے اور اس کا عکس بھی دیا ہے یہ محض افسانہ معلوم ہوتا ہے جو
 شاید کسی مخفی جذبہ کی تسکین کے لیے بنایا گیا ہے۔ امام صاحب کے سوانح نگاروں میں سے کسی نے
 اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ اور پھر اس انتساب کے غلط ہونے پر اعلیٰ شہادتیں بھی موجود ہیں مثلاً کتاب
 کے آفر میں شاہ نعمت اللہ کے فارسی قصیدہ کا الحاق، جو خود ایک چیتان ہے اور اہل علم کے
 نزدیک اس کی اہمیت معلوم۔ امام صاحب کے ایسے موحد اور متبع سنت بزرگ ہر قصیدہ کو اپنی
 کتاب کے ساتھ کیوں ملتی کرنے لگے۔ ہمارے شبہ کو تقویت اس سے بھی پہنچتی ہے کہ اس سلسلہ میں
 پیامِ صاحب کا آخذہ سخیل مین کا روزنامہ انجمن کراچی میں مطبوع ایک مضمون ہے اور مین صاحب
 ہی پیامِ صاحب کی طرح ثوابی اُمت کے ایک فرد ہیں۔ لہذا امام صاحب کی طرف اس کتاب
 کا انتساب غلط ہے۔ آپ نے اس نام کی کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔

باب ہفتم

اعتراضات اور انکی حقیقت

اختلاف رائے کا ہر انسان کو حق پہنچتا ہے بشرطیکہ اختلاف عدل و انصاف کی حدود سے متجاوز اور اختلاف برائے اختلاف نہ ہو۔ لیکن شومئی قسمت کہ از حضرت آدم تا اس دم اہل حق کو زیادہ تر ناروا مخالفت ہی کا تختہ مشق بنا پڑا۔ ائمہ سلف میں سے امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلہؒ امام بخاریؒ امام ابن تیمیہؒ اور دیگر بے شمار اساطین علم و فضل کے خلاف مخالفتوں کے جو طوفان برپا کیے گئے، اس سے ایک دنیا واقف ہے۔ علامہ سبکیؒ نے جو یہ لکھا ہے تو بالکل مجاہدہ۔ کوئی امام ایسا نہیں ہے کہ زبان درازوں نے اس کے حق میں زبان درازی نہ کی ہو اور تباہ ہونے والے اس کے بارے میں ہلاک نہ ہوئے ہوں اگر مخالفت برائے مخالفت یا حسد و کینہ پر مشتمل ہو تو اہل حق کا اس سے کچھ نہیں بگڑتا البتہ مخالفین اپنے نامہ اعمال کو ضرور سیاہ کر لیتے ہیں غرض فریٹے مخالفین نے تو خدائے ذوالجلال و الاکرام، قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کجا

پہنچتاخ زبانیں دراز کرنے سے دریغ نہیں کیا، تو کیا اس سے ان کے تقدس یا عظمت و صداقت میں سب سے بھی فرق آیا؟ شاید انہی حالات میں کسی نے کہا :-

قیل ان الاله ذو ولد قیل ان الرسول وقد کھنا
ماخبا للہ والرسول محاً من لسان الودی فکیف افا

بزرگ صغیر پاک و منہد کی تاریخ میں حضرت امام محمد اسماعیل شہید سے زیادہ کوئی مظلوم نہ ہوگا۔ آپ کے دور میں چونکہ شرک و بدعت کا خوب گرم بازاری تھا لوگ نضانی خواہشات کے پجاری بن گئے تھے اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر شیطانی پگڈنڈیوں پر ٹامک ٹوٹے مار رہے تھے ان حالات میں آپ نے جس طرح کفر و شرک اور بدعات و محدثات کے خلاف عزیمت و استقلال سے جہاد کیا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا، اسی طرح شرک و بدعت کے حامیوں کی افترا پر زاریوں اور خواہشاتِ نضانی کے پجاریوں کی گستاخ زبان درازیوں کا سبھی آپ کو سب سے زیادہ ہدف بنا پڑا۔ سچ پوچھئے۔ تو شاہ ولی اللہ کے اس مجاہد و شہید پوتے کے خلاف اہل بدعت اور گورپستوں نے جو طوفانِ بدتمیزی برپا کیا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ اظہت کہیے یا ستم اکیلے مولوی احمد رضا خاں کے ان پھوٹے بڑے کتابچوں کی تعداد دو تین سو کے قریب ہے جس میں انہوں نے مظلوم و شہید امام کو بغیر و تبرا بازی کا نشانہ بنانے کا شوق فرمایا ہے :-

قریب ہے یارو روزِ محشر، چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر

جو چھپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

حضرت امام صاحب پر جو شرمناک بہتان باندھے گئے، وہ بہت زیادہ ہیں انحصار کے پیش نظر ان میں سے چند بہتانوں کا جواب حسب ذیل طور میں دیا جاتا ہے جنہیں گورپرست سادہ لوح عوام میں بہت زیادہ اچھالتے ہیں۔

اہل بدعت کی طرف سے حضرت امام صاحب پر بڑے زور شور سے

اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ

پہلا اعتراض

وہم بلکہ تمام انبیاء کرام چار سے بھی زیادہ دلیل ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

جواب

اس ناپاک، گندے اور بیہودہ اعتراض بلکہ بہتان کا مختصر جواب
 تو یہ ہے کہ سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ مفصل

جواب کے لیے امام صاحب کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے، جس پر اس بہتان کی بنیاد رکھی
 گئی ہے۔ امام صاحب "تہذیب الامیان" کے تیسرے باب میں شرک سے اجتناب کی تلقین
 کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَ
 هُوَ يَعِظُهُ يَبْنِيكَ لَا تَشْرِكْ
 بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ
 اور جب کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو اور وہ
 نصیحت کرتا تھا اس کو اے بیٹے میرے امت
 شریک بنا اللہ کلبے شک شریک بنا تا اس کا
 بڑی بے انصافی ہے۔

ف :- "یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقل مندی دہی تھی سو انہوں نے اس سے سمجھا کہ سب
 انصافی یہ ہے کہ کسی کا حق اور کسی کو کپڑا دینا اور جس نے اللہ کا حق اٹھل کی مخلوق کو دیا تو بڑے
 سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے سر
 پر رکھ دیجئے۔ اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو
 یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے۔"

فاطرین کرام! غور فرمائیے اس عبارت میں کسی نبی، ولی کا ذکر ہے؟ بلکہ یہاں تو اجمالاً
 ہے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ آپ
 کا مقصد صرف یہ ہے کہ جو نسبت چمار کو انسانیت کی وجہ سے، بادشاہ سے ہے وہ مخلوق میں
 سے کسی کو بھی خدا کے ساتھ حاصل نہیں اس لیے سب مخلوق چمار کی نسبت سے بھی درجے میں بہت
 نیچے ہے آپ یہاں خالق و مخلوق کے مرتبہ کا فرق بیان فرما رہے ہیں۔ مخلوق کے باہمی مرتبہ کا
 ذکر بیان نہیں فرما رہے۔ اور پھر کوئی مخلوق اپنی ذات کے اعتبار سے کیسی ہی باکمال کیوں نہ
 ہو وہ خالق کے مقابلہ میں لاشعوبی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات اور مقربان
 بارگاہ خداوندی کے درجات مستم ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ سب کمالات الہیہ کے
 مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ مخالفین شاید لفظ ذلیل سے زیادہ بگڑیں۔ حالانکہ ذلیل کے معنی کمزور اور

ضیعت کے ہیں خود اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کے لیے — اور وہ بھی بدری صحابہ
رضوان اللہ علیہم — اس لفظ کو استعمال کیا ہے، فرمایا :-

وَلَقَدْ أَنْصَرَكُمْ اللَّهُ بِبَدْرٍ
وَأَنْتُمْ آذِلَّةٌ
اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر تمہاری مدد کی
جب کہ تم ذلیل تھے۔

کتب تفسیر خصوصاً تفسیر کبیر، البواسعود اور بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے
آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صحابہ کرام کے لیے ضعف و قلت مال کے سبب
اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس سے ان کی توہین مقصود نہیں علیٰ ہذا القیاس امام صاحب
کا مقصود بھی ہرگز ہرگز انبیاء و اولیاء کی توہین نہیں یہ تو اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت شیخ
شہاب الدین سہروردی نے فرمایا ہے۔

لا یکیل ایمان امر
حتی یكون الناس عندنا
کالا بیاعاً
کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں
ہو سکتا جب تک کہ سب آدمی اس کی نظر
میں (عظمت الہی کے مقابلہ میں) اوزٹ کی تنگی
جیسے نہ ہوں۔

الہم یا فقی نے بھی شیخ موصوف کا یہ عقیدہ لکھا ہے :-
تمام مخلوقات ملائکہ و جن و انس و عرش و کرسی و لوح و قلم و زمین و
سمان وغیرہ اللہ جل جلالہ کی عظمت کبر باری کے مقابلہ میں رائی کے دانہ
سے بھی حقیر ہیں۔

حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں :-
ایمان کے تمام نہ شد تا سہم خلق نزل و او ایں چینی نہ نماید کہ
پشک شتر

سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کا ارشاد بھی سنئے اور سہروردی نے فرماتے ہیں :-
اجعل الخایمة اجمع کرمبل
کتفہ سلطان عظیم ملک
تمام مخلوق کو اس آدمی کی طرح سمجھو کہ جس
کو کسی ایسے بادشاہ نے گرفتار کر لیا ہو جس

کامک بڑا، حکم سخت اور دبدبہ وغلبہ
خوفناک پھیرا اس بادشاہ نے اس آدمی
کے پاؤں اور گردن میں طوق و سلاسل
ڈال کر اسے صنوبر کے درخت پر ایک بڑے
مواج اور تلاطم خیز، وسیع و عریض
دریا کے کنارے سولی پر چڑھایا پھر
وہ بادشاہ ایک شاندار کرسی پر جلوہ
افروز ہوا اور تیر و کمان اور شمشیر و نساں
اور دیگر ہتھیاروں کے لاتعداد انبار لگا
لے اور اس مصلوب شخص پر جس ہتھیار کو
چاہے چلائے (پس جس طرح اس بادشاہ
کے سامنے یہ مصلوب لاچار ہے، اسی
طرح تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے سامنے
عاجز و لاچار ہے)

شیخ المشائخ قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی فرماتے ہیں۔

بے شک بندہ ذلیل ہے اور رب بزرگی
والا۔ سرگردانی مقام عبودیت میں اور
وجود کا عالم ربوبیت کے مقابلہ میں ذلیل
ہو ناسب سچ ہے اور بہ طریق عموم انبیاء
و اولیاء تمام حیران و پریشان ہیں۔

حضرت شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :-

دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عظمت کے
مقابلہ میں حقیر ہے۔

شدید امرًا مہولۃ شوکتہ
وسطوتہ، ثم جعل الفلۃ
فی رقبتہ مع رجليہ ثم
صلبہ علی شجرة الأرز علی
شاطئ نهر عظیم موجه فیبح
عرضہ عمیق غررًا شدید
جریہ ثم جلس السلطان علی
کرسی عظیم قدر لا عال سما
بحید سرامۃ و وصولۃ و ترک
الی جنبہ احوالا من السهام
والرماح و القسی ممالا یمبلغ
قدرها عنیرۃ فجعل یرمی
الی المصلوب بما شاء من ذلک
من السلاح

آنہ، عبد ذلیل و الرب رب جلیل

سردردانی در مقام عبودیت و ذل

کو در مقابلہ عالم ربوبیت سہراست

بر طریق عموم انبیاء و اولیاء ہمہ حیران

و سرگردان اندہ

فان کل شیئی فی العالم بالنظر

الی عظمتہ اللہ حقیر

اور حضرت امام احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ رقم طراز ہیں :-
عالم را با صانع خویشین بیخ نسبت نیست دنیا کو اپنے صانع کے ساتھ کوئی نسبت نہیں
مگر آنکہ مخلوق و ذلیل است مگر یہ کہ مخلوق و ذلیل ہے ۔

کیا فرماتے ہیں علماء بدایون و بریلی، حضرت بہروردیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاء، پیر عبد القادر
جیلانیؒ۔ شیخ گنگوہیؒ، امام ابن عربیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان جیسے دیگر بے شمار اکابر اولیاء اللہ
کے بارہ میں جنہوں نے حضرت امام صاحبؒ کے الفاظ — ”ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ اللہ کی شان
کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے۔“ سے بھی زیادہ واضح، ایمان افروز اور شرک سوز الفاظ
استعمال فرمائے ہیں، کیا ان بزرگان کرامؒ و اولیائے عظامؒ کے یہ ارشادات بھی تمہاری تکفیر اور تبرأ
بازمی کی زد میں آتے ہیں یا نہیں؟ آہ! مشرکین مکہ نے بھی لَّا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ "سُن کر اسے بزرگوں
کی توہین سمجھا اور لہا تھا۔ "أَجْعَلُ الْأَلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا لِّأَنَّ هَذَا الشَّيْءُ
مُعْجَبَاتٌ ۝ حضرت امام شہیدؒ پر اعتراض کرنے والوں کا بھی یہی حال ہے اللَّهُمَّ اهد
قومی فانہم لَّا یَعْلَمُونَ ۔

حضرت امام صاحبؒ نے "تقویۃ الایمان" میں اللہ تعالیٰ کی شان
و عظمت بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر شفاعت کے بیان

دوسرا اعتراض

میں فرمایا ہے :-

"اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے
چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی، جن اور فرشتے، جبرئیل اور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کے برابر پیدا کر ڈالے ایک دم میں سارا عالم عرش سے فرش
تک الٹ پلٹ کر ڈالے۔"

اس عبارت کو سامنے رکھ کر اہل بدعت نے امام صاحبؒ پر عداوت و توہین انبیاء اور
انکار نبوت کے بہتان باندھے ہیں۔

اس عبارت پر سب سے پہلے مولانا فضل حق خیر آبادیؒ نے اعتراضات کیلئے
تھے، جن کا جواب امام صاحبؒ نے خود ہی "یک روزہ" میں دیا اور

جواب

فرمایا کہ تکوین ایک علیحدہ صفت ہے اور قدرت دوسری صفت۔ وجودِ مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قدرتِ الہی کے تحت داخل ہے تکوین کے تحت نہیں، امام صاحب کی موافقت و مخالفت میں کئی رسالے بھی لکھے گئے مگر حتیٰ کہ آخر میں مولانا فضل حق خیر آبادی نے رُجوع فرمایا جیسا کہ قبل ازیں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے آپ کی مخالفت کو اپنی شکم پروری کا ذریعہ بنا لیا تھا وہ بھلا کب باز آنے والے تھے اگر وہ آپ پر سب و تم اور کفر و تفسیل نہ کرتے تو ان کے تصورِ شکم کی آگ کیسے ماند پڑتی۔ انہی حضرات میں سے ایک مراد آباد کے مفتی نعیم صاحب بھی تھے جنہوں نے اس عبارت کو سامنے رکھ کر آپ پر عداوت و توہینِ انبیاء اور ختمِ نبوت کے بہتان باندھے اور ایسی بازاری زبان استعمال کی کہ الامان و الحفیظ۔ ہمیں تو آپ کے ملفوظات "نقل کرنے کا یارا نہیں اگر آپ پڑھنے کی ہمت کر سکتے ہیں تو" تقویۃ الایمان "کی تردید میں ان کی کتاب الطیب البیان"۔

— بکس نہند نام زنگی کا فورہ — کا مطالعہ کیجئے اور ان کی خوش کلامی کی داد دیجئے۔

امام صاحب کی محولہ بالا عبارت کا مطالعہ فرمائیے اس میں توہین یا انکارِ نبوت کا ذرہ بھر شائبہ تک بھی نہیں۔ شانِ الہی کے عنوان پر آپ کا یہ اندازِ نگارش "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ" کی تفسیر سے امام رازی نے آیت مبارکہ "وَلَوْ شِئْنَا لَاجْعَلَنَّاهُ فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

ان الآية تقضی مزج اللطف بالعنف لانها قدل
علمی القدر لا علی ان یبعث فی کل قریة نذیرا مثل
محمد ﷺ الخ

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب نے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل پیدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ ختمِ نبوت کا انکار کیا ہے، نہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی (معاذ اللہ) توہین کی ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت کا ذکر فرمایا ہے۔ اس طرزِ تحریر کی مثالیں ائمہ سلف کے کلام میں بھی بکثرت ملتی ہیں "مشتے نمونہ اند خردارے" ہم ایک مثال ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین بکلی منیری فرماتے ہیں :-

"وچوں بسلطان عظمت و قدرت او نگری ہمہ معدومات را موجود است بانی

اگر خواہد در ہر لحظہ صد ہزار چوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیا فرمید و ہر نفس
از انفس ایشان مقام تائب تو سین و ہر دو جلال او ذرہ زیارت نہ
گردود

علاوہ ازیں خود قرآن مجید میں فعال نما یُرید، " یفعل ما یشاء " انما امرنا اذا
اراد شیئاً ان یقول لہ کُن فیکون " اور ایسی دیگر بے شمار آیات مبارکہ ہیں جن کے ہوتے ہوئے
ان اعتراضات کی حیثیت پر گاہ کے برابر نہیں

ناخدا ترس لوگ امام صاحب پر بہتان باندھتے ہوئے عوام
میں یہ بہت اچھالتے ہیں کہ آپ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی

تیسرا اعتراض

اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑے سجائی جیسی کرنی چاہیے۔

جواب سے قبل تقویۃ الایمان " کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیے جس پر
اس افتراء کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ امام صاحب نے " تقویۃ الایمان " کے

جواب

ساتویں باب میں شرک فی العادات کا تذکرہ کرتے ہوئے " شکوۃ کے باب " عشرۃ النساء " کے حوالہ
سے درج ذیل حدیث نقل فرمائی ہے، جسے ہم آپ کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ ہی نقل
کرتے ہیں۔

امام احمد نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ رضی نے نقل
کیا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و
انصار میں بیٹھے تھے کہ آیا ایک اونٹ مچھراس
نے سجدہ کیا پیغمبر خدا کو سوان کے اصحاب کہنے
لگے کہ اے پیغمبر خدا! تم کو سجدہ کرتے ہیں جانور
اور درخت سو ہم کو تو ضرور چاہیے کہ تم کو سجدہ
کریں سو فرمایا کہ بندگی کرو اپنے رب کی اور
تعظیم کرو اپنے سجائی کی۔

اخرج احمد عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کان فی نفر
من المهاجرین و الانصار فجاؤ بعیر
فسجد لہ فقال اصحابہ یا رسول
اللہ لیسجد لک البھائم والشجر
فمنحن احق ان نسجد لک فقال
اعبدوا ربکم واکراموا خاککم

ف :- یعنی انسان آپس میں سب سجائی ہیں جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا سجائی ہے سو اس کی بڑے

بھائی کی سعی تعظیم کیجئے اور مالک سب کا اللہ ہے بندگی اس کی چاہیے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولیاء و انبیاء، امام و امام زادہ، پیر و مرشد، شہید جنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر اللہ نے ان کو بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم کیا ہے ہم ان کے چھوٹے ہیں سو ان کی تعظیم انسانوں کی سعی کرنی چاہیے نہ خدا کی سعی

ناظرین کرام! تقویۃ الایمان کی اس عبارت کو بار بار بغور ملاحظہ فرمائیں کیا اس میں صراحتہ یا اشارۃً یہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ صرف بڑے نسبی و حقیقی بھائی کے برابر ہے اور آپ کی تعظیم صرف بڑے حقیقی بھائی کی سعی کرنی چاہیے۔ آپ نے تو صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اکرموا انکاکم" کا ترجمہ کیا ہے اور خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے پیغمبروں کو ان کی قوموں کا بھائی بتلایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "انما المؤمنون اخوة" یعنی محمد اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں بھی حضور داخل ہیں۔ آپ کا ایک ارشاد حضرت عروہؓ سے اس طرح مروی ہے کہ :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب عائشۃ الی ابی بکر فقال لہ ابو بکر انما انا اخوک فقال صلی اللہ علیہ وسلم انت اخو فی دین اللہ و کتابہ وہی لی حلال نکاحھا لان الاخوة المانعة من ذالک اخوة النسب والرضاع لا اخوة الدین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابو بکرؓ کی طرف حضرت عائشہؓ کے لیے پیغام نکاح بھیجا تو ابو بکرؓ نے کہا کہ میں تو آپ کا بھائی ہوں۔ نکاح کیسے ہو گا؟ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نسب اور دودھ کی اخوت مانع نکاح ہے صرف دینی اخوت سے نکاح ناجائز نہیں ہوا کرتا۔

اس حدیث میں آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی قرار دیا ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا و ووت انا قدراً بینا اخواننا ہم اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتے ہیں اس پر

قَالُوا اُولٰٓئِنا اِخْوَانُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَتْ اَنْتُمْ اَصْحَابِي وَاِخْوَانُنَا
 اللّٰذِيْنَ لَمْ يَأْتُوْا بَعْدَ
 الْحَدِيْثِ ۞
 صحابہؓ نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی نہیں؟ آپ
 نے فرمایا تم تو میرے ساتھی ہو، ہمارے بھائی
 تو وہ ہیں (جو ابھی پیدا نہیں ہوئے) جو بعد آئیں
 گے اور اسلام قبول کریں گے۔

غور فرمائیے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس صراحت کے ساتھ مسلمانوں
 کو اپنے بھائیوں سے تعبیر کیا ہے جو لوگ امام صاحبؒ پر چراغ پا ہوتے ہیں معلوم نہیں وہ ان
 آیات اور احادیث پر ایمان رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر نطفہ یہ کہ امام صاحبؒ نے تقویۃ الایمان
 کی مذکورہ عبارت میں کسی خاص شخص پر تو حکم ہی نہیں لگایا۔ آپ نے تو تشریح حدیث کے سلسلہ
 میں ایک عام اصول بیان فرمایا ہے۔

آپ کی مذکورہ عبارت کج تجزیہ کرنے سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں :-

۱۔ تمام بنی نوع انسان خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے آپس میں بھائی ہیں۔

۲۔ سب اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے ہیں۔

۳۔ ان میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے عظیم مرتبوں سے سرفراز و بڑے بھائی ہیں۔

۴۔ ان کی تقویٰ و تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیے۔ نہ خدا کی سی۔

۵۔ ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے کیوں کہ ہم چھوٹے ہیں۔

مجھے نہیں معلوم کہ کوئی مسلمان ان امور میں سے کسی کا انکار کر سکتا ہے؟ لیکن شرک و بدعت
 سے جب عقل ماؤف ہوگئی ہو اور کوئی امام صاحبؒ کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھ
 دے تو وہ مجبور ہے کہ :-

”صغور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات بزعم خود ٹٹا کر برادری جوڑی
 اور بھائی بندی کا رشتہ ٹھٹھڑاتا کہ عوام کے تلوپ سے حضورؐ کی عظمت بال
 ہی نکال دے یہ حضورؐ کی توہین ہے کوئی باپ کو یا آقا اور بادشاہ
 کو بڑا بھائی نہیں کہہ سکتا اگر کہے تو گستاخ بے ادب سمجھا جائے مگر یہ بے ادب
 شان رسالتؐ میں بے باکانہ گستاخی کرتا ہے“

ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحبؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عقیدت و محبت ہے جتنی ایک کامل و مخلص مومن کو ہو سکتی ہے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں۔ مذکورہ عبارت سے دو تین صفحے آگے فرماتے ہیں :-

” ہمارے پیغمبر سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور اللہ کی راہ سیکھنے میں سب ان کے محتاج ہیں۔“

اس کے چار پانچ صفحات کے بعد ایمان بالرسول کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

” اللہ کے رسول پر یقین لانا یہ ہے کہ اس کو رسول، اللہ کا، اور بندہ مقبول، سب مخلوق سے کمالات اور خوبیوں میں افضل جانے اور جو بات رسول فرمادے اس کے بجالانے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی سمجھے اور رسول کے حکم کو سب مخلوق کے حکم سے مقدم کرے اور اس میں اپنی عقل ناقص کو دخل نہ دے اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کا حکم نہ مانے اور اس کے فرمودہ کو برحق جانے پھر اس بات میں ایسا مضبوط ہو جاوے کہ کبھی شبہ نہ آوے۔“

خدا را غور فرمائیے کیا یہ سب احکام بڑے بچائی کے ہیں ؟ اور جو سرور دنیا و دین و حکمت و علم کی مدح کے ترانے یوں الایٹا ہو، اس کی محبت و عقیدت میں ذرہ بھر شبہ کی بھی گنجائش ہے۔ فرماتے ہیں :-

وہ انسانِ کامل ہے سنتے ہو کون	ہوئے مفتخر جس سے یہ دونوں کون
وہ نبی البرایا رسولِ کریم	نبوت کے دریا کا دریا یتیم
حبیبِ خدا سید المرسلین	شفیع الوریٰ ما دھی راہِ دین
محمد ہے نام اس کا احمد لقب	بیاں ہو سکے اس کے منقبت کتب

امام شہید پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ معاذ اللہ آپ کے نزدیک نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آنا بیل

چوتھا اعتراض

اور گھسے کے خیال سے بدتر ہے۔ بعض دروغ گو تو اسے یوں بھی ذکر کر دیتے ہیں کہ نماز میں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجائے تو ان کے نزدیک نماز ہی نہیں ہوتی۔

اس بہتانِ عظیم کی حقیقت سے نقاب کشائی سے قبل یہ عرض کر دینا ضروری

جواب

ہے کہ اس کی بنیاد "صراطِ المستقیم" کی ایک عبارت پر ہے اور "صراطِ المستقیم" حضرت امام صاحبؒ کی کوئی تصنیف نہیں بلکہ وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جس کا مقدمہ اور باب اول و چہارم امام صاحبؒ کا ترتیب دیا ہوا ہے اور باب دوم، سوم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے داماد، سید احمد شہیدؒ کے مرید خاص اور امام صاحبؒ کے رفیق حضرت مولانا عبدالحی کے مرتب کردہ ہیں۔ جس عبارت پر مذکورہ بہتان کی بنیاد ہے وہ باب دوم سے تعلق رکھتی ہے لہذا اس ناپاک بہتان باندھنے والوں کی "صراطِ المستقیم" سے بے خبری پر ماتم کرنے کو سچی چاہتا ہے۔ اور اگر انہیں خبر ہے تو امام صاحبؒ کی دشمنی میں اس حد تک پہنچ جانے پر ان افراد پر دازوں کا مقدمہ خدا کی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے واللہ المستعان علی ما تصفون۔

"صراطِ المستقیم" کے باب دوم کی فصل سوم کی دوسری ہدایت میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو عبادت میں خلل انداز ہوتی ہیں اور پھر اس کا علاج بھی بتایا گیا ہے جو کہ تین افادوں پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ میں بتایا گیا ہے کہ نفس اور شیطان دونوں نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں نفس تو اس طرح سے کہ سستی کرتا ہے اور اپنا آرام چاہتا ہے اور ارکان نماز ادا کرنے میں جلدی کرتا ہے تاکہ جلدی فراغت حاصل کر کے سو رہے یا آرام کرے اور اپنی محبوب چیز میں مشغول ہو جائے اور نماز کے پڑھنے میں قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ مستون طور پر نہیں کرنا بلکہ لاغر اور مضبوط لوگوں کی طرح سستی کا مظاہرہ کرتا ہے پھر شیطان کے دوسرے ڈال کر خلل اندازی کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے کہ :-

اور شیطان دوسرے ڈال کر خلل اندازی کرتا ہے اور نماز کی شان میں سبکی اور اس سے بے پروائی اور اس کو کار آمد نہ سمجھنا اس کے بدترین وساوس سے ہے اور یہ دوسرے فرض کے استخفاف اور انکار کی وجہ سے بہت جلد گھڑ	و اما شیطان پس دوسرے اندازد و قبح و سادس و سبکی شان صلوة و قلت مبالغت بائی و چندان کار آمدنی نداشتن آن و این دوسرے جلد تر کبفر می رساند استخفاف و انکار فرضیت پیش می آید و آدمی کافر می گردد
---	--

و ادنائے دوسرے اشئیں کہ از حضور مخاطبہ و مکالمہ و لذت مناجات رب العزت غافل سازد بایں طریق کہ شمار رکعات یا تسبیحات را بخوبی باید دانست مبادا سہوے و غلط واقع شود یا در مشابہات قرآن مجید حافظ را می اندازد کہ آنرا در خیال دارد نہ باری صیانت از غلطی باوجودیکہ ہاں نماز خواں یکبار یاد و باریا صد بار آزمائش کردہ کہ در بقائے حضور ہم نہ تنگنظر در رکعت می شود و نہ در تسبیحات و نہ تشابہہ در قرآن می افتد ایں کہ شیطان است و غرضش یاد دہی رکعات و تسبیحات و مشابہات نیست بلکہ تنزیل و فرود آوردن است از مرتبہ اعلیٰ بمرتبہ ادنیٰ و تمہ تجرأ تاکہ مقصود اصلی رساند و مقصود اصلی آن رحیم ہاں انکار و کفر است اگر فیضہ تعالیٰ آن مقصودش سر انجام نہ شد پس بناچار می بقصفتائی اذافاً للحکم فاشرب المرقة " آہستہ آہستہ خیال گاؤخر می رساند تاکہ ای صورت مستحق

گردد کہ

بر زبان تسبیح و در دل گاؤخر

گاؤخر تمثیل است ہر چہ سوائے

حضور حق است گاؤ باشد یا خرفیل باشد

یا شتر ^{۲۲} باشد

تک پہنچاتا ہے اور اس کا ادنیٰ دوسرے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اور اس کی ہم کلامی اور مناجات کی لذت سے اس طرح غافل کر دیتا ہے کہ رکعتوں یا تسبیحوں کی گنتی میں مشغول کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس گنتی کو اچھی طرح جاننا چاہیے ایسا نہ ہو کہ غلطی یا سہو ہو اور قرآن کے حافظ کو غلطی سے بچنے کے لیے مشابہات کے خیال میں ڈال دیتا ہے باوجودیکہ وہی نمازی ایک، دو یا سو دفعہ آزا چکا ہوتا ہے کہ بقائے حضور میں نہ تو رکعتوں اور تسبیحوں کی تعداد میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہہ ہوتا ہے، یہ شیطان کا کرہ ہے اور یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبے سے ادنیٰ کی طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچتا ہے اور اس مردود کا اصلی مقصود بھی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود پورا نہ ہو تو بقصفتائی " جب گزشتہ نعلے تو شورج ہوا پئی لورہ " آہستہ آہستہ گاؤخر کے خیال کی طرف لے جاتا ہے۔

حقیقی کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ عکس برزبان تسبیح و درود لگاؤ وغیرہ تو ایک مثال ہے
 محض خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا، باقی ہو یا اونٹ، سب کا یہی حکم ہے۔
 ناظرین نے کرامِ مذکورہ بالا عبارت اور اس کے ماقبل و بعد کا بغور مطالعہ کر کے
 انصاف سے فرمائیں کہ اس بہتانِ عظیم کا یہاں ذرہ بھر بھی شائبہ ہے، جس کو یہ افترا پرداز بڑھا
 پڑھا کر پیش کرتے ہیں؟ یا اس کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ نفس و شیطان کے دوسوں میں مبتلا
 ہو جانے سے نماز میں نقص پیدا ہو جاتا ہے اور پھر بعض وساوس بعض دیگر کی نسبت زیادہ موجب
 قبح و نقصان ہوتے ہیں مثلاً دوسو سے زنا اپنی بیوی سے محبت کے خیال کی نسبت زیادہ بُرا ہے۔
 اسی طرح گاؤ وغیرہ کے خیال کی نسبت اپنے شیخ، بزرگ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
 نماز میں ہمتن بالقصد مصروف ہو جانا زیادہ موجب نقصان صلوٰۃ ہے کیوں کہ گاؤ وغیرہ کے خیال
 سے تو کرامت و نفرت پیدا ہوگی، لیکن بزرگوں کے خیال میں محویت و استغراقِ مطلقہ تعظیم کی وجہ
 سے شرکت تک پہنچا دیتا ہے۔

"صراطِ مستقیم" کی اس عبارت کی تائید میں دیگر یہ شمار ائمہ عظام اور اولیائے کرام کے
 ارشادات بھی پیش کیے جاسکتے ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ کا ارشاد ہے۔

و ادب الباطن هو ان تحفظ قلبك من خطور الاعيان وسوا
 كان حياءً او شراً فانهما في الحجاب سواء
 اور باطن کا ادب یہ ہے کہ تو اپنے دل
 کی اغیار کے خیالات سے حفاظت کرے
 خواہ وہ اچھے ہوں یا بُرے کیوں کہ حجاب
 کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں۔

حضرت شیخ یحییٰ فرماتے ہیں :-

اول معرفت انیت کہ جملہ مخلوق
 راقصہ و راجز و اسیر حق بنید و نسبت
 اول معرفت یہ ہے کہ تمام مخلوق کو حق تعالیٰ
 کا مقہور اور عاجز و اسیر جانو اور تمام سے اپنی
 نسبت کو منقطع کر لو۔
 خورشیں از ہمہ قطع کنند

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں :-

نگہبانی دل کند و دل را متوجہ حق
 اپنے دل کی نگہبانی کرو اور دل کو حق تعالیٰ کی

دارود پھر صحیح غیر از حق است اور اور باطن طرف متوجہ رکھو اور غیر حق کو اپنے باطن میں جائے مذہب

جگہ نہ دو۔

اور تو اور خود مولوی احمد رضا نے لکھا ہے کہ:-

۔ نمازی جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے
اے نبی آدم کس طرف التفات کرتا ہے کیا مجھ سے کوئی بہتر ہے جس
کی طرف التفات کرتا ہے پھر جب دوبارہ التفات کرتا ہے تو ایسا
ہی فرماتا ہے پھر جب تیسری بار التفات کرتا ہے اللہ عزوجل اپنی خاص
رحمت کو اس سے پھیر لیتا ہے۔ راہ البزار عن جابر بن عبد اللہ

مولوی صاحب نے مزید لکھا ہے

۔ عزوجل کا نام سن کر جل جلالہ کہا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم
مبارک سن کر درود پڑھایا امام کی قرأت سن کر صدق اللہ و صدق
رسولہ کہا تو سب صورتوں میں نماز جاتی رہتی

معلوم نہیں اہل بدعت کا ان علمائے کرام جن کے ارشادات ہم نے نقل کیے اور پھر اپنے پیرو
مؤرخ مولوی احمد رضا بریلوی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ بھی حضرت امام
صاحب پر چرچا پھرتے ہیں، جن کی اپنی نمازوں کا حال یہ ہے کہ:-

۔ نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرم گاہ پر نظر جا پڑے جب بھی
نماز وضو میں غل نہیں، ایضا اگر عورت کو طلاق رحیمی دی تھی، ہنوز
عدت نہ گزری تھی یہ نماز میں تھا کہ عورت کی فرج داخل پر نظر پڑ گئی او
شہوت پیدا ہوئی رجعت ہو گئی اور نماز میں فساد نہ آیا اور اگر قصداً
بھی ایسا کرے تو کمرہ ضرور ہے مگر نماز فاسد نہیں

مقرر فرمائیے ان اعلیٰ حضرت کے نزدیک نماز میں جل جلالہ یا درود شریف یا صدق اللہ و صدق
رسولہ پڑھنے سے تو نماز جاتی رہتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرم گاہ پر قصداً نظر پڑ جانے سے نماز
نہ جائے گی۔ اس تھل پروری اور تفرقہ نوازی کو مفتیان بریلی و بدایوں کے سوا کون سمجھ سکتا ہے؟

اللہ اپنے انوار و تجلیات کی بارشیں فرمائے حضرت امام صاحبؒ کے ہم نام، فاضل حبیل عالم نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ محدث گوچرانوالہ کے مرتد پڑ کر انہوں نے قراط المستقیم اور طہ کے بریل کے اس عقیدہ میں موازنہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا :-

، عنوان یا تعبیر کچھ سو بات صحیح اور درست تھی کہ محبوب اور پسندیدہ، چیز کے تصور سے طبیعت کے دھماکا اور خشوع پر زیادہ اثر پڑے گا۔ گاؤں اور اسی معمولی اور حقیر چیز کے تصور سے نماز اور خشوع پر وہ اثر نہیں پڑے گا۔ بات پتے کی تھی آنحضرتؐ کے ساتھ محبت اور دلبہانہ تعلق جب توحید کی سرستوں سے ٹکرائے تو اس سے بچنا بڑی دشمنی ہے۔ نہ تو تبت کی بلندیوں کو گاؤں کی حقارتوں سے ہم آہنگ ہونے دیا جائے نہ سچا نماز کے معراج اور مکالمہ الہیہ کے ذوق میں کسی دوسرے محبوب کو اشتراک کا موقع دیا جائے۔

مثلاً درست تھا اگر تعبیر ناپسند تھی تو اسے بدل دیا جاتا۔ مولانا عبدالحی بڑا نومیؒ کا ترجمہ وحی نہیں تھا لیکن یہاں کوئی پُرانا بغض تھا جسے نکالنا ضروری سمجھا گیا سید احمدؒ کا ارشاد اور مولانا عبدالحی بڑا نومیؒ کا ترجمہ دونوں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے نام لگا دیئے گئے اور فتوؤں کی مشین تان دی گئی اور کفر کے انبار بالا کوٹ کے میدان میں دریائے منہار کے کناروں پر انڈیل دیئے گئے جنہیں خون شہادت کے چند قطروں نے دریائے منہار کے لہروں کے سپرد کر دیا اور شہداء کی طہارت ان نجس اور غلیظ فتوؤں سے متاثر نہ ہو سکی۔

سراسر سبکی اور شوریدہ سری کی کوئی حد ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے ملفوظات اور مولانا عبدالحی کا ترجمہ دونوں بچا رہے شاہ اسماعیلؒ کے نام الاٹ کر دیئے گئے اور درس و افتا کی مسندیں شہید حق کے کبرے نکالنے میں مشغول ہو گئیں، جو ان کے درجات کی رفعت کا موجب ہوں گے۔ انشاء اللہ سید شہیدؒ نے نماز کی سرگوشیوں میں آنحضرتؐ کے مقام کی رفعت اور گاؤں کی حقارت الٹ دی ہیں اگر امتیاز فرما کر نماز کی روحانی کیفیتوں کو شرک کی غلطیوں سے پاک و صاف رکھنے کی تلقین فرمائی تو وہ کافر ہوئے اس لیے کہ وہ آنحضرتؐ سے محبت فرماتے ہیں۔ آپؐ کی فہمی روشنیوں نے حرم حجاز

میں مصحف کے تقدس کو شرمگاہ کی عریانی اور انسانی کمزوریوں کے جنسی شہوت سے قرآن عزیز کو شکست دے دی، آپ کا ایمان سلامت رہا۔ اور آپ بالکل تازے اہل سنت و جماعت ہو گئے اور شہدائے بالا کوٹ شہادت اور قربانی کے باوجود کافر ہی رہے۔

من كان هذا القدر مبلغ علمه
فليستقر بالصمت و الکتمان

دشمنانِ توحید و سنت کا حضرت امام صاحب پر ایک بہتان
مسئلہ حیات النبی کے سلسلہ میں بھی ہے چنانچہ مولوی نعیم

پانچواں اعتراض

مراد آبادی نے لکھا ہے کہ :-

تقویۃ الایمان "والا مسلمانوں کے قلوب سے حضور کی عظمت کم کرنے کے لیے اور زیادہ گستاخی کرتا ہے دیکھیے" تقویۃ الایمان "ص ۹۱ میں بھی ایک دن مرکٹھی میں ملنے والا ہوں۔ یہ سب باکانہ گستاخی اور حضور پر افتراء سناؤ کلا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا یہ حضور پر بہتان ہے۔ حضور فرماتے ہیں جس نے مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ ابن ماجہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللہَ حَرَمَ عَلَی الارضِ اَنْ تَاکُلَ اجسادَ الانبیاءِ فَبَنَی اللہُ حَسِیَیْرَیْ... الخ

مولوی مراد آبادی کی اس مندرجہ بالا عبارت میں حضرت امام صاحب

جواب

نور اللہ مرقدہ و بروضجہ پر پہلا بہتان تو یہ ہے کہ معاذ اللہ آپ مسلمانوں کے قلوب سے حضور کی عظمت کم کرنا چاہتے ہیں۔ ناظرین کرام کو یاد ہو گا کہ ہم تیسرے اعتراض کے جواب کے آخر میں امام صاحب کی متنوعی سلک نور سے چند اشعار اور "تقویۃ الایمان" سے دو اقتباس نقل کر کے ہیں جو آپ کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت پر شاہ عدل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ غور فرمائیے جس نے اپنی کتاب کے ابتداء و انتہا

میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے ساتھ ساتھ سرور دنیا و دین، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کے دین کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہو اس پر یہ الزام کس قدر بے بنیاد اور گھٹیا ہے۔
 "تقویۃ الایمان" کے ابتدائیں آپ فرماتے ہیں :-

اللہی ہزار ہزار شکر تیری ذات پاک کو کہ ہم کو تو نے ہزاروں نعمتیں دیں اپنا سچا دین بتایا اور سیدھی راہ چلایا اور صل توحید سکھائی اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا اور ان کی راہ سیکھنے کا شوق دیا ان کی اور ان کے ناسبوں کی۔ کہ جو ان کی راہ بتاتے ہیں اور ان کے طریقے پر چلاتے ہیں۔ محبت دی سوائے پروردگار ہمارے! تو اپنے حبیب پر ان کے آل و اصحاب پر اور اس کے سب ناسبوں پر ہزار ہزار درود اور سلام بھیج اور اس کی پیروی کرنے والوں پر رحمت کر اور ہم کو ان میں شریک کر اور ہم کو اسی کی راہ پر رہنے دے اور مٹے قائم رکھ اور انہیں کے تابعوں میں گن رکھ۔ آمین

رَبِّ الْعَالَمِينَ

"تقویۃ الایمان" کا اختتام ان احفاظ پر ہے۔

"سوائے الٰہ ہمارے! اپنے پیغمبر رحیم و کریم پر ہزاروں درود و سلام بھیج انہوں نے جیسا ہم سے جاہلوں کو دین کے سکھانے میں حد نئے زیادہ کوشش کی سو تو ہی اس کوشش کی قدر دانی کر۔ ہم تو ایک عاجز بندے ہیں، محض بے مقدر۔ سو جیسا تو نے اپنے فضل سے ہم کو شرک و توحید کے معنی خوب سمجھائے لا الہ الا اللہ کا مضمون خوب تعلیم کیا اور مشرک لوگوں میں سے نکال کر موحد پاک مسلمان بنایا۔ اسی طرح اپنے فضل سے بدعت و سنت کے معنی خوب سمجھا۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون خوب تعلیم کر اور بدعتی مذہبوں میں سے نکال کر سنی پاک، متبع سنت کا کرے۔"

مراد بادی صاحب کا دوسرا بہتان حیات النبی کے سلسلہ میں ہے اس بہتان کی بنیاد یہی
 "تقریر الایمان" کی وہ عبارت ہے جو آپ نے پانچویں فصل میں قیس بن سعد کی اس حدیث کی تشریح
 میں لکھی ہے، جو مشکوٰۃ کے باب عشرۃ النصار کے حوالہ سے درج فرمائی ہے، وہ حدیث آپ کے
 ترجمہ و تشریح کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ قارئین کرام افترا پر دانوں کے ظلم اور ناخداہری
 کا خود ہی اندازہ لگالیں۔

"عن قیس بن سعد قال اقیبت
 الحیرة فزأیتهم لیسجدون
 لموزبان لهم فقلت لرسول الله صلی
 الله علیه وسلم احق ان لیسجد
 له فاتیت رسول الله صلی الله علیه
 وسلم فقلت انی اقیبت الحیرة
 فزأیتهم لیسجدون لموزبان
 لهم فانت احق ان نسجد لک
 فقال لی اوأیت لومسرومت
 بقبری اکت لیسجد له فقلت لا
 فقال لا تفعلوا"

مت کرو۔

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں! سجدہ تو اسی
 ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے کبھی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت قیس بن سعد کے سوال کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان سے جو یہ استفسار فرمایا "کیا تم میری قبر کو بھی سجدہ کرو گے؟" اس سے آپ کا مقصود
 کیا تھا۔ شارحین نے فرمایا ہے کہ اس سے شان ربوبیت کی عظمت اور شان عبودیت کی ذلت
 کی طرف اشارہ تھا۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ "آپ کے فرمان کا مقصد یہ تھا کہ مجھے سجدہ کرنے کا جو

خیال تمہارے دل میں پیدا ہوا یہ اس وقت کی میری ہیبت اور جلالت کی وجہ سے ہے جب کہ میں تمہارے سامنے اپنی موجودہ حیثیت کے ساتھ موجود ہوں لیکن کل جب مجھ پر موت وارد ہو جائے گی اور مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا تو خود تم بھی مجھے سجدہ کرنے کا ارادہ نہ کرو گے اور میری قبر کو سجدہ کے قابل نہ سمجھو گے۔ اسی مفہوم کو امام صاحب نے اپنے ان سادہ الفاظ میں بیان فرمایا کہ "یعنی میں بھی مگر ایک دن مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدہ کے لائق ہوں، سجدہ تو اسی ذات پاک کو ہے کہ نہ مرے نہ بس ہی وہ فقہہ تھا جسے خوفِ خدا ملحوظ نہ رکھنے والے مفسرین نے سامنے رکھ کر امام شہید کے خدات کفر کی کشین تان دی اور مٹی میں ملنے والا ہوں کے الفاظ کو تو ان ناخدا نرسوں نے گت خنی پر محمول کرتے ہوئے بہت ہی اچھالا حالاً کہ ان جاہلوں کو اتنا علم بھی نہیں کہ مٹی میں ملانا قدیم اُردو زبان کا ایک محاورہ ہے جس کے معنی دفن کرنا بھی ہیں چنانچہ فرشتہ آصفیہ میں نسیم دہلوی کا یہ شعر بھی بطور استشہاد لکھا گیا ہے

نسیم اعدا سے شکوہ کیا پس از مرگ

سہیں یاروں نے مٹی میں ملایا!

لہذا اس جملہ کی بناء پر امام صاحب پر یہ یقین کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد انور کے مٹی میں مل کر مٹی ہو جانے کے قابل ہیں بے بنیاد ہے باقی رہا آپ کا مرنے کے الفاظ کو استعمال کرنا تو یہ بھی غلط نہیں کیوں کہ اس بات پر جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ ان کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر شریف کی تریسٹھ بہاریں دکھیں، بعثت کے بعد تیرہ سال مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزارے اور بالآخر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۶۳۲ء) میں آپ کا روح مبارک قعرِ عنقریب سے پڑا کر کے اپنے اللہ کے حضور جا پہنچا۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا تھا۔

دائے ہمارے پیغمبر! آپ بھی ضرور مرنے والے ہیں
اور دبا یقین آپ کے دشمن، وہ بھی مرنے

أَنْتَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ
مَيِّتُونَ

دالے ہیں۔

اگر آپ کا وصال ہی نہیں ہوتا تھا اور آپ پر موت نے طاری ہی نہیں ہونا تھا تو آپ کے مرض وہ جسے مرض الموت یا آخری مرض سے تعبیر کیا جاتا ہے — میں بار بار لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

لموت سکرات" فرمانے کا کیا مقصد؟ آپ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کا پیشانی مبارک پر ہوسہ دیتے وقت یہ فرمانے کا کیا مطلب؟
 "بأجنت وامی لا یجمع الله
 علیک موتین اما الموتة التي
 کتبت علیک فقد متھا"
 میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ تعالیٰ
 آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں فرمائیں گے اللہ
 نے آپ کے لیے جو طبعی موت مفتر کی تھی وہ
 وار و موہچی اور آپ وفات پا چکے۔

اور پھر صدیق اکبرؓ نے مسجد نبویؐ میں تشریف لاکر حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے جو درج ذیل خطبہ ارشاد فرمایا، اس سے کیا مراد تھی۔

"من کان یعبد محمداً
 فان محمداً قدمات و
 من کان یعبد الله فان
 الله حی لا یبوت
 جو کوئی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت
 کیا کرتا تھا اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ
 وفات پا گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے
 (اسے اطمینان رکھنا چاہیے) کہ اللہ ہمیشہ ہمیشہ
 زندہ رہنے والا ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔

امام صاحبؒ کو گتشی کا طعنہ دینے والے مفتیان کرام حضرت صدیق اکبرؓ کے اس
 ارشاد کے بارے کیا فرماتے ہیں؟ اس خطبہ کی سماعت کے بعد صحابہ کرامؓ کے سکوت، حضرت
 عمرؓ کے رجوع اور امہات المؤمنین کے سوگ کا معلوم نہیں آپ کیا مفہوم سمجھتے ہیں؟ ذرا عقل
 کے ناخن لیں اگر آپ نے وفات نہیں پائی اور بقید حیات ہی تو کیا وجہ ہے کہ آپ مسجد کے
 ایک خادم کی وفات پر توبہ قرار ہوں اور قبر پر نماز جنازہ بھی ادا فرمائیں لیکن حضرت ذوالنورین
 عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے اندوہناک سانحوں پر تعزیت کے لیے بھی تشریف
 نہ لائیں؟ تعجب ہے کہ آپ کو روحانی اور جسمانی لحاظ سے حقیقی زندگی اور ابدی حیات نصیب
 ہوئے اور آپ امام حسینؓ کی شہادت، مختار تقیؓ کی عیاریوں، حرہ کے فتنہ، حجاج بن یوسف کے
 مظالم، سقوط بغداد اور سلیمہ کذاب و اسود و مرزا غلام احمد قادیانی ایسے وجالوں کی روانے بہت
 دیکھنے کی ناپاک گوششوں ایسے حادثات میں کہیں بھی مداخلت کی ضرورت محسوس نہ فرمائیں؟ معلوم
 نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تذکرہ سے ویوں بند سے بریلی تک ارتعاش کی کیفیت

کیوں طاری ہو جاتی ہے جب کہ کتب احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، موت تجزیہ و تکفین وغیرہ کے ابواب تک موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک اور روح اطہر کا ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ سے دنیوی پیوند ٹوٹ چکا ہے اور یہی موت وصال یا وفات ہے جو برزخی زندگی کے منافی نہیں بلکہ اس منزل تک پہنچنے کا واحد وسیلہ ہے

www.KitaboSunnat.com

والتفصیل موضع آخر۔

حضرت امام صاحبؒ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ آپ معاذ اللہ شفاعت کے منکر میں چنانچہ مولوی نعیم الدین

بہتھا اعتراض

مراد آبادی نے لکھا ہے کہ :-

”تقویۃ الایمان“ والے نے انکارِ شفاعت میں بڑا ہی غضب ڈھایا
آیتوں اور حدیثوں کے معنی میں تحریفیں کیں۔ کفار اور بتوں کے حق میں
جو آیات نازل ہیں ان کو مقربانِ بارگاہِ حق پر چپا لیا گیا

اسی طرح انہوں نے ”اطیب البیان“ کے کئی صفحاتِ خوفِ خدا کو بالکل بالائے
طاق رکھتے ہوئے اس بہتان کو بڑی شد و حد سے لکھنے کے لیے سیاہ کر دیئے ہیں

ناظرینے کرام! اس بہتان کی حقیقت کے لیے ”تقویۃ الایمان“ کے

جواب

پانچویں باب ”اشراک فی التصوف“ کا مطالعہ فرمائیں۔ اس فصل
میں آپ نے مسئلہ شفاعت کو بیان فرماتے ہوئے سورہ سبأ کی آیت ”وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
عِنْدَنَا إِلَّا لِمَنْ اِذْنًا“ کی تشریح و تفسیر میں فرمایا ہے کہ :-

• اشراک اور ایماں انبیاء کی شفاعت پر پھول رہے ہیں اور اس

کے معنی غلط سمجھ کر اللہ کو ٹھہول گئے ہیں سو شفاعت کی حقیقت سمجھ

لینا چاہیے۔

سنا چاہیے شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش

کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہ کے ہاں کئی شخص کی چوری

ثابت ہو جائے اور کوئی امیر و وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لے

تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جہا تو اس چور کے پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے کیوں کہ وہ امیر اس سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے سو بادشاہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ایک جگہ اپنے عقیدہ کو تنہا لینا اور ایک چور سے درگزر کر جانا بہتر ہے اس سے کہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ بڑے بڑے کام خراب ہو جاویں اور سلطنت کی رونق گھٹ جاوے اس کو شفاعت و جاہت کہتے ہیں یعنی اس امیر کی و جاہت کے سبب اس کی سفارش قبول کی۔

سو اس قسم کی سفارش اللہ کی جناب میں ہرگز نہیں ہو سکتی جو کوئی نبی اور ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفعہ سمجھے، سو وہ اصلی مشرک ہے اور بڑا جاہل کہ اس نے خدا کے معنی کچھ نہیں سمجھے اور اس مالک الملک کی قدر کچھ بھی نہ پہنچانی

قارئینِ کرام! اس مذکورہ بالا عبارت کا بغور مطالعہ فرمائیں جس پر افتراء پر اذول نے اپنے اس بہتان کی بنیاد رکھی ہے اور پھر خدا را انصاف سے کہیں کہ اس عبارت کے کسی بڑے سے بھی اختلاف کی گنجائش ہے؟ کیا یہ مفہوم قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے ماخوذ نہیں؟

۱) وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَيَقُولُونَ هُوَ لَا يَشْفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ط قُلْ أَتَنْبِؤُنَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ

یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کر رہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ان ہمارے سفارشی ہیں۔ اے محمد، ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ

وَلَا فِي الْأَرْضِ طَائِفَةٌ يَسْمَعُونَ وَتَعْلَمُونَ
عَمَّا يُشْرِكُونَ ۗ

نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں ہر پاک
ہے وہ اور بالا و برتر ہے، اس شرک سے
جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

غور فرمائیے اس آیت شریفہ میں سفارشیوں کے معدوم کرنے کے لیے کس قدر لطیف
انذار بیان کو اختیار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو جانتا نہیں کہ زمین یا آسمان میں کوئی اس کی جناب
میں تمہارا سفارشی ہے، پھر یہ تم کن سفارشیوں کی اس کو خبر دے رہے ہو؟ دوسری بات اس آیت
مبارکہ سے یہ ظاہر ہوتی ہے کہ بت پرست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بالاستقلال بتوں کو معبود نہیں
سمجھتے تھے بلکہ ان کی بت پرستی کا منشا اولیاء و انبیاء کی تعظیم تھی انہوں نے اپنے بتوں کو انہماکی
صورت پر تراشا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ماں اپنا سفارشی سمجھ کر اپنا سر نیازان کے سامنے خم کرتے
تھے چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ نے بھی لکھا ہے کہ :-

”بت پرستوں نے اصنام و اوثان اپنے انبیاء و اکابر کی صورتوں
پر تراشے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول
ہوں گے تو یہ اکابر اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے اس کی
مثال اس زمانے میں اکثر لوگوں کی اپنے بزرگوں کی قبروں میں مشغولیت
ہے، اس اعتقاد سے کہ اگر ہم ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو یہ اللہ
کے نزدیک ہمارے شفیع ہوں گے۔“

(۲) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ
إِلَٰهِ بِإِذْنِهِ

کون ہے جو اس کے پاس اس کے حکم کے بغیر
سفارش کر سکے۔

(۳) مَا مِنْ شَافِعٍ إِلَّا مِنْ
بَعْدِ إِذْنِهِ ۗ

کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہے الا یہ کہ اس کی
اجازت کے بعد شفاعت کرے۔

(۴) لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
إِلَّا مَنْ أَدْنَىٰ
الرَّحْمَنِ ۗ

اس روز کسی کی سفارش فائدہ نہ دے
گی۔ مگر اس شخص کی جسے خدا اجازت
دے۔

یہ اور ان جیسی دیگر بے شمار آیات اور احادیث کے مطالعہ سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے
 امام صاحب نے اسے نہایت سلیقہ سے اپنے مخصوص طرز میں بیان فرما دیا ہے چنانچہ آپ نے
 شفاعت کی تین قسمیں بیان کی ہیں (۱) شفاعتِ وجاہت (۲) شفاعتِ محبت (۳)
 شفاعتِ بلاذن۔ ان میں سے آپ پہلی دو قسموں کے نہیں لیکن تیسری قسم کے قائل ہیں کیوں کہ
 کتاب و سنت کا مفاد یہی ہے چنانچہ آپ مؤخر الذکر قسم کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں
 ” اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی
 کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی
 ہیں۔“

امام صاحب نے تو شفاعت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن حقیقت میں آپ پر انکارِ شفاعت کا
 بہتان لگانے والوں کا یہی شفاعت پر ایمان نہیں۔ اس کے لیے درج ذیل دو حوالے ملاحظہ
 فرمائیے۔ مولوی احمد رضا خاں لکھتے ہیں :-

” حضورؐ ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی
 سب مرادیں حضورؐ کے اختیار میں ہیں۔“

مولوی احمد رضا کے شاگرد مولوی امجد علی لکھتے ہیں :-

” حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ عزوجل کے نائبِ مطلق
 تمام جہان حضورؐ کے تحت تصرف کر دیا گیا ہے جو چاہیں کریں،
 جسے جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لیں.....
 تمام آدمیوں کے مالک ہیں..... تمام زمین ان کی ملک ہے
 تمام جنت ان کی جاگیر ہے، ملکوتِ اسما و الارض حضورؐ کے
 زیرِ کمان ہے، جنت اور نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی
 گئی ہیں۔“

جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے انہیں آپؐ کی شفاعت کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر آپؐ نے
 ان لوگوں کو جھوٹا تصور کر اس قسم کے شرکیہ اشعار پڑھتے ہوئے بھی سنا ہوا :-

۱۔ اللہ کے پتے میں وحدت کے سوا کیا ہے
 جو کچھ مجھے لینا ہے لے لوں گا محمدؐ سے
 ۲۔ وہ جو کہ مستویٰ عرش ہے خدا ہو کر
 اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
 اور یہ لوگ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک کون و مکان ہونے اور ع
 احد میں اور احمد میں فقط ہے میم " کا پودہ

قسم کے عقائد پر ایمان رکھتے ہیں یہ درحقیقت سرور دنیا و دین، رحمۃ للعالمین، شانِ
 روزِ محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ شفاعت کا منہ چڑاتے ہیں آہ ع
 وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

حضرت امام صاحبؒ پر خدا اور اس کے دشمنوں
 نے ایک بہتان یہ بھی لگایا کہ آپ شیخ محمد بن

ساتواں اعتراض

عبدالوہابؒ کی طرف منسوب اور ان کے طریقہ کے پیروکار ہیں اسی وجہ سے یہ مفسری آپ اور
 آپ کے متبعین کو رونا ہی کہتے ہیں۔

امام صاحبؒ اور آپ کی تحریک کو بدنام کرنے کے لیے سب سے پہلے

مسلمانوں کے ازلی وابدی دشمن انگریزوں نے یہ بہتان لگایا تھا چنانچہ

جواب

انگریز مسنٹ غلبی نے لکھا ہے کہ :-

"یہی زمانہ تھا جب کہ ایک شخص سید احمد بریلوی مکہ کے سفر سے

ہندوستان کو وہ بیچ لے گیا جس نے ۱۸۳۱ء میں ان کی شہادت کے

بعد وہابیوں کو کوہِ سیاہ کا ردِ عمل بنجشا اور اطراف تک اس کی گونج

یا جھٹکا پہنچا دیا۔"

ہنٹ نے بھی لکھا ہے کہ :-

سید احمدؒ کے قیام مکہ کے دوران میں وہاں کے حکام کی توجہ ان کی

تعلیمات اور ان بدو قبائلیوں کے خیالات کی طرف منعطف ہوئی جن کے

ہاتھوں مکہ کے مقدس شہر نے اتنے مصائب اٹھائے تھے علانیہ طور پر ان کی تحقیر کی گئی اور شہر بدر کر دیئے گئے اس جور و تعدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہندوستانی آئے تو ایک مذہبی خواب میں اور مشرکانہ بد اعمالیوں کے مصلح کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ محمد بن عبدالواہب کے معتقد و مرید کی حیثیت سے آئے۔

ان انگریزوں کی تقلید میں بدایون و بریلی کے معتزلوں نے بھی اس بہتان کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا شروع کر دیا کیوں کہ ان کی ملازمت، وظیفہ خوری اور نوازشوں کا حق تو ادا کرنا ہی تھا ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں تحریکوں کا اصلی ماخذ (کتاب و سنت) اگرچہ ایک ہے لیکن طریق کار اور اصول و دعوت میں نمایاں فرق ہے اور اصولی مماثلت کے باوجود یہ ایک ناقابل ترمیم حقیقت ہے کہ ہندوستان کی اس تحریک تجدید و احیائے دین پر امام محمد بن عبدالواہب کی تحریک کا قطعاً اثر نہیں پڑا اگر طوقیام الدین نے بھی ان دونوں تحریکوں کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

”حقیقت یہ ہے کہ چونکہ دونوں تحریکوں کا مخرج و مبدأ ایک ہی ہے قرآن و حدیث۔ دونوں کے درمیان کچھ مماثلتیں ضرور ہیں ان دونوں تحریکوں کے ظہور کے وقت دونوں ملکوں میں ایک قسم کے حالات و کوائف درپیش تھے اور دونوں اسلام کے اصل اصول کے دوبارہ رائج و شائع کرنے کی ضرورت پر مقرر تھے جن میں بنیادی چیز توحید اور ترک بتذعات پر زور دینا تھا۔ محمد بن عبدالواہب کی التوحید اور شاہ اسماعیلؒ کی ”تعوذت الایمان“ ان بنیادی امور پر زور دینے میں متفق الخیال ہیں۔“

”مگر ساتھ ہی ان دونوں کے درمیان کچھ اہم نقاط اختلاف بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نمایاں طور پر ہندوستانی تحریک کا سیاسی پہلو ہے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک کی سیاسی آزادی کے لیے جدوجہد پر زیادہ زور تھا۔ عرب میں دوسری صورت حال کی بناء پر یہ پہلو

موجود نہ تھا۔ عرب میں سیاسی اقتدار ختم نہیں ہوا تھا اس لیے عرب کے وہابی زیادہ تر سماجی و مذہبی اصلاحات کے علمبردار تھے۔

علاوہ ازیں امام محمد اسماعیل شہیدؒ اور آپ کے ہم مسلک فقہی مسائل کو کتاب و سنت کی میزان میں رکھتے ہیں اگر کتاب و سنت سے زیر بحث مسائل کے متعلق نفوس نہ لی سکیں تو پھر وہ ان کے متعلق فقہاً کو امام کے اقوال و آراء کا کتاب و سنت کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں جو موافق ہوں انہیں تسلیم اور جو مخالفت ہوں انہیں ناقابل تسلیم قرار دیتے ہیں اور اس معاملہ میں وہ کسی شخصیت کی پرواہ نہیں کرتے لیکن اس کے برعکس شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ فروع فقہ میں امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر عمل کرتے تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے دونوں تحریکوں کا تقابلی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

مولانا شہیدؒ نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں "توسل فی الدعاء" کو جائز اور شرک اصغر کے ترکب کو کافرانہ ہونے غیر مغفور قرار دیا ہے یہ دو اساسی مسئلے ہیں جو محمد بن عبدالوہابؒ کی کتاب "التوحید" کے مناقض ہیں۔

آخر میں حضرت امام نواب والا جاہ سید صدیق حسنؒ کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ فرمایا لیجئے کہ :-

..... ولكن اعداؤ الله و
رسوله تعصبا في شأفه و شأن
اتباعه و أقرانه حتى يسبوا طرقتيه
هذا الى الشيخ محمد النجدي
ولقبوهم بالوهابية و ان
كان لا ينفعهم ولا يجدي
لانهم لا يعرفون نجدا ولا
صاحب نجدي

لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں نے آپ (امام محمد اسماعیل شہیدؒ) کے معاملہ میں بے جا تعصب سے کام لیا ہے اور آپ، آپ کے ساتھیوں اور پیروؤں سے ناروا طور پر دشمنی کی چٹانچہ ان کے طریقہ کو شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی طرف منسوب کر دیا اور انہیں وہابی کہنے لگے۔ حالانکہ یہ بزرگ نجد کو جانتے تھے اور نہ ہی صاحب نجد کو۔

امید ہے کہ ان سطور کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہوگی کہ افترا پر دازوں کا حضرت امام صاحبؒ کو شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ کا متبع و متعلم بنانا بھی "سبحانک هذا جہتان عظیم" ہے۔

دشمنانِ اہم شہید آپ پر سوہن ملک گیری کی تہمت بھی لگایا کرتے ہیں چنانچہ مولوی نعیم مراد آبادی نے لکھا

آکھواں اعتراض

ہے کہ :-

شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہندوستان کے طول و عرض میں کافی اثر تھا بشرتِ مسلمان اس خاندان کے ارادت مند معتقد تھے اس سرورساں کو دیکھ کر مولوی سمیٹیل صاحبؒ کو خیال پیدا ہوا کہ عبدالوہابؒ نجدی کی پالیسی پر عمل کر کے وہ اپنے معتقدین کا ایک عظیم لشکر تیار کر سکتے ہیں جس سے ہندوستان کے تاج و تخت پر ان کو قبضہ مل سکے گا

اس بہتان تراشی اور تہمت کی حقیقت بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس سے مراد آبادی صاحب نے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں کچھ اور

جواب

اضافہ فرمایا ہے :-

زنگ جب معشر میں لائے گا تو اڑ جائے گا زنگ
یوں نہ کہیے سُرخِ خونِ شہیدان کچھ نہیں!

وردہ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند کی اس عظیم انسان تحریک تجدید و احیائے دین سے جسے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے وہ جانتا ہے کہ اس تحریک کے بانیوں کا مقصد نہ کوئی علاقہ لینا تھا، نہ حکومت و سلطنت کی طلب تھی اور نہ جاہ و شہمت کی خواہش تھی بلکہ انہوں نے جو وطن مالوت کو خیر باد کہا، اعزہ و اقارب سے جدا ہوئے اور زندگی کے بہترین حصے آلام و مصائب برداشت کرتے ہوئے گزارے، اس سے ان کا مقصد محض اللہ کی رضا، اس کے کلمہ کی سرملبندی اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء تھا۔ چنانچہ بانی تحریک حضرت سید احمد شہید ایک

تمام پر فرماتے ہیں:-

- سوزبان سے خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ مالکِ حقیقی کی اطاعت میں مشغول ہوں اور صرف اسی کی رضا مطلوب ہے۔ خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لیے ہیں دنیا و مافیہا سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور محض بوجہ اللہ عظیم جہاد بلند کیا ہے مال و منال، جاہ و جلال، امارت و ریاست اور حکومت و سلطنت کی طلب سے کاملاً انکس ہو چکا ہوں۔ خدا کے سوا کسی کی حست و نحوہ نہیں رہی۔^{۵۵}

حضرت امام صاحب نے فراب وزیر الدولہ رئیس ٹونک کے نام ایک مکتوب میں فرمایا :-

تمام عمر خود را بلکہ ہر ساعتے از ساعتے تمام عمر خود کو بلکہ ہر لحظہ و لمحہ، رات و دن تیارم جہاد کی کوشش فرمائیں اور اپنے تمام عزیز و اقارب کو اسی نیک جہد و جہد میں مشغول کریں اور اپنی قیمتی عمر کو اس مشغول میں بسر کرنے کو سب سے بڑی سعادت شمار فرمائیں خواہ سعی مذکور انجام کو پہنچے یا نہ پہنچے کیوں کہ اپنی عمر گزارنے کا مقصد پروردگارِ عالم کی اطاعت اور ستیاء المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت ہے

اسی طرح آپ ایک طویل مکتوب میں میر شاہ علی صاحب کو لکھتے ہیں :-

سبحان اللہ حق اسلام ہمیں است کہ اس رکنِ عظیم جہاد کو جڑ پیر سے اکھاڑ پھینکیں اور جس شخص کے دل میں باوجود ضعف و ناتوانی کے غیرت، ایمانی اور حمیتِ اسلامی موجزن ہو اس کو لعنت و ملامت اور مطعون کریں بیشک ایسی قوم تو آتش پرستوں، سکھوں اور اہل منہود

سبحان اللہ حق اسلام ہمیں است کہ بیخ رکنِ عظیم اور برکشند و کیلکہ باوجود ضعف و ناتوانی غیرت، ایمانی و حمیتِ اسلامی در سینہ او جوش زنداد را ملام و مطعون سازند بے شک آن قوم از مجملہ مجوس یا سکھ یا منہود اند کہ با ملت محمدیہ عداوت مہیدارند

میں سے ہے جو ملت محمدی سے دشمنی رکھتی ہے
 بفرماتے "وماذا بعد الحق الا الضلال"
 طریقہ محمدی کا تقاضا تو یہی تھا کہ اگر کوئی شخص
 جہاد کا ذکر کھیل کود کے طریقہ پر بھی زبان پر
 لائے تو مسلمانوں کے دل اسے سن کر مرست
 سے پھیل کی طرح کھل جائیں اور سنبل کی طرح
 شاداب ہو جائیں اگر دور دراز شہروں سے
 بھی جہاد کے قیام کا فقرہ اس کے غیرتِ اسلامی
 کے کان تک پہنچتا ہے تو فوراً ہی دیوانہ وار
 جنگل اور پہاڑوں میں دوڑتا پھرتا ہے بلکہ
 شہباز کی طرح اڑتا ہے تو کیا جہاد کا حکم
 باوجود عظمتِ شان کے حیض و نفاس کی تعلیم و
 تعلم سے بھی گری پڑی چیز ہے۔

وماذا بعد الحق الا الضلال ویا کہ
 مقتضائے محمدیہ ہمیں بود کہ اگر کسی کے بطریق
 ہو باسی ذکر جہاد و زبان میراثِ قلوبِ مسلمین
 از استماع آن لسان گل شگفتہ می گردید
 لسان سنبل سرسبز می شد اگر از بلاد دور
 است ہم آوازہ قیام جہاد گوش ہوش اہل
 غیرتِ اسلامی فی الفور دیوانہ وار در وقت
 و کہسار میدانید بلکہ مثل شہباز پرید آیا امر
 جہاد باوجود این عظیم شان از پایہ تعلیم و
 تعلم مثل کتاب حیض و النفاس ہم ساقط
 گردید۔ الخ

اسی طرح حضرت امام صاحب اور حضرت سید صاحب کے بے شمار مکتوبات اور
 ارشادات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے ان جانناز
 سپہ سالاروں کا مقصد وحید جہاد فی سبیل اللہ، رضائے الہی کا حصول اور نصرت و حمیت
 دین تھا۔ ہوس ملک گیری ان پاکبازوں پر محض تہمت، افتراء اور بہتان ہے اس کی تو یہ چھائیں
 تک بھی ان کے قلبِ صافی پر نہ پڑی تھی۔

ان سطور میں افتراء پر دازوں کے چند بڑے بڑے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں ورنہ
 ان کے دیگر چھوٹے چھوٹے فضول افتراءات کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز
 ہے ان میں سے اکثر اس قدر بے معنی ہیں کہ ان کے جواب کی ضرورت نہیں تاہم علماء
 اہل حدیث نے ان کے مجملہ اعتراضات کے نہایت مدلل و مفصل اور مسکت جواب

دیئے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ
 اور ان کی بلند پایہ تصنیف "لطیف" "اکمل البیان فی تائید تقویۃ الایمان"
 خاص طور پر قابل ذکر ہیں جزاہ اللہ عنا وعن المسلمین خیر الجزاء

باب

سیرت کی چند جھلکیاں

حضرت امام محمد اکمل شہیدؑ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، حُبِ اسلام، حمیتِ دین، شجاعت و بہالت، اثنیاء و فداکاری، بے غرضی و بے نفسی، عقاید و نظریات، تحریکِ تجدید و احیائے دین، کارنامہ ٹائے جہاد اور سیرت و کردار سے متعلق دیگر امور بیان کیے جا چکے ہیں جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ شاید برصغیر پاک و ہند کی چشمِ فلک نے آپ سے بڑا کوئی مفسر و محدث، فقیہ و متکلم اور غازی و مجاہد نہ دیکھا ہو۔

الرحیمہ ایک غیر صحابی کو صحابی رسول سے کوئی بھی نسبت نہیں اور حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے کیا خوب فرمایا تھا۔ جب ان سے استفسار کیا گیا تھا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ۔ کہ اللہ کی قسم! ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار پڑی وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سے۔ ان کے علم و تقویٰ

اور فضل و کمال کے باوصف، ہزار درجہ افضل ہے، تاہم بعض اہل علم کے بقول اگر تبرصغیر میں کمالات، ایمان، اخلاص، علم، عمل، جہاد، ایثار، تحمل شداہد اور اتباع سنت کے لحاظ سے کسی شخصیت کو مکمل طور پر حضرات صحابہ کرام سے مشابہت ہے تو وہ امام محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ذیل میں چند چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت مزید روشنی ڈالی جاتی ہے تاکہ تبرصغیر میں اسلامیت کے اس لب لباب کے کردار کے کچھ نقوش اور سیرت کی چند مزید بھلکیاں تارینِ کرام کے نظر نواز ہوجائیں۔

آپ کے علم و فضل کا بڑے نامی گرامی اہل علم نے اعتراف فرمایا ہے۔ حضرت والاحاہ نواب صدیقی حسن خاں فرماتے ہیں۔

علم و فضل

معقول و منقول میں پہلوں کی یاد بھلا دیتے تھے فروع و اصول میں ائمہ کو پے بٹھا دیتے تھے جس علم میں ان سے بات کرو گے تو جان لو گے کہ وہ اس فن کے امام ہیں اور جس فن میں ان سے مناظرہ کی ذمہ آئے گی تو پہچان لو گے کہ وہ اس علم کے حافظ ہیں۔

در علوم معقول و منقول یاد پیشینیاں از خاطر می برد۔ و علم فروع و اصول ائمہ آل را دور تر می نشاند۔ و علم کہ با دشمن رانی دانی کہ وہ امام این فن است و در ہر فن کہ باوے مناظرہ کنی، شناسے کہ وہی حافظ این علم است

نواب صاحب کے آخری فقرہ سے امام صاحب کی وہ علمی گفتگو یاد آنے لگی ہے جو آپ نے نوٹڈخوڑ کے ایک رئیس اور فقہ و اصول کے ماہر حافظ پشم سے فرمائی تھی آپ نے ایک روز تفریحاً ان سے پوچھا "حافظ صاحب! افکاروں میں جو اسقاط رائج ہے یعنی نماز کا فدیہ، اس کی بنیاد کیا ہے؟ حافظ صاحب نے جواب دیا "قیاس"۔ امام صاحب نے فرمایا: "مقیس علیہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: "مسئلہ شیخ فانی در باب فدیہ صوم" اپنے اس پر اعتراض وارد کیا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لیے کہ دونوں کا حکم یکساں نہیں، قیاس کی تعریف شرع کی رو سے حمل النظر علی النظر ہے "اسقاط" اس پر ٹھیک نہیں اترتا۔ اس لیے کہ مسئلہ صوم مسائل صلوة سے الگ ہے نماز میں قصر ہے، روزے میں قصر نہیں بلکہ قضا ہے۔ حالانکہ ولفسہ کو نماز

مخاف ہے، روزہ معاف نہیں، حافظ صاحب نے یہ سن کر کہا: آپ اسے صدقہ سمجھ لیں جو ہر حال میں مروے کے لیے مفید ہے، آپ نے فرمایا: مجھے استغاثہ پر اعتراض ہے، صدقہ پر نہیں صدقہ میں حساب کی حاجت نہیں، حافظ صاحب کہنے لگے، اس میں قباحت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اول یہ اصول ارجح سے باہر ہے، اس لحاظ سے بدعت ہے۔ دوم بعض مقامات پر اموال موتی کے وارث یتیم ہوں گے۔ آپ لوگوں نے رواجاً اسے لازم قرار دے لیا ہے۔ اور اس کا ترک بعض کے نزدیک مثل ترک فرائض ہے یتیمی کے مال میں بدوں وصیت و تعرض ہوگا اور استعمال بے جا۔ اس لحاظ سے "إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا" کا مورد۔ سوم جب رکعتوں پر صدقہ مقرر ہو گیا تو آپ کو حق حاصل نہ ہوگا کہ تارکِ صلوٰۃ پر احتساب جاری کریں۔ اس طرح یہ قاعدہ مستقط صلوٰۃ ہوا۔

بقول مولانا سید محمد علی رامپوری آپ حافظ قرآن، متبحر عالم اور میں ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ سرسید نے آپ کے رسالہ منطق کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے دلائل کی قوت ارسطو کو بھی حیرت میں ڈال دیتی اور وہ اپنے دلائل کو تارِ عنکبوت سے بھی سست تر سمجھتا تھا۔ جب آپ نے سند فراغت حاصل کی تو راہ چلتے ہوئے بڑے بڑے علماء کے مشکل ترین سوالات، کتابوں کی طرف مراجعت کیے بغیر ہی حل فرما دیتے تھے۔ حکیم جمال الدین فرماتے ہیں کہ آپ کا ذہن حد درجہ سریع الانتقال تھا۔ پانچ آدمیوں کو سامنے بٹھا کر پانچ مختلف مضامین لکھواتے تھے اور کسی کا قلم رکنا نہ تھا۔ مولانا خیر آبادی کا قول یہ بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے فرمایا وہ (امام صاحب) اُمتِ محمدیہ کے حکیم تھے کوئی شئی نہ تھی جس کی انیت اور لمیت ان کے ذہن میں نہ ہو۔ آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے آپ اور آپ کے رفیق محترم حضرت مولانا عبدالحمید کو اپنے ایک مکتوب میں تاج المفسرین، فخر المشرقیں اور سرآمد علماء محققین لکھا نیز فرمایا کہ دونوں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، منطق وغیرہ میں مجھ سے کم نہیں۔

سادگی علم و فضل کے اس قدر کوہِ گراں ہونے کے باوجود آپ کے قلب صافی

پرستی قسم کے تکلف کی پرچھا میں نہ پڑتی تھی۔ کبھی کبھی جب گھوڑے کو کھریا کرتے اور اس حالت میں بھی اگر کوئی دینی علمی مسئلہ پوچھتا تو آپ ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے۔ عام علماء کی طرح و حفظ و ارشاد کے موقع پر جبہ و دستار کا قطعاً اہتمام نہ فرماتے تھے۔ کھانے پینے، رہنے سہنے اور پہننے اور بھنے میں نہایت سادہ تھے۔

جب آپ سفر حج کے سلسلہ میں دیگر احباب کے ہمراہ ہنگلی پہنچے تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے وکیل منشی امین الدین احمد کلکتہ سے استقبال کے لیے آئے۔ سید صاحب سے ملاقات کے بعد جب وہ امام صاحب سے ملے تو آپ کے لباس کی سادگی کے باعث انہیں یقین ہی نہ آیا کہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث کے برادر زادے ہیں جب آپ کو بتایا گیا کہ یہی امام محمد اسماعیل ہیں جن کے علم و فضل سے ملک کے درو دیوار گونج رہے ہیں تو منشی صاحب آپ کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر بے اختیار آبدیدہ ہو گئے۔

آپ دیگر رفقاء کے ساتھ ہر کام میں شرکت فرماتے اور معمولی کام کرنے میں بھی قطعاً شامل کا اظہار نہ فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ جب مردان میں قیام تھا تو دیکھا کہ مسجد کے قریب کی جگہ ہاتھی باندھنے کے سبب گندی ہو گئی ہے تو سید صاحب نے گدال لیا اور امام صاحب نے ٹوکری اٹھائی اور تھوڑی دیر میں ساری جگہ صاف کر دی۔

آپ کی حق گوئی و بے باکی بھی مشہور تھی۔ سید صاحب کا
حق گوئی و بے باکی
 آپ اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے لیکن اس کے باوجود سید صاحب نے جب تالیفِ قلوب کی غرض سے حسن زئی قبیلے کی معافی عشر کی درخواست کو قبول فرمایا اور آپ کو علم ہوا تو آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ :-

عشر بھی خمس و زکوٰۃ کی طرح شرعی حقوق میں سے ہے اور اس کی معافی کا امام کو بھی اختیار نہیں بلکہ امام بھی اگر زراعت پر مشتمل ہو تو اسے بھی عشر دینا پڑے گا۔

اس پر جب جنگ کے خطرہ کے بادل منڈلا رہے تھے تو سید صاحب نے امام صاحب

کو لکھا کہ مستورات کو قلعہ سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ امام صاحبؒ اسے خلافِ مصلحت سمجھتے تھے سید صاحبؒ نے دوبارہ لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمادیا کہ اگر آپ کے اس حکم پر عمل پیرا ہونے سے شوکتِ اسلام کو نقصان پہنچا تو خدا کے نزدیک اس کی جواب دہی آپ کے ذمہ ہوگی۔ اکبر شاہ کے دربار میں آپ نے جو مدعا فرمایا تھا وہ بھی آپ کی حق گوئی و بے باکی پر ایک شاہدِ عدل کی حیثیت رکھتا ہے۔

زندہ و تقویٰ

آپ کا زہد و تقویٰ اور تہجد گزاری و شب زندہ داری ضربِ المثل ہے۔ اس سلسلہ میں وہ روایت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جو جناب

امیر خاں صاحبؒ نے مولانا عبدالقیومؒ (داماد مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحبؒ) سے نقل کی ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ تحصیل سکندر آباد ضلع بلند شہر میں امام صاحبؒ کے خاندان کی کچھ ارضی تھی آپ تحصیل کے لیے وہاں جایا کرتے تھے اور راستہ میں غازی آباد کی ایک بھٹیاری کے پاس رکا کرتے تھے ایک دفعہ تحصیل کے موقع پر آپ بیمار ہو گئے اور اپنی جگہ شاہ موسیٰ بن حضرت شاہ رفیع الدینؒ کو تمام تفصیلات اور غازی آباد کی بھٹیاری کے پتہ سے مطلع کر کے بھیج دیا اور ساتھ فرمایا کہ بھٹیاری سے کہہ دینا کہ میں بھٹیاری کا بڑا بھائی ہوں۔ شاہ موسیٰ جب غازی آباد میں بھٹیاری کے پاس پہنچے تو اس نے رات کو چار پائی کے نیچے پانی کے دو لوٹے، ایک چٹائی اور جاننا رکھ دی۔ شاہ صاحبؒ نے کہا اس سامان کی کیا ضرورت ہے؟ عشا کی نماز مسجد میں پڑھ آیا ہوں، صبح کی نماز پھر وہاں پڑھ لوں گا۔ بھٹیاری نے ان کی طرف تعجب سے دیکھا اور کہا کہ میں تو پہلے ہی کچھ گئی تھی کہ تم تحصیل کے بھائی نہیں ہو اور اب تو یقین ہو گیا۔ مولوی سمیخیل بھی نماز مسجد میں ہی پڑھا کرتے تھے مگر وہ رات کو تھوڑی دیر سو کر اٹھ بیٹھتے اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے، تم کہتے ہو مجھے پانی کی ضرورت نہیں، میں تو سمجھتی تھی کہ تم بڑے بھائی ہو اور عابد بھی ان سے زیادہ ہو گے مگر تم کچھ بھی نہ نکلے۔ شاہ موسیٰ کہتے تھے کہ میں بھٹیاری کی یہ بات سن کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا اور کوئی جواب نہ آیا۔ تادمین کو ام غور فرمائی کہ ہماری حالت بھی تو یہی ہے سے

کس قدر تم پر گراں صبح کی بیداری ہے

ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

زقواء کا احساس

آپ کو اپنے زقواء و احباب کا حد و جبر احساس تھا اور ان کے ادلے حقوق میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرتے

تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے جو کہ منشی صاحب کے نام سے معروف تھے آپ کو وعظ کے لیے مدعو کیا۔ آپ کے اس وعظ میں روایتی جوش و خروش نہ تھا بلکہ لہجہ نہایت کمزور تھا۔ منشی صاحب نے امام صاحب کے خصوصی جان نثار مولوی رستم خاں بریلوی سے لہجہ کی زہی کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ پڑھیں وقت سے فاقہ ہے منشی صاحب یہ سن کر اٹھے اور امام صاحب سے کہا کہ آپ ذرا وعظ موقوف فرما دیجئے، وعظ موقوف ہوا تو وہ آپ کو ایک الگ مکان میں لے گئے اور وہاں آپ کے سامنے کھانا رکھا۔ آپ مسکرائے اور فرمایا: منشی جی! تم سے کسی نے کہہ دیا ہے کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا؟ انہوں نے پوچھا: حضرت کیوں؟ آپ نے فرمایا: کہ میرے ساتھیوں نے بھی کھانا نہیں کھایا ہے اور میں ان سے الگ کھانا نہیں کھا سکتا۔ انہوں نے ساتھیوں کو بھی بلایا اور سب کو کھانا کھلایا اور کئی وقت تک دعوت کی گئی

سید صاحب نے آپ کو سواری کے لیے ایک گھوڑا دے رکھا تھا، لیکن آپ کبھی اس پر سوار نہ ہوئے بلکہ اپنے احباب و زقواء میں سے کسی ایک کو سوار کرا دیتے، خود پیدل چلتے اور فرماتے کہ یہ خدائی کام ہے، جتنی زیادہ مشقت اٹھائیں گے، اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا۔ اللہ اللہ یہ و کبوترون علی انفسہم و لو ان بہم خصاصۃ لا و من یوق شیخ ھنہ فاولیک ھم المفلحون ۵ کی کس قدر سچی اور عملی تفسیر ہے یہاں ان بزرگوں کو بھی غور فرمانا چاہیے جو آپ پر ہوس ملک گیری کا بہتان لگایا کرتے ہیں۔

علم و فضل اور زہد و اتقا کے ساتھ ساتھ آپ کی شجاعتوں اور بہادریوں

شجاعت

کے چرچے بھی چار دانگ عالم میں پھیل چکے تھے ایک مرتبہ

ایک دورانی سپاہی کسی عورت سے ال چھیننا چاہتا تھا۔ اس عورت نے امام صاحب کا نام لیا تو سپاہی دم و باکر بھاگ گیا۔ جنگ مایا کے موقع پر جب سید صاحب نے خط لکھ کر آپ کو اب سے طلب فرمایا تو منشی محمدی انصاری نے اس کو تب کے آخر میں اپنی طرف سے لکھ دیا کہ اپنی تشریف آوری کی خبر کو شہرت دیجئے اس لیے کہ آپ کی شجاعت اس علاقے کے

خاص و عام پر روشن ہے، کیا عجب ہے دشمن آپ کا نام سن کر مرعوب ہو جائیں اور اس طرح مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ جذبہ جہاد آپ میں اس قدر موجزن تھا کہ بقول نواب وزیر الدولہ مرحوم :-

بعض اوقات بیماری کی تکلیف میں دو دو دن سونہ سکتے، یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہتی، تاہم سید صاحب کی طرف سے جب کسی جنگی مہم کے انتظام کا حکم پہنچ جاتا تو بے توقف ہتھیار سنبھال کر شیردان اور برقی تمپیاں کی طرح مسلمانوں کے امور کی درستی میں مصروف ہو جاتے۔

مولانا حبیب و سعید حضرت محمد اسماعیل شہید قدس اللہ اسرارہ العزیز در اوقات صعوبت امراض کہ تا دو روز از درج و در دو بخواب راحت نمی شدند و طاقت نشست و برخاست نمی داشتند ہمیں کہ امر امام عالی مقام بناویر انصرام مہام و یا کا زار جہاد انتظام صادر میگرددید جناب مولانا نے فحمام بے تامل و وزنگ باسلحہ جنگ چوٹ شیردان و برقی در نشان در درستی امور مومناں می شتافتند^{۱۲}

آپ تحریک جہاد میں اول سے آخر تک رُوح رواں رہے۔ ہر نازک سے نازک گھڑی میں بھی آپ نے سبقت کا مظاہرہ فرمایا۔ گولہ بارود کی موسلا دھار بارش میں بھی اس قدر بے تکلفی سے چلے جاتے کہ دوسرے لوگ بھولوں کی بارش میں بھی اس طرح جانا پسند نہ کریں اس لیے سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی شجاعت و لبالت اور بہادری و جوانمردی ہر طرح کی مدح و ستائش سے بلند و بالا ہے۔

مولانا محمد جعفر تھانویؒ نے لکھا ہے کہ :-

اسوہ صحابہ رضی

”جب بہت سے ولایتی مولوی بڑی بڑی پگڑیاں اور جتے پہن کر مولوی محمد اسماعیل صاحبؒ کی ملاقات کے واسطے لشکر مجاہدین میں آئے تو اس وقت مولانا شہیدؒ چکی سے اپنے گھوڑے کا دانہ دل رہے تھے وہ سارے ولایتی مولوی یہ حال دیکھ کر بے اختیار رو پڑے اور کہنے لگے

کہ ٹھیک صحابہ کی چال پر یہی شخص ہے اور ہم دنیا کے کتے ہیں
مولانا محمد یوسف بنوری نے بھی لکھا ہے کہ :-

فالشیح اسمعیل الشہید من	شیخ اسمعیل شہید ان چہند لوگوں
ذالک المجیل او من ذالک المرعیل	میں سے ہیں جنہیں نفوسِ قدسیہ، ارواح
الذی یشبہ تماماً باولئک	زکیہ اور قلوبِ تقیہ کے مالک حضرات
الصحابۃ الذین کانوا اولی	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مکمل طور پر مشابہت
نفوس قدسیۃ و ارواح ذکیۃ	حاصل ہے۔
وقلوب تقیۃ	

مروم شناسی
امام صاحب حد درجہ مردم شناس بھی تھے چنانچہ جنگِ نیدہ کے بعد جب ایک رسالہ ارمقرر کر دینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو سید احمد علی بریلوی نے حمزہ علی خاں نوہاری والے کا نام پیش کیا لیکن امام صاحب نے ان سے اختلاف کیا اور عبد الحمید خاں کو اس عہدے کے لیے مناسب قرار دیا عبد الحمید خاں چونکہ فنونِ سپہ گری میں بڑے ہوشیار، تجربہ کار اور بہادر تھے اس لیے ارباب بہرام خاں اور خود سید صاحب نے بھی آپ سے اتفاق کیا اور عبد الحمید خاں کو ہی رسالہ ارمقرر کر دیا گیا۔

اسی طرح آپ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دشمن سے رزم و پیکار کیلئے انسانوں کی تمین ہوتی ہیں بعض صاحبِ تدبیر ہوتے ہیں بعض شجاع و دلاور یعنی دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں یعنی تدبیر بھی اور شجاعت بھی محض باتدبیر لوگ نہیں اس مقام پر کام نہیں دے سکتے اس لیے کہ یہ مقام شجاعت کا ہے نہ کہ تدبیر کا آپ کے فرسٹے کا مقصد یہ تھا کہ ساز و سامان اور نفیوں کی قلت کے باعث مجاہدین کو شجاعت و مردانگی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے الغرض امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی اور دور اندیشی جیسی خوبیوں سے بھی نوازا تھا۔

حقانی ربانی بزرگ
آپ حقانی ربانی، ذی فراست و صاحبِ کرامت بزرگ تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ بنظاہر اساتذہ کرام سے کسبِ فضیلت کیا ہے لیکن میرا اصلی سرسایہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے میرے دل میں ڈال دیا ہے۔ دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ فہمِ قرآن و حدیث سے بہرہ وافر رکھتے

تھے۔ نماز میں خشوع و خضوع اور آداب کا خاصہ وہی خیال رکھتے تھے سید جعفر علی نقویؒ کا بیان قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی اقتدار میں دو رکعت نماز ادا کی تو اتنی لذت نصیب ہوئی کہ کبھی کسی امام کے پیچھے نصیب نہ ہو سکی۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ نماز میں غفلت نہیں ہوتی، اگر سوچی جائے تو جلد علم ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے لوگوں کے اصرار پر گوشتی کے پل پر ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں عصر سے مغرب تک مکمل قرآن مجید سنا دیا تھا۔ یہ آپ کی ایک واضح کرامت تھی۔

حسین
برہنہ

آپ اس قدر برجستہ جواب تھے کہ سامعین حیرت و استعجاب میں ڈوبے جاتے ایک مرتبہ محمد کالے نامی ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے نام کا صحیح کہہ دیجئے

آپ نے بے تکلف فرمایا ع

”ہر دم نام محمد کالے“

اسی طرح ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ یہ نام ممکن ہے جانور میرے سامنے آئے اور پھر زندہ نکل جائے۔ ایک ساتھی نے ہنس کر فرمایا ”اگر اس کی موت ہی نہ آئی ہو تو آپ کیوں کر اسے مار سکتے ہیں؟“

آپ نے جواب میں فرمایا ”جب اس کی موت نہ آئی ہوگی تو میرے سامنے آنے ہی کا نہیں۔ یہ آپ کی برجستہ جوابی کی ایک بہترین مثال ہے دوسری طرف اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نشانہ لگانے میں آپ کو بے مثال مہارت حاصل تھی۔“

باب نہم

گہائے زنگ ننگ

امام محمد اسحاق شہیدؒ کی پیغمبرانہ دعوتِ توحید سے جب کلکتہ سے پشاور اور شمالی ہند جنوبی ہند کے ایوانہائے شرک و بدعت میں تزلزل پیدا ہو گیا تو ان ایوان سے وابستہ اصحابِ حقہ دستار کی زبانیں کترنی کی طرح چلنے لگیں، قلم بے گام ہو گئے اور امام صاحبؒ کے خلاف انہوں نے وہ طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا جس کی ایک ادنیٰ سی جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ ہے

فی تعب من یجسد الشمس نورھا ویجھدان یأتی لھا بفریب
 یا یہ کہ انہوں نے اپنے نامہ اعمال کی سیاہی میں کچھ اور اضافہ فرمایا، امام صاحبؒ کی شخصیت

پراس کا کوئی اثر پڑا اور نہ توحید کا وہ چراغ ان پھینکوں سے کچھ سا کجسے آپ نے اپنے مقدس خون سے جلا بخشی تھی؛ چنانچہ آج تبرصغیر پاک و ہند میں کروڑوں فرزندان توحید ہیں جو آپ کے جلائے ہوئے چراغ سے کسبِ ضو کر رہے ہیں ان سطور میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ آپ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں صرف آپ کے مخالفین ہی نظر نہیں آتے بلکہ تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ آپ کے زمانہ سے لے کر آج تک ایسے اصحاب کی کمی بھی نہیں رہی جنہوں نے آپ کے حضور علم و فضل، زہد و آقا، مجاہدانہ کارناموں اور سیرت و کردار کے دیگر حسین گوشوں کے باعث پھر پور خراجِ تحسین پیش کیا ہے؛ چنانچہ ذیل میں چند اساطینِ علم و فضل کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں۔ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کے گرامی نذر صاحب زادے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے اس قابلِ فخر برادر زادے اور قابلِ رشک نواسے امام محمد اسماعیلیؒ کی دینی خدمات پر اظہارِ مسرت فرماتے ہوئے نہایت دلہانہ انداز میں پڑھا کرتے تھے۔

شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے
 الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ
 لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ
 میں اسمعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیئے۔

یاد رہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام ایسے عظیم الشان صاحب زادے عنایت فرمائے تو انہوں نے ان الفاظ میں تہنیتِ نعمت کا اظہار فرمایا تھا۔

اسی مفہوم کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ و شاہ محمد اسماعیلیؒ کی بابرکت مجلسوں کے فیض یافتہ، پچھتر سال تک درسِ حدیث کی مسند پر جلوہ افروز رہنے والے، اپنے دور کے حلیل القدر محدث شیخ الكل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ ان الفاظ میں بیان فرمایا کرتے تھے۔

برائے رہبری قوم فساق
 دوبارہ آندا اسمعیل و اسحاق

مولانا فضل حق خیر آبادیؒ اگرچہ آپ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے، لیکن ان کے پاس حلقہٴ درس میں جب آپ کی شہادت کی خبر پہنچی تو ان پر سنائے کا عالم طاری ہو گیا، کتاب

بند کردی اور کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے اور پھر فرمانے لگے :-

سمعیل کو ہم (صرف) مولوی نہیں جانتے تھے بلکہ وہ اُمتِ محمد کریم کا حکیم تھا کوئی شے نہ تھی جس کی کیفیت اور لمبیت اس کے ذہن میں نہ ہو
امام رازیؒ نے اگر حاصل کیا تو دودِ چراغ کھا کر اور اسمعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا داد سے ۲

صدر الصدور مولوی عبدالقادر خاں رامپوری (متوفی ۱۲۱۵ھ / ۱۸۴۹ء) نے اپنے احوال و واقعات پر مشتمل "وقائع عبدالقادر خانی" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس میں سلسلہ واقعات ۱۲۲۰ھ لکھتے ہیں :-

"دہلی میں مولوی محمد اسمعیل خلیف مولوی عبدالغنی خلیف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جو حسن بیان، قوت استنباط اور تیز مٹی ذہن میں اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یاد گار تھے۔ مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جو مستحبات بلکہ واجبات میں مخلوط ہو گئی ہیں بہت بازو رکھی تھی جمعہ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں میں اس قسم کے مجموعوں میں بیان کرتے تھے عوام ان کے وعظ و نید سے بہت نفع اٹھاتے تھے ۳"

مولانا محمد یعقوب خلیف الرشید مولانا مملوک علیؒ نے لکھا ہے کہ :-

"احقر مولوی اسمعیل صاحب ہشیدہ کو اور اس کے خاندان کے علماء کو اپنا پیشوا سمجھتا ہے اور بے تعصب ان کی باتیں موافق قرآن و حدیث کے پاتا ہے اور ان کے مخالفین کو حق سے سرگرداں اور ہٹ دھرمیاں کرتے دیکھتا ہے ۴"

سر سید احمد خاں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "آثار العناوید" میں آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

محی السننہ قاصح البدعتہ مولانا مولوی اسمعیل رحمۃ اللہ علیہ

علمِ برکش اے آفتابِ بلند حراماں شو اے ابر مشکیں پر بند
بنال اے دلِ رعد چوں کوسِ شاہ بخند اے لبِ برق چوں صبحِ گاہ
ببار اے ہوا قطفِ نوابِ را بگیر اے صدفِ و رکنِ این آبِ را
برآ اے درازِ قصرِ دریاےِ خوشیش بتاجِ سر شاہ کن جہانےِ خوشیش

یعنی شاہِ کشورِ شریعتِ گسٹری ملکِ الملوک و بارِ دینِ پروری قاصحِ بنسینانِ شرکِ طغیانِ عاوی
موجباتِ علم و اقیانِ موسسِ اساسِ کمالِ مہذبِ اوضاعِ حال و قالِ ساککِ مساککِ ہدایت و
ارشادِ مجلیٰ ایسے صافی اعتقادِ مرکزِ دائرہِ معلومِ منطقہِ آسمانِ نہومِ مرتقیٰ مدارجِ درجاتِ عالی
پیشواےِ ادانی و اعالیٰ مرجعِ آبِ فضائلِ کامرانی طباہِ افاضلِ روزِ فہمِ سرائرِ تفسیرِ قرآنی و دقیقہ یاب
معالمِ تقدیراتِ ربانی جامعِ کمالاتِ صوری و معنوی نکتہ سنجِ کلامِ الہی و حدیثِ نبوی متدہ
اہلی پیشگاہِ قبولِ جلالِ غوامضِ معقول و منقولِ بانی مابنی فضل و افضالِ مہدیٰ قرآنِ تکمیل و اکمالِ جاہدِ حق
ولیقینِ مثبت و دلائلِ دینِ مولایِ مخدومی مخدومِ الانامی مولوی محمد اسمعیل قدس سرہ الخ

امامِ الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد آپ کی خصوصیتِ کبریٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص

انذار میں رقمطراز ہیں :-

..... "دعوت و اصلاحِ امت کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور

کوٹہ کے حجروں میں دفن کر دیئے تھے، اب اس سلطان و اسکندرِ عزم کی

بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا

سنگار بیچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں

نہ چپے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند

مجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب برسرِ بازار کی جاہلی اور سہرتی تھیں اور

خونِ شہادت کے پھینے لہروں و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحہِ عالم پر

ثبت کر رہے تھے۔

آخر تو ایسے کوئی آفتِ فغاں سے ہم حجتِ تمام کرتے ہیں آج آسمان سے ہم

..... باہیں ہم یہ کیا معاملہ ہے کہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی، سب دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا مجروں کا کام یا دوسروں کا، لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا؟ وہ گویا ایک خاص پہناؤ تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی چھت آیا دنیا اس کے لیے خلعتِ عظمت اور تشریف قبول کا ندھے پر ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے مسلمانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدوار کیے بعد ونگرے گزرتے رہے مگر اس کا مستحق کوئی نہ نکلا۔

باہر غم اور عرض بہہ کس کہ نمودم

عاجز شد و این قرعہ بنا م ز سر افتاد

مولانا سید محمد میاں لکھتے ہیں :-

”نک وقت کا وہ سرفروش مجاہد جس کا عمل فلسفہ ولی اللہ کی تفسیر تھا اور جس کا ایشیا قربانی ذبیح اللہ کی زندہ تصویر جس کا دل دولتِ درد سے مالا مال تھا اور جس کا جگر سوز محبت کا سراپا اور جس کا علم ہمدوشِ عمل اور جس کا عمل آئینہ دارِ علم بے پایاں۔ آزادی نگر کا سب سے بڑا حامی جمہوریت کا علمبردار، ملوکیت کا سب سے بڑا دشمن، شاہ پرستی کے لیے فرشتہ موت، سرمایہ دار کا سے بیزار، غلامی کے ناپاک تصور سے نا آشنا، اس کی زندگی سچی سپہم تھی۔ کتاب زندگی کا آغاز باب جہاد سے ہوا اور اسی جہاد پر زندگی کا آخری ورق پلٹا گیا“

مولانا غلام رسول مہر فرماتے ہیں کہ ایک نیاز مند نے لکھا ہے کہ :-

”ایسا عالم باعمل، فاضل بے بدل، صاحبِ اخلاق، شہرہ آفاق، المعنی زماں، لودھی دوراں، واقفِ علوم معقول و منقول، کاشفِ دقائقِ فروع و اصول، رافعِ اعلام توحید و سنت، قاصحِ بنیانِ شرک و بدعت، فتوتِ کردار، شجاعتِ ڈنار اس وقت میں ہم نے کہیں نہ سنا دیکھنا تو کیا“

شیخ محمد بن یحییٰ نے اگرچہ مولانا فضل حق غیر آبادی سے تلمذ کے باعث "تقویۃ الایمان" پر اعتراض بھی کیلئے تاہم امام صاحبؒ کے متعلق ان کے یہ الفاظ پڑھنے کے قابل ہیں جو کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تذکرہ کے ضمن میں لکھے ہیں۔

"ابن اخیہ اسمعیل بن مولوی عبدالغنی کان من
أذکی الناس بایامہ وکان أشدھم فی دین اللہ و
أحفظھم للسنة یغضب لها ویندب الیہا ولشتم
علی البدع وأهلہا"

حضرت علامہ عبدالحمی بن فخر الدین حسنی رحمطراز ہیں :-

"الشیخ العالم الکبیر العلامة المجاہد فی سبیل اللہ اسمعیل
بن عبدالغنی بن ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری
الدهلوی أحد أشراد الدنیا فی الذکاء والفظنة و
الشہامة وقوة النفس والصلابة فی الدین
وکان فادراً من نوادر الزمان وبدیعة من بدائع
الحسان مقبلاً علی اللہ بقلبه وقابلشہ الخ

حضرت والا جاہ نواب سید صدیق حسن فرماتے ہیں :-

.. محمد اسمعیل بن الشیخ عبدالغنی العمری بن مستند الوقت الشاہ ولی اللہ
المحدث دہلوی محمد اللہ تعالیٰ کیجے ازائمہ دین وفقہائے متقنین ونبلاء
محدثین جو ہر فکارت اور بغایت عالی افتادہ بود مقتدا
عولیدہ ومشکلات علوم راز زودتر اور اک میکرو و بجز سخن میر سید
حکایات ذہانت و فطانت و بے ہنوز نقل ہر مجلس و زریب ہر مجلس
وزریب ہر محفل اہل علم است الخ

علامہ رحمان علیؒ نے بھی لکھا ہے :-

.. مولانا محمد اسمعیل دہلوی بن مولوی عبدالغنی بن مولانا شاہ ولی اللہ

در ریانت و رسائی فکر یگانہ روزگار و مشارالہ علماء کبار کبود۔ الخ

اختصار کے پیش نظر علماء و فضلا کے اردو، عربی اور فارسی ہر سہ زبانوں میں فرمائے ہوئے
 شے نمونہ از خردارے "ان چند ارشادات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ محبت، عقیدت اور
 احترام کے اگر ان تمام پھولوں کو یکجا کیا جائے جو ارباب علم و فضل نے حضرت امام صاحب پر نچا اور
 کیے ہیں تو گلہائے رنگ رنگ کا ایک چمن زار کھل جائے۔ سہ

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
 کہتی ہے تجھ کو خلق حسد انامبانہ کیا

حواشی و تعلیقات

۱- رہتک دہلی تے میں میل کے فاصلہ پر ہانسی اور دہلی کے درمیان ایک قدیم شہر ہے جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دور دور تک پھیل گیا اور ہندوستان میں بھی توحید کا غلغلہ بلند ہوا تو بہت سے اشراف عرب نے اس شہر میں آکر سکونت اختیار کرنی یہ عجیب اتفاق ہے کہ صغیر پاک و ہند کی تین عظیم اور نامور شخصیتوں یعنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے اسلاف نے بھی سب سے پہلے رہتک ہی کو اپنا مسکن بنایا۔

۲- الامداد فی آثار الاحیاء

۳- حیات ولی ص ۷-۸ مطبوعہ افضل المطابع دہلی۔

۴- حیات ولی ص ۲۸-۲۹

۵- یعنی وہ لڑائیاں جو ۱۵۶۱ء میں شاہجہان کی اچانک بیماری پر تخت نشینی کے لیے شہزادوں میں ہوئی تھیں۔ اورنگ زیب چونکہ ایک تجربہ کار سالار، پختہ کاریاں اور قابل منتظم تھا اس لیے اس نے اپنی فطری صلاحیتوں سے تمام حریفوں پر قابو پالیا تھا۔

۶- شاہ شجاع شاہجہان کا بیٹا اور اورنگ زیب کا بھائی تھا۔ وہ بڑا زبردست، سیر حشمت اور حوصلہ مند تھا اور ساتھ ہی حد سے زیادہ عیش و عشرت کا بیشتر وقت حرم سرا میں شاہد و شراب کی نذر ہو جاتا تھا۔

۷- مرزا محمد زاہد ہروی، قاضی اعظم کے فرزند ہیں آپ نے تیرہ سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کر لی تھی۔ بے نظیر جوہر، ذہن اور عظیم مثال فہم و فراست کے مالک تھے۔ آپ نے شرح موائف، شرح تہذیب، رسالہ تصور و تصدیق، شرح تجرید اور ہیاکل وغیرہ کئی کتب پر حواشی لکھے ہیں۔

۸- حیات ولی ص ۱۲۱

۹۔ فرخ سیر شہزادہ عظیم اتان کالڑکا تھا اس نے اپنے باپ کو قتل کرنے کے بعد بنگال میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا اس نے سادات بارہ کو اپنے ساتھ ملایا اور بہادر شاہ اول کے بڑے لڑکے جہانزار شاہ کو اگرہ کے قریب لڑائی میں شکست دی تو اس نے بھاگ کر دہلی میں پناہ لی جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔ تخت نشینی کے وقت فرخ سیر کی عمر ۳۱ سال تھی اس کا دور حکومت ۱۶۱۳ء سے ۱۶۱۹ء تک ہے۔

۱۰۔ ان مشائخ کے حالات "حیاتِ ولی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۔ ان مشائخ کے حالات بھی "حیاتِ ولی" میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۲۔ شیر شاہ کا اصل نام فرید خاں تھا اس کا قبیلہ "سورغوری سلاطین کی ایک شاخ تھی بہلول لودھی کے عہد میں اس کا باپ اور واد ابرصغیر پاک و ہند میں آئے اور انہیں پنجاب میں جاگیریں ملیں حصار فیروزہ میں فرید خاں کی ولادت ہوئی (تاریخ شیر شاہ) البتہ اس کے سن ولادت میں اختلاف ہے قانون گو نے ۱۶۸۶ء کو اس کا سال ولادت قرار دیا ہے۔ شیر شاہ نے مختلف جنگوں میں ہاروں کو شکست دے کر دسمبر ۱۵۳۹ء میں تاج شاہی اپنے سر پر رکھا اگرچہ اسے صرف ۵ سال حکومت کرنا نصیب ہوئی اور ۲۲ مئی ۱۵۴۲ء میں اس کی وفات ہو گئی تاہم اس نے اس قلیل عرصہ میں ایسے کارنامے نمایاں سر انجام دیئے جو کہ تاریخ کے طالب علم کو درپردہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

۱۳۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۲

۱۴۔ تذکرہ ص ۲۴۳-۲۴۴، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

۱۵۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۳۲۲

۱۶۔ آثار الضادید ص ۲۴۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء

۱۷۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۸-۲۶۹

۱۸۔ حیاتِ ولی ص ۳۲۵

۱۹۔ حکایاتِ اولیاء۔ ص ۵۶

۲۰۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۸

۲۱۔ حکایاتِ اولیاء ص ۳۹

۲۲- حکایاتِ اولیاءِ ص ۵۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

۲۳- واقعاتِ دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۵۸۸

۲۴- تذکرہ شاہ ولی اللہ از مولانا مناظر حسن گیلانی۔ شاہ رفیع الدین کے حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے نرسہ الخواطر، حقائق الخفییہ، الیائے الجنی، ابجد العلوم، تذکرہ علامہ ہند، لفظیات شاہ عبدالعزیز، علم و عمل، تراجم علامہ حدیث ہند، حیاتِ ولی، آثار الصنادید اور لائسنڈین انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (طبع اول) میں ڈاکٹر محمد شفیع صاحب کا مقالہ۔

۲۵- آثار الصنادید ص ۲۶۹

۲۶- واقعاتِ دارالحکومت دہلی ص ۵۸۹

۲۷- حکایاتِ اولیاءِ ص ۶۶

۲۸- حکایاتِ اولیاءِ ص ۵۹

۲۹- حکایاتِ اولیاءِ ص ۶۰-۶۱

۳۰- حیاتِ ولی ص ۲۵۲

۳۱- حیاتِ ولی ص ۲۵۲

۳۲- حکایاتِ اولیاءِ ص ۱۵۹-۱۶۲

۳۳-

۳۴- حیاتِ سید احمد شہید ص مولانا محمد جعفر تھانیسیری

باب (۲)

۱- یعنی تبرہ پیک و ہند کے نامور عالم فاضل محقق مؤرخ ادیب اور نقاد مولانا غلام رسول امیر جو کہ چالیس پچاس کتابوں کے مصنف و مؤلف اور مترجم و شارح ہیں تحریکِ مجاہدین کے سلسلہ میں سید احمد شہید "جماعتِ مجاہدین" اور "سرگزشتِ مجاہدین" آپ کی عظیم الشان کتابیں ہیں۔ انوس کہ ۱۶ نومبر ۱۹۶۱ء کو ہم اس گنج گراں مایہ سے بھی محروم ہو گئے۔

آدمی بیچ کر کہاں جائے تضا کے قبر سے
 آج وہ اٹھ ہے کل اٹھ جائیں گے ہم دہے
 مہر کا جانا مقدر تھا مگر وہ کیا گیا!
 وضع داری کا خبازہ اٹھ گیا اس شہر سے

۲۔ جماعت مجاہدین ص ۱۲۸

۳۔ جنہوں نے "تقویۃ الایمان" کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔

۴۔ حیات طیبہ ص ۳۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء ط۔

۵۔ امیر شاہ خاں، متوطن خوجہ مقیم منیہ صلیح علی گڑھ جنہوں نے باوجود علم رسمی تحصیل نہ کرنے کے بزرگوں کے فیضِ محبت سے وہ درجہ حاصل کیا کہ آج اصطلاحی عالم بھی ان پر رشک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر و ذہن اور حافظہ بھی اس قدر وافر عطا فرمایا تھا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ صاحب سے لے کر اپنے زمانہ تک کے بزرگوں کے حالات و واقعات شد کے ساتھ نقل فرماتے ہیں۔ آپ کی بیان کردہ حکایات کے مجموعہ کا نام "امیر الروایات" ہے امیر الروایات اور مولانا محمد طیب دیوبندی کی روایات کا مجموعہ "روایات الطیب" اور مولانا اشرف علی کار سالہ "اشرف التنبیہ" جس میں انہوں نے بعض حکایات کے نکات کی شرح کی ہے ایک ہی جلد میں چھاپ کر "ارواحِ ثلاثہ" کے نام سے موسوم کیے گئے ہیں اور اسی کا نام "حکایاتِ اولیاء" بھی ہے اسی لیے حوالہ کے وقت ہم نے کہیں ارواحِ ثلاثہ اور کہیں حکایاتِ اولیاء درج کیا ہے۔

۶۔ حضرت مولانا مفتی عبدالصیوم بن مولانا عبدالحی بڑھانوی۔ آپ کی ولادت ۱۲۳۱ھ میں ہوئی آپ نے بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ اور حضرت سید احمد صاحب کی بیعت کر لی تھی آپ نے کتب صوت و نحو شیخ نصیر الدین شافعی دہلوی اور بعض دیگر درسی کتب مولانا نصیر الدین کھنوی سے پڑھیں فرانسس شیخ یعقوب بن افضل سے پڑھے جب کہ فقہ و حدیث کی تعلیم شیخ اسحاق بن افضل سے حاصل کی اور اسی شیخ موصوف کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ حجاز مقدس سے واپسی کے بعد سکندریہ کی دعوت پر بھوپال کے منصب افتا پرنائز ہو گئے اور وہیں آپ کو جائزہ بھی ملی۔ علم و حلم، تواضع و انکساری، وعظ و ارشاد اور راست بازی میں اسلاف کے نقش قدم پر تھے ساری زندگی درس قرآن و حدیث میں مشغول رہے

اور بہت سے لوگوں نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ اپنے وطن مالوت بڑھانہ میں عمر شریف کی ستر بہاریں دیکھنے کے بعد ۱۲۹۹ھ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزمہ الخواطر ج ۱ ص ۲۹۷-۲۹۸

۷۔ حکایات اولیاء ص ۱۰۰

۸۔ مرزا حیرت نے یہاں حضرت شاہ عبدالغنیؒ کا اسم گرامی لکھا ہے جو کہ صحیح نہیں کیوں کہ یہ آپ کی عمر شریف کے بارہویں سال کا واقعہ ہے جب کہ حضرت شاہ عبدالغنیؒ دو سال قبل اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں پیش کیا تھا۔

۹۔ حیاتِ طیبہ ص ۲۶ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء

۱۰۔ اسحاق البیضا المقتین با حیار ماثر الفقہاء والمحدثین ص ۲۱۷

۱۱۔ حضرت نواب والا جہاہ السید ابوالطیب صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ الجبسنی البخاری القنوجی۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام شہید حسین بن علی رضی اللہ عنہما تک منہتی ہوتا ہے آپ کی ولادت باسعادت بروز اتوار مورخہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۲۵ھ میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم و فاضل اور عابد و زاہد تھے۔ شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالعزیزؒ کے تلمیذ اور حضرت سید احمدؒ کے مرید تھے۔ آپ کی ولادت و نشأت قنوج میں ہوئی قرآن مجید اور فنون کی محققات اپنے شہر کے علماء سے ہی پڑھیں پھر سوئے دہلی روانہ ہوئے اور وہاں بہت سے علماء کرام سے فنونِ عظیمہ و تعلیمہ کی بہت سے کتابیں پڑھیں اور پھر علامہ مفتی صدر الدین خاں صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا اور ان سے اجازت عامہ تامہ حاصل کی اور اپنے وطن قنوج تشریف لے آئے پھر طلبِ معاش کے لیے بھوپال روانہ ہوئے چند روز بعد ایک درخواست مدارالمہام مولانا محمد جمال الدینؒ کی خدمت میں پیش کی تو ۳۰ روپے ماانہ مشاہرہ پر ملازمت مل گئی مگر ایک سال بعد ہی معزول ہو کر قنوج تشریف لے آئے پھر ریشیہ بھوپال جناب نواب سکندر سلیم صاحبہ نے فرمانِ طلبی بھیجا مگر محکم کی نامہواری کے سبب دیر سے پہنچے اور حاسدین کو شکایت کا موقع مل گیا لہذا حکم منسوخ ہو گیا۔ بتاریخ یکم صفر ۱۲۷۹ھ بھوپال پہنچے اور ۷۵ روپے ماانہ مشاہرہ پر تاریخ نگاری ریاست کی خدمت تفویض ہوئی مولانا محمد جمال الدین کی صاحبزادی سے نکاح کیا اور والدہ محترمہ اور بہنوں کو بھی وہیں بلا لیا ریشیہ بھوپال تھا کہ گئیں تو ان کی صاحبزادی جناب نواب شاہجہان سلیم صاحبہ سریرہ آرائی سلطنت ہوئیں جو بیوہ ہو چکی

تھیں بلکہ صاحب نے حضرت کی قابلیت اور دیانت کو دیکھ کر شریک امور سلطنت بنانا پسند فرمایا اور پھر آپ سے نکاح کر لیا۔ آپ نے دین کی بہت خدمت سرانجام دی ہے آپ نے ہجو پال میں علم و ادب کی محفل سجائی اور دور و نزدیک کے بے شمار علماء کرام اس ماہتاب علم کا ہالہ بن گئے آپ نے بہت سے مدارس کی بھی تاسیس کی اس طرح علم و فن کے اعتبار سے ہجو پال کی قسمت بیدار ہو گئی آپ نے تفسیر میں "فتح البیان فی مقاصد القرآن" دس جلدوں میں، ایک تفسیر اردو میں "ترجمان القرآن ۵ جلدوں میں اصول تفسیر میں "الاکسیر" حدیث میں "بوغ المرام" کی تین شرحیں نیز صحیح بخاری و مسلم کی شرحیں رجال حدیث میں "اتحاف النبلاء" فوائد صحاح ستہ میں "المحطۃ فی ذکر الصحاح الستہ" غرض کہ تفسیر میں ۹ اور فن حدیث میں ۳۱ عظیم ایشان کتاب میں تصنیف فرمائیں ویسے مختلف علوم و فنون میں آپ کی کل تصنیفات کی تعداد ۲۲۳ ہے اور پھر لطف یہ کہ آپ نے یہ تمام کی تمام سہارا کی تعداد میں زلیور طباعت سے آراستہ کر کے مفت تقسیم فرمائیں نیز آپ نے زبیر کبیر خریج کر کے "فتح المبارکی تفسیر ابن کثیر" اور "نیل الاوطار" وغیرہ کو بھی شائع کر کے مفت تقسیم فرمایا۔ آخر کار علم و فضل کا یہ آفتاب جہاں تاب شب جمعرات ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۷ھ الموافق ۲۰ فروری ۱۸۹۰ء کو ۵۹ سال اور تین ماہ کی عمر میں فنی ہجو پال پر عزوب ہو گیا نور اللہ مرقدہ و برود صعبہ، مفصل حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے، "ماثر صدیقی" "الباقي المنن بالقاء المحن"، "رحلة الصديق الى البيت الحقيق"، "الاجد العلوم"، "التاج المكمل" ص ۵۴۱ - ۵۵۰۔ تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۳۶ - ۲۶۱ راقم الحروف حضرت والا جاہ نواب صاحب مرحوم کے مفصل سوانح حیات لکھنے کا ارادہ بھی رکھتا ہے و سیدہ التوفیق۔

۱۲۔ اتحاف النبلاء ص ۴۱۶

۱۳۔ سر سید احمد خان دہلی میں ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے آپ کی تعلیم قدیم طرز پر ہوئی اور آپ نے درس نظامی تکمیل کی۔ والد کی وفات (۱۸۳۶ء) کے بعد تلاش روزگار ہوئی اور کپنی کی ملازمت میں صدر امین بن گئے پھر ۱۸۴۲ء میں دہلی کی منصفی پر مامور ہوئے اور نو سال تک دہلی میں مقیم رہے ہیں انہوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "آثار الصنادید" مکمل کی۔ اس کتاب کا ترجمہ فرانسس میں بھی ہوا جس کی بنا پر سر سید کو ۱۸۶۴ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا اعزازی رکن بنایا گیا جب ۱۸۵۷ء

میں جنگ آزادی کا آغاز ہوا تو سرسید بجنور کے منصف تھے ۱۸۵۷ء میں ان کو مراد آباد میں متعین کر دیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں غازی پور تبادلہ ہو گیا اور یہاں انہوں نے انگریزی کتابوں کا اردو ترجمہ کرنے کے لیے ایک سوسائٹی قائم کی جو بعد میں سائنٹیفک سوسائٹی آف علی گڑھ کے نام سے مشہور ہوئی پھر ان کا تبادلہ علی گڑھ اور دہلی سے بنارس ہو گیا اس اثنا میں ان کے لڑکے محمود کو حکومت کی طرف سے غیر ملکی تعلیم کے لیے وظیفہ مل گیا۔ سرسید نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ۱۸۶۹ء میں اپنے لڑکے کے ساتھ خود بھی انگلستان چلے گئے محمود نے کیمبرج میں تعلیم حاصل کی اور سرسید نے برطانوی سوسائٹی اور برطانوی یونیورسٹیوں کے نظام کا بغور مطالعہ کیا نیز انہوں نے سر ولیم میور کی کتاب "لائٹ آف دی محمد" کے جواب میں مضامین لکھے جو کہ "خطبات احمدیہ" کے نام سے شائع ہوئے ہیں ۱۸۷۷ء میں وطن واپس پہنچ کر بنارس میں ملازمت کے فرائض سنبھال لیے اور ایک رسالہ "تہذیب الاخلاق" کا اجرا کیا ۱۸۷۲ء میں انہوں نے "محدثن کالج فنڈ کمیٹی" قائم کی ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ کے مقام پر سکول کی جماعتوں کا افتتاح ہوا چند سال بعد سکول کالج بن گیا اور مولوی سمیع اللہ خاں اس کے مہتمم تھے ۱۸۷۶ء میں سرسید نے ملازمت سے ریٹائر ہو کر اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سرسید جب دہلی سے نکلے تو عقیدہ اہل حدیث پر تھے چون کہ انہوں نے حدیث جناب شاہ محمد سمجی صاحب سے پڑھی تھی اس لیے کبھی وضع الیہدین علی اللہ اور امین بالجہر ترک نہ کی۔ مولانا شبلی نے اپنے خطوط میں اپنے بعض احباب و رفقاء کو لکھا تھا :-

مغرب کی نماز! سبحان اللہ! کیا شان و شوکت ہوتی ہے کہ بس دل
 بیٹھنا پڑتا ہے خود سید صاحب بھی شریک نماز ہوتے ہیں اور چوں کہ
 وہ عامل بالمحدث ہیں آئین زور سے کہتے ہیں ان کی آئین کی گونج مذہبی
 جوش کی رگ میں خون بڑھادیتی ہے :- (مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۴۶)

مگر بقول مولانا ابوبکی ام خاں نوشہروی :- افسوس ہے کہ ہمارے عقائد کی سادگی سرسید کے بعض شذوذ کی وجہ سے محروم کو اپنے ساتھ رکھنے سے آخر معذور ہو گئی یا آسفی علی
 قیوسف! ۱۸۹۸ء میں اکیاسی سال کی عمر میں انہوں نے وفات پائی اور علی گڑھ کالج کی مسجد میں

دفن کیے گئے۔

۱۲- آثار العنادیص ۲۷۲

۱۵- سعادت یار خاں رنگین سرسند میں ۱۱۶۹ھ میں پیدا ہوئے ان کے والد توران سے آکر چند دن لاہور میں حسین الملک میرنور خاں کی سرکار میں ملازم رہے اس کے بعد دہلی آئے جہاں پیش کاہ سلطان سے منصب ہفت ہزاری اور خطاب محکوم الدولہ اعتقاد جنگ بہادر عنایت ہوا۔ رنگین نے شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ کی ملازمت اختیار کر لی تھی وہ بہت اچھے شہسوار اور فنون سپہ گری سے خوب واقف تھے دکن میں نظام حیدرآباد کی فوج میں انسر توپ خانہ رہے۔ بعد میں نوکری چھوڑ کر گھوڑوں کی تجارت کرنے لگے انشاء کے بڑے دوست تھے اوائل عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ سب سے پہلے شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے میر سے بھی اصلاح لینا چاہی مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ تو پھر انہوں نے محمد امان نثار کو کلام دکھانا شروع کر دیا بقول جبرن مستشرق بلوم ہارٹ مصحفی سے بھی اصلاح لیتے تھے، امیر حسین، عیش و عشرت کے دلدادہ، خلیق، متواضع اور مہذب آدمی تھے ڈاکٹر اسپرنگر اور کریم الدین کی تحقیق کے مطابق ۸۰ برس کی عمر میں ۱۲۵۱ھ انتقال کیا جب کہ شیفتہ اور گارسن ڈیٹا سی ان کی عمر ۸۱ برس اور سن وفات ۱۲۵۰ھ بتاتے ہیں ان کی تصنیفات یہ ہیں

(۱) مثنوی دلپذیر (۲) ایجاو رنگین (۳) دیوان ریختہ (۴) دیوان بیختہ (۵) دیوان نگینتہ (۶) دیوان آبینختہ (ان چار دیوانوں کے مجموعہ کا نام چار عنبر رنگین ہے) (۷) مثنوی نظہر العجایب (۸) مجالس رنگین (۹) فرس نامہ، تاریخ ادب اردو ص ۲۰۲-۲۰۳

۱۶- جماعت مجاہدین ص ۱۶۱

۱۷- حیات سید احمد شہید ص ۳۰۳

۱۸- مولانا رشید الدین خاں صاحب، شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگرد تھے اور اپنی ذکاوت و استعداد کامل کے پیش نظر رشید المتکلمین کے نام سے مشہور تھے۔ دہلی میں ولادت و نشأت ہوئی آپ نے شاہ عبدالعزیز کے علاوہ مفتی علی کبیر ناسی، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر سے بھی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے "الشوكة العمريّة" - الصولة الغضنفریة" ایضاً لطافة المقال، تفضیل الاصحاب اور اعانة الموحدين و

اھانۃ اہل الحدین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوئے

۱۹۔ حکایات اولیاء ص ۱۰۹۔ ۱۱۰

۲۰۔ آثار الصنادید ص ۲۷۲

۲۱۔ مولانا فضل حق خیر آبادی ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے اپنے والد کے علاوہ شیخ عبدالقادرؒ

بھی پڑھا۔ چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ چار ہزار کے قریب اشعار کہے بہت بڑے ادیب اور منطقی و فلسفی تھے امکان و امتناعِ نظیر کے سلسلہ میں حضرت امام محمد اسماعیل شہیدؒ سے آپ کا زبردست اختلاف تھا لیکن حضرت امام کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے انہوں نے رسالہ "یک روزی" آپ کے جواب میں ہی تحریر فرمایا تھا۔ آپ کی کتابوں میں سے "الجنس الفانی فی شرح الجواهر العالی"۔ الہدیۃ السعیدۃ فی الحکمۃ الطبیعۃ، المروض المجد فی حقیقتہ الوجود، حاشیہ لمخص الشفا، حاشیہ الافق المبین، حاشیہ شرح سلم، تحقیق العلم و المعلوم، تحقیق الاجسام، تحقیق الکی الطبعی، رسالہ فی التشکیک و فی الماہیات، تاریخ فتنۃ الہند اور حضرت امام صاحبؒ کی تردید میں کچھ رسائل وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ میں جزائر سیلان میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

۲۲۔ الحیاة بعد الماۃ ص ۱۲

۲۳۔ اتخاف النبلاء المتقین باجیاد آثار الفقہاء المحدثین ص ۱۷۷

۲۴۔ سید احمد شہید ص ۱۱۸

۲۵۔ جماعت مجاہدین ص ۱۲۲

۲۶۔ حکایات اولیاء

۲۷۔ یعنی مغلیہ خاندان کا آخری فرمانروا بہادر شاہ ثانی (۱۷۳۷ء تا ۱۷۵۷ء) وہ اردو کا

غزل گو شاعر تھا اور ظفر تخلص کرتا تھا۔ ۱۷۵۷ء کی جنگ آزادی میں حریت پسندوں نے اسے اپنا قائد بنا یا مگر شومی قسمت کہ تحریک ناکام رہی اور انگریزوں کو فتح ہوئی۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے شہزادوں کو گولی مار دی اور اسے معزول کر کے زنگن میں قید کر دیا۔ وہیں جلاوطنی کی حالت میں اس نے ۱۷۶۲ء میں ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

۲۸۔ شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث و ملوہیؒ موضع بلتھوا ضلع مولنگر (بہار)

۱۸۲۲ء بمطابق ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے ۱۶ سال کے بعد آپ نے تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور ۱۸۲۱ء میں وطن مالوت سے صادق پور روانہ ہو گئے اور وہاں کچھ درسی کتابیں پڑھیں پھر ۱۸۲۹ء میں دہلی تشریف لے گئے اور پنجابی کڑے کی مسجد اورنگ آبادی میں قیام فرمایا اور مولانا عبدالحق دہلوی، مولانا جلال الدین ہروی، مولانا محمد بخش، مولانا عبدالقادر رامپوری، اخوند شیر محمد قندھاری اور مولانا کرامت علی اسرائیلی سے تعلیم حاصل کی اور پھر حضرت شاہ محمد اسحق دہلوی سے حدیث کی سند حاصل کی اور ان کی ہجرت کے بعد آپ نے دہلی کی مسجد اورنگ آبادی میں مستقل دارالعلوم کی بنیاد ڈالی دی اور ساٹھ سال تک مسلسل تدریس کے فرائض سرانجام دیے اور شیخ الکل کا لقب حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ۱۳۸۰ھ میں انبالہ کے مشہور مقدمہ کی لپیٹ میں آپ بھی آگے تھے اور ایک سال تک راولپنڈی جیل میں سنت یوسفی ادا فرماتے رہے ۱۳۸۷ھ میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء مطابق ۲۱ محرم ۱۳۱۵ھ میں آپ کو شمس العلماء کا خطاب ملا۔ "معیار الحق" آپ کی عظیم الشان علمی یادگار ہے ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو دہلی میں آپ نے انتقال فرمایا۔ غفر اللہ!۔ ملاحظہ فرمائیے "الحیاء بعد المماتہ" تاریخ دہلی، ص ۹۲، تراجم علماء حدیث ہند، ص ۱۳۶-۱۵۵، طبع جدید۔

۲۹۔ الحیاء بعد المماتہ ص ۱۱۳

۳۰۔ حکایات اولیاء ص ۱۶۷

۳۱۔ یعنی سیدنا حضرت امام شاہ محمد اسماعیل شہید کے پیرومُرشداً، مجاہد کبیر امیر المؤمنین

حضرت سید احمد شہید بن حضرت سید محمد عرفان؟

۳۲۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھٹی حضرت شاہ ولی اللہ کے برادرِ اکبر حضرت شاہ

اہل اللہ کے پوتے تھے۔ حضرت سید صاحب نے تمام انتظامی امور آپ کو سونپ رکھے تھے حافظ قرآن بھی تھے قضا حوائج بشریہ کے سوا ہر وقت قرآن حکیم کی تلاوت میں رطب اللسان رہتے تھے سفرِ جنگِ شید میں علیل پڑ گئے تو سید صاحب نے گاؤں بھیج دیا جو کہ اوج اور بھانڈا کے درمیان تھا مرض شدت اختیار کرتا گیا اور وہ بالآخر اسی گاؤں میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ قاضی احمد اللہ میرٹھی نے تجہیز و تکفین کا سامان پیدا کیا، سید صاحب نے جنازہ پڑھایا اور حضرت امام صاحب سے

مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا "یوسف جی اس لشکرِ اسلام کے قطب تھے آج شکرِ قطب سے محروم ہو گیا" آپ بڑے قانع، زاہد، متواکل، مستقیم الحال اور مستقل مزاج تھے ملاحظہ فرمائیے ورمایا

الوزیر ج ۲ ص ۱۱۰-۱۹۲

۳۳ - حضرت مولانا عبدالحی بن ہبہ اللہ بن نور اللہ بڑھانہ ضلع مظفرنگر کے باشندے تھے آپ کی پھوپھی حضرت شاہ عبد العزیز رح کے نکاح میں تھیں اور ان کی ایک دختر نیک اختر آپ کے حوالہ عقد میں تھیں تہجد گزار و شب زندہ دار بزرگ تھے علم و فضل کے اعتبار سے آپ کا پایہ بہت بلند تھا خصوصاً فقہ حنفی میں تو آپ کو کھیل عبور حاصل تھا۔ ۲۳۷ھ میں حضرت امام شوکانیؒ بھی حج کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے اس موقع پر مولانا عبدالحی صاحب کو مولانا منصور الرحمن دہلویؒ کی معیت میں آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ امام شوکانیؒ نے ان دونوں کو اکٹھا کا ایک ایک نسخہ تحفۃ عنایت فرمایا۔ آپ کچھ عرصہ میرٹھ میں مفتی عدالت بھی رہے۔ سفر و حضر میں حضرت سید صاحبؒ کی وفات میں رہتے تھے آپ ۸ شعبان ۱۲۳۳ھ بمطابق ۲۴ فروری ۱۸۲۵ء کو باریزہ بوا سیر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ سید صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی یہ جلیل القدر عالم دین اور عظیم المرتبت مجاہد اسلام خیر (سوات) کے قریب جنوب مشرق میں ایک قبرستان میں موجود استراحت ہے۔ ملاحظہ فرمائیے وصایا الوزیر ج ۲ ص ۱۰۷-۱۰۸، ایجد العلوم ص ۹۱۵-۹۱۶ الیالغ الجنی ص ۷۶، سید احمد شہید ج ۱ ص ۱۱۶-۱۱۷، جماعت مجاہدین ص ۱۱۱-۱۱۸، تزلزل علماء حدیث ہند طبع دوم ص ۱۳۲-۱۳۴، فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۶، سوانح احمدی ص ۱۹-۱۹، آثار الضادید ص ۲۷۰

۳۴ - مخزن احمدی ص ۳۴-۳۵۔ اس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں ہے

۳۵ - حدیث جبرئیل میں ہے "ان تعبدوا اللہ کانفاک ترا لا فان لم تکن ترا لا

فانہ یراک" الحدیث رواہ مسلم۔ یعنی احسان یہ ہے کہ عبادت میں اس قدر حضور قلب اور نشوع و خضوع پیدا ہو جائے کہ عابد گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ استغراق و محویت کا وہ آخری مقام ہے جو کسی عابد کو عبادت میں حاصل ہو سکتا ہے اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم یہ خیال تو ضرور رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں اگر یہ تصور بھی پیش نظر رہے تو عابد خوفِ خداوندی ملحوظ

خاطر رکھے گا۔ اس کی حرکات و سکنات خشیتِ الہی کا منظر ہوں گی، افعال و احوال سے خوفِ خدا ٹپک رہا ہوگا۔ اور وہ لرزاں و ترساں کیفیت میں ایک مؤدب غلام کی طرح حاضری کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کھڑا ہوگا۔

۳۴۔ خداوند! مجھے معاف فرمادے، اور مجھ پر رحم کر، مجھے ہدایت دے، رزق عنایت فرما، میرے درجات بلند کر دے اور میرے نقصان کو پورا کر دے۔

۳۵۔ مخزنِ احمدی ص ۳۴ - ۳۵

۳۸۔ حنفی مکتبہ فکر کے مشہور بزرگ مولانا کرامت علی صاحب جونپوری حضرت سید احمد صاحبؒ کے خلفاء میں سے تھے مگر افسوس کہ بالا کوٹ میں حضرت سید صاحبؒ، حضرت امام محمد اسماعیلؒ اور دیگر رفقائے شہادت کے بعد انہوں نے نہ صرف تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی بلکہ شدت سے اس کی مخالفت بھی شروع کر دی چنانچہ مولانا مسعود عالم ندوی رقم طراز ہیں :-

”مجاہدین اور اتباعِ سید احمدؒ کے سب سے بڑے واقف کار مسٹر جیمس اوکنلی (JAMES OKINLEY) نے شہادت دی ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب برطانوی حکومت کے مؤید اور دبا بیوں کے یکے مخالف تھے (PERSISTENT OPPONANT OF WAHABIS)

یہ تصدیق نامہ راج محل (بہار) میں ۳۱ اکتوبر ۱۸۸۷ء کو دیا گیا جسے خود ان کے پوتوں نے فخریہ سکتہ ۱۹۱۴ء میں درج کر لیا تھا (وہ خوبصورت اور نظر فریب پمفلٹ راقم کی نظر سے گزر چکا ہے) اس میں ان کے صاحبزادے مشہور ادیب مولوی عبدالاول صاحب جونپوری اور حافظ احمد صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق ہے اس کے علاوہ راقم یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ عقائد و اعمال میں وہ سید صاحب کے اصحابِ خاص کی روش سے بالکل الگ تھے۔“

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۴۸ (حاشیہ)

اسی طرح پروفیسر محمد ایوب قادری نے بھی لکھا ہے :-

”آپ نے انگریزی حکومت کی موافقت میں جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا“

تذکرہ علماء ہند ص ۳۹۶

اس طرح حنفی مکتبہ فکر سے وابستہ دیگر اکثر و بیشتر بزرگوں کا بھی یہی حال تھا۔

۳۹۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ بڑے عالم و فاضل اور زاہد و عابد بزرگ تھے ۱۱۵۶ھ

میں بلالہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ابتداً اپنے علاقہ میں علم حاصل کیا اور پھر علمی تشنگی کی

مزید تسکین کے لیے سوٹے دہلی روانہ ہو گئے اور وہاں دو دان عالی دلی الہی کے چشمہ صافی سے

سیرابی حاصل کرنے کے لیے شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے صحیح بخاری

کا درس لیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں شیخ جانجاناں علوی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرصہ دراز

تک ان کے پاس اوراد و وظائف میں مشغول رہے اور جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے جانشین

بن گئے آپ کا معمول تھا کہ روزانہ دس ہزار مرتبہ نفی و اثبات کا وظیفہ کرتے، اسم ذات کے

وظیفہ، استغفار اور درود شریف کا تو شمار ہی نہ تھا اس کے علاوہ دس پارے یومیۃ ولادت قرآن

پاک کرتے۔ پانی سے روزہ افطار کرتے اور زمین سے ہی بستر کا کام لیتے قریباً پندرہ برس آپ

کا یہ معمول رہا ۲۲ صفر ۱۱۵۶ھ میں آپ اللہ کو پیارے ہو گئے اور دہلی میں مدفون ہیں نور اللہ مرقدہ

مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۱۵۳-۱۵۵ برکات

الاولیاء ص ۱۸۵، گلزار اولیاء ص ۴۷-۵۴، تذکرہ اولیائے ہند و پاکستان ص ۴۶-۴۷

انوار العارفین ص ۴۰-۴۸، ضمیمہ مقامات منطہری ص ۱-۳۸، رود کوثر ص ۶۴۳-۶۵۳

علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ج ۱ ص ۳۶۰، نزہۃ الخواطر ج ۲ ص ۳۵۶-۳۵۸، خزینۃ

الاصفیاء ج ۱ ص ۶۹۳، حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۰۸-۳۳۰، تاریخ اولیائے

دہلی ص ۱۳۰، تذکرہ علماء ہند اردو ص ۳۶۴، آثار الصنادید ص ۲۰۷-۲۱۲

۴۰۔ سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ج ۱ ص ۱۲۰-۱۲۵

۴۱۔ بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۱۸

www.KitaboSunnat.com

۴۲۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان

۴۳۔ منظومہ السعداء بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۲۰

۴۴- ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات ص ۱۹

۲۵- حضرت امام ابوسلیمان السنحی بن محمد افضل محدث دہلوی ۸ ذوالحجہ ۱۹۶۱ھ یا ۱۹۷۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ کافیہ "تک صرف و نحو مولانا عبدالرحمن صاحب سے پڑھی، فقر و حدیث اور دیگر دینی کتابیں شیخ عبدالقادر سے پڑھیں اور اس کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز سے سند فراغت حاصل کی۔ شاہ صاحب آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے اپنی تمام کتابیں بھی آپ کو عنایت فرمادی تھیں ان کی وفات کے بعد آپ ان کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے ۱۲۳۷ھ میں آپ کوچ و زیارت کی سعادت نصیب ہوئی اور آپ نے شیخ عمر بن عبدالکریم بن عبدالرسول کی المتوفی ۱۲۴۷ھ سے بھی سند حاصل کی اور ہندوستان تشریف لے آئے۔ سولہ سال تک دہلی میں تدریس میں مشغول رہے اور پھر ۱۲۵۸ھ میں اپنے بھائی شاہ محمد یعقوب اور دیگر اہل و عیال سمیت مکہ معظمہ ہجرت کر گئے وہاں شیخ شریف محمد بن ناصر حازمی نے آپ سے کسب فیض کیا۔ آپ کے تلامذہ میں محدث عبدالغنی بن ابی سعید دہلوی، شیخ الکل حضرت میان نذیر حسین محدث دہلوی، شیخ عبدالرحمان بن محمد یاقینی تھی، سید عالم مراد آبادی، مولانا عبدالقیوم بن عبدالرحمن بٹھانوی، شیخ قطب الدین دہلوی، شیخ احمد علی سہارنپوری، شیخ عبدالجلیل شہید کوٹلی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، شیخ احمد اللہ انامی، محمد اللہ اور دیگر بہت سے بڑے بڑے علماء کرام شامل ہیں حتیٰ کہ پاک و ہند میں آپ کی سند کے علاوہ اور کوئی سند باقی ہی نہیں و ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء حضرت شاہ عبدالعزیز دستار کی وجہ سے یہ آیت کریمہ بکثرت تلاوت کیا کرتے تھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِيْ عَلٰی الْكِبَرِ السَّمْعَیْلُ وَ اِسْمَاقَ" حضرت شیخ الکل میان سید نذیر حسین محدث دہلوی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آپ سے افضل کسی عالم کی صحبت میسر نہیں ہوئی آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

سے برائے رہبری قوم فساق دوبارہ آمد اسمعیل و اسحاق

آپ بروز سوموار ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں روزہ کی حالت میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور قبرستان معلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کے پاس مدفون ہیں مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۱۲، تاریخ دہلی ص ۱۰۶، حدائق

- المخفیہ ص ۴۷، الحیاء بعد الماتہ ص ۳۸، آثار الصنادید ص ۲۷۵، نزہتہ المخاطر ج ۷
ص ۵۱-۵۲، حکایات اولیاء ص ۱۱۴-۱۳۰، تراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۲۵-۱۲۹
۴۶-۴۷- حکایات اولیاء ص ۱۲۷
۴۷- نزہتہ المخاطر ج ۷ ص ۱۹۲-۱۹۳ نیز ملاحظہ فرمائیے "تجلی نور"
۴۸- نزہتہ المخاطر ج ۷ ص ۲۲۲
۴۹- ایضاً ص ۲۲۲-۲۲۴
۵۰- آثار الصنادید ص ۳۲۵
۵۱- تذکرۃ الشعراء ص ۹۲ طبع مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ
۵۲- مزید حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے :- نزہتہ المخاطر ج ۷ ص ۳۰۶-۳۰۷، آثار
الصنادید ص ۳۲۵-۳۳۱، ریاض الفردوس ص ۱۱۸، سخن الشعراء ص ۳۳۴، تذکرۃ الشعراء ص ۹۲
تذکرۃ اہل دہلی ص ۱۳۱-۱۳۸، تذکرۃ شیخ انجن ص ۳۱۸
۵۳- العلم الخفای من علم الاشتقاق ص ۱۶۰
۵۴- سلسلۃ العسجد نمبر ۵۲۵ ص ۱۰۶
۵۵- انہامہ رحیق " لاہور ج ۲ ش ۴ ص ۱۸۷ مجریہ نومبر ۱۹۵۷ء
۵۶- حضرت سید ابوالاحمد حسن بن علی حسینی بخاری قنوجی رحمۃ اللہ علیہ ^{۲۱۰} ۱۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے
اور ۱۲۵۳ھ میں وفات پائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز، رفیع الدین اور عبدالقادر رحمہم اللہ
سے آپ کو تلمذ حاصل تھا۔ اور حضرت امام صاحب اور مولانا عبدالحمی صاحب سے بے پناہ محبت
کرتے تھے حضرت سید صاحب سے بیعت تھی۔ ان کی معیت میں خراسان بھی گئے اور لسان۔ خیابان
بیان اور شمشیر و شان ہر طرح سے جہاد کیا پھر وطن واپس تشریف لے آئے اور تصنیف و تالیف
اور وعظ و تذکیر میں مصروف ہو گئے۔ جن لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے ہدایت
حاصل کی ان کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ آپ تقویٰ، عمل، تاثیر و غلط، قلت حرص، ایثار اور وجاہت
و ہیبت کے اعتبار سے اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے ساری زندگی اطاعتِ الہی میں بسر کی تھی
مقلد اور عامل بالکتاب والسنن تھے۔ آپ کا ارادہ تھا کہ ہندوستان سے ترک سکونت کر کے حرمین

شرفین کی طرف ہجرت کر جائیں مگر اللہ کو یہ منظور نہ تھا اور عین عالم شباب میں دارِ آخرت کی طرف ہجرت کر گئے حدیث و تفسیر کی کتابوں کے علاوہ اور کوئی چیز ترکہ میں نہ بھجڑی ان میں سے بھی زیادہ تر آپ کے دست مبارک سے لکھی ہوئی تھیں آپ کی تصنیفات نہایت نفع بخش اور زیادہ تر اردو میں اور نظم و نثر دونوں میں کچھ کتابیں عربی و فارسی میں بھی ہیں۔ وفات کے بعد آپ کی قبر پر نور دکھائی دیتا رہا آپ کے احباب میں سے کسی نے "باتِ بخیر سے تاریخ وفات نکالی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجعل الجنة مثواه ومنزلہ"۔ حضرت نواب صاحب آپ کے صاحبزادہ گرامی ہیں، التاج الملک ص ۲۹۴ نیز اجماع العلوم اور حضرت نواب صاحب کی کئی دیگر تصنیفات میں بھی آپ کے حالات مرقوم ہیں۔

۵۷۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۳۱۴ - ۳۱۷

۵۸۔ ایضاً ص ۲۱۳

۵۹۔ ایضاً ص ۲۸۶

۶۰۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۵۲۲ - ۵۲۳

۶۱۔ تذکرہ صادقہ ص ۱۴۹ - ۱۵۰ مطبوعہ دی آزاد پریس ٹینہ ۱۹۶۴ء

۶۲۔ تذکرہ صادقہ ص ۱۵۴

۶۳۔ مولانا ولایت علی صاحب کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے تذکرہ صادقہ

ص ۱۴۸ - ۱۸۴ طبع سوم، نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۵۲۲ - ۵۲۵، سرگزشتِ مجاہدین ۲۲۵

۲۸۱ ہندوستان میں دہلی تحریک ص ۱۳۳ - ۱۷۵

۶۴۔ الحیاة بعد المات ص ۴۰ مطبوعہ ۱۹۵۹ء کراچی

۶۵۔ آثار الصادقہ ص ۲۹۱

۶۶۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۳۹۶

۶۷۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۹۳ - ۲۱۳، نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۱۹

۶۸۔ مولانا خرم علی ضلع کانپور کے ایک گاؤں بلہور میں پیدا ہوئے۔ درسی کتب پڑھنے کے بعد آپ

سید صاحب سے بیعت ہوئے اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے پھر بانڈا میں نواب نعمان

خان کے پاس چلے گئے اور ترجمہ و تصنیف کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الدر المختار" کا اردو میں "غایۃ الادوار" کے نام سے ترجمہ شروع کیا۔ ابھی باب الاذان تک ہی پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا، اس کے علاوہ آپ نے "مشارق الانوار" کا ترجمہ شرح اور "القول الجلیل" کا ترجمہ "شفا علیہ العلیل" کے نام سے کیا۔ علاوہ ازیں نصیحتہ المسلمین، اور قرأت فاتحہ خلت الامام، آپ کے رسائل ہیں۔ ۱۲۷۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی، نزہتہ النخاطر ص ۱۵۸-۱۵۹، تراجم علماء حدیث ہند ص ۳۹۳-۳۹۶، تذکرہ علماء ہند ص ۵۶، حیات سید احمد شہید ص ۲۹۷، جماعت مجاہدین ص ۲۹۴

۶۹- نزہتہ النخاطر ج ۷ ص ۱۲۰، تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۸۱-۲۸۲

۷۰- مفتی الہی بخش کاندھلوی کی ولادت ۱۱۶۲ھ میں کاندھلہ میں ہوئی، آپ کا سلسلہ نسب امام رازیؒ کے واسطے سے حضرت صدیق اکبرؓ تک جا پہنچتا ہے، آپ نے اپنے نانا شیخ محمد مدرس کاندھلویؒ کی گود میں تربیت حاصل کی۔ کتابت، حساب اور چند چھوٹے چھوٹے رسائل اپنے والد صاحب سے پڑھے پھر دہلی چلے گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے تعلیم حاصل کی۔ ایک مدت تک ان کے پاس رہے اور ان سے بیعت بھی ہوئے، طب کی تعلیم اپنے والد صاحب اور دادا جان سے حاصل کی اور پھر نواب ضابطہ خاں کے پاس منصب افتاء پر فائز ہوئے، ان کی وفات پر بھرپال تشریف لے گئے اور وہاں بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے کچھ مدت بعد اپنے شہر واپس آئے اور بھائی الحاج کمال الدین کاندھلویؒ سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور اذکار و اشغال میں مشغول ہوئے، پھر حضرت سید صاحب سے طریقہ نقشبندیہ کو حاصل کیا اور المصنفا الاحمدیہ تصنیف فرمائی جس میں اسی طریقہ کے اذکار و اشغال کے ساتھ ساتھ سید صاحب کے مدارج کو بھی قلمبند کیا، اس کے علاوہ آپ "جوامع الکلم"، "شیم الجیب فی ذکر خصائل الجیب" شرح حضرت نجس تکلمہ شنبوی معنوی اور کئی دیگر کتابوں کے مصنف ہیں، بروز اتوار مورخہ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۵ھ کو اللہ کو پیارے ہوئے، نزہتہ النخاطر ج ۷ ص ۷۰

۷۱- حکایات اولیاء ص ۶۸

۷۲- جماعت مجاہدین ۲۷۹

۷۲۔ مولوی محبوب علی بن مصاحب علی دہلوی محرم ۱۲۸۷ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے حضرت شاہ عبدالقادر سے علم پڑھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے سند اجازت حاصل کی انہوں نے سید صاحب سے بیعت بھی کی تھی اور آپ کی مدد کے لیے اپنے رفقاء سمیت یاغستان کی طرف جا رہے تھے کہ شیطان نے دوسوں میں مبتلا کر دیا اور وہیں آگے۔ اسی کا تذکرہ متن میں کیا جا رہا ہے۔

۱۰ ذوالحجہ ۱۲۸۷ھ کو دہلی میں فوت ہوئے۔ ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیے زبنتہ الخوا طرح ۷ ص ۶۹

۶۷، آثارالصنادید ص ۲۷۸، واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۲

۷۴۔ بالاکوٹ میں حضرت سید احمد اور حضرت امام صاحب کی شہادت کے بعد ہر ایک کی نگاہ بار بار جس پر پڑتی تھی وہ شیخ ولی محمد بھلپتی ہی تھے کیونکہ سید صاحب کے رفقاء خاص میں سے جو لوگ زندہ رہ گئے تھے ان میں سے شیخ صاحب ہی افضل تھے۔ لیکن ان کی حالت یہ تھی جیسے کوئی دیوانہ یا جو اس باختہ ہو۔ سید صاحب کے غم میں ہوش بجانہ تھے اکابرین، مجاہدین میں سے تین بزرگ ایسے تھے جو جنگ بالاکوٹ میں شریک نہ تھے ایک شیخ حسن علی، دوسرے مولوی محمد قاسم پانی پتی تیسرے مولوی نصیر الدین منگلوری۔ بالاکوٹ کے ساخا اور سید صاحب کے فراق کا غم انہیں بھی سب کے برابر تھا لیکن ان پر جو اس باختگی کی وہ کیفیت طاری نہ تھی جس سے دوسرے مجاہدین مری طرح متاثر تھے انہوں نے شیخ ولی محمد کو سمجھایا کہ جماعتی نظام سے بے پروائی اور بے تعلقی کا اظہار سراسر خلاف مصلحت ہے چنانچہ شیخ صاحب نے ان تینوں مشیروں اور جماعت کی بہت بڑی اکثریت کے اصرار پر امیر بنا قبول کر لیا اور سرکردہ اصحاب کے مشورہ اور اتفاق سے باقاعدہ بیعت کا انتظام کیا گیا۔ تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے سرگزشت مجاہدین ص ۲۱ - ۱۲۸

۷۵۔ آپ کے ابتدائی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ آپ کا نام پہلے پہل اس فوج کے سلسلے میں مذکور ہے جو حضرت امام صاحب کی سرکردگی میں کھلی (ہزارہ) بھیجی گئی تھی ڈمک پرتشخون میں یہ میاں محمد تقیم کے نائب و مشیر تھے انہیں کے ایما پر غازی سکھ لشکر گاہ سے باہر آئے تھے اور مولوی صاحب خود ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اس وقت تک سکھوں کا مقابلہ کرتے رہے جب تک فازیوں کا بڑا حصہ باہر نکل کر محفوظ مقام پر نہ پہنچ گیا۔ مولوی صاحب علم و فضل، جنگ تدبیر اور سیاست و ملک داری میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے علم دینی میں بھی ان کا رتبہ بہت

اونچا پختار اولوں نے لکھا ہے کہ بہت متعین دور اندیش اور حلیم تھے ملاحظہ فرمائیے جماعت مجاہدین

ص ۱۵۵-۱۶۰

۴۶۔ پائندہ خان ننولی ریاست امب کا دالی تھا جنگ امب میں اسے مجاہدین کے ہاتھوں شکست ہوئی اور یہ بھاگ گیا شیخ ولی محمد کے دور امارت میں اس نے پیغام بھیجا کہ میں سید بادشاہ کے وقت میں شامتِ نفس کے باعث خدمت گزاری کی سعادت سے محروم رہا اب آپ لوگ پختار سے اٹھ کر امب چلے آئیں شاید آپ کی خدمت گزاری کی برکت سے اللہ تعالیٰ میری سابقہ خطا میں معاف کر دے لیکن درحقیقت بات یہ تھی کہ پائندہ خان کی ہمیشہ عبدالغفور خاں رئیس اگرور سے منسوب تھی پھر دونوں کے حالات اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ شادی توقت میں پڑ گئی جنگ امب میں شکست کھانے کے بعد جب یہ فرار ہو گیا تو حضرت امام صاحب نے عبدالغفور خاں رئیس اگرور کے بھائی کمال خاں سے کہہ دیا کہ پائندہ خان کے متعلقین اور اس کا بھلا سوان اس کے پاس پہنچا دیا جائے اس حکم کی تعمیل ہوئی اور خان اگرور نے موقع سے فائدہ اٹھا کر منسوب سے بطور خود شادی کر لی اس وجہ سے پائندہ خان اور خوانین اگرور کے درمیان مستقل عداوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ مجاہدین کو جسی کوٹ میں بٹھانے اور اگرور ان کے حوالے کر دینے کی غرض یہی تھی کہ خوانین اگرور کو اپنے علاقے میں استقلال کا موقع نہ ملے گویا اس نے مجاہدین کو آڑ کا بنا کر خان اگرور کو اس علاقے سے نکلوا دیا۔ آخر کار جب اس کی آرزو پوری ہو گئی، خوانین اگرور بھی کسی نہ کسی طرح اپنے انجام کو پہنچ گئے تو پائندہ خان نے پھر عمدہ شکنی کر دی اور ۱۸۴۱ء کو سکھوں سے لڑتا ہوا مارا گیا سرگزشت مجاہدین ص ۶۰-۱۱۸ سید احمد شہید ص ۵۲۸-۵۴۲، حیات سید احمد شہید ص ۲۴۹-۲۵۲

۴۷۔ سید احمد علی کی جنگ پھولڑہ میں ہی شہادت ہوئی جب آپ کا سنگ چھتاق خراب ہو گیا اور بندوق سے کام لینے کی کوئی صورت نہ رہی تو خالی بندوق ہاتھ میں لے کر لٹھیا کے طور پر استعمال کرنے لگے۔ اس طرح بھی کئی دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر نیزیوں، تلواروں اور گولیوں کے زخموں سے چور ہو کر گر گئے، اگرتے ہی روح اعلیٰ علیین میں پہنچ گئی۔

(سید احمد شہید ص ۵۷۰)

۴۸۔ جماعت مجاہدین ص ۲۴۹-۲۸۰

۱۔ آثار الصنادید ص ۲۷۳-۲۷۴ مطبوعہ پاکستان ہٹار کالج سوسائٹی کراچی ۱۹۶۶ء
۲۔ یعنی وہ تبرکات جو کہ محمد شاہ کے دور میں قلعہ سے جامع مسجد میں منتقل کر دیئے گئے تھے لوگوں کے کہنے کے مطابق ان میں سے ٹوٹے مبارک، جبہ شریف، نعلین شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے ایک پارہ کلام مجید حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا تھا نیز ان کا پنجہ بھی تھا امام حسنؑ کا لکھا ہوا قرآن مجید اور امام حسینؑ کا ایک پارہ تھا۔ ان کے علاوہ کچھ اشیا اور بھی تھیں لیکن ان تبرکات کی صحیحیت کے متعلق کوئی صحیح تاریخی شہادت نہیں تھی۔

۳۔ سورہ توبہ آیت ۵۱

۴۔ حیاتِ طیبہ ص ۸۴-۹۰، حکایاتِ اولیاء ص ۴۰-۴۲

۵۔ حیاتِ سید احمد شہید ص ۱۴۳

۶۔ ارواحِ شامہ ص ۸۵-۸۷ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۶ء

۷۔ جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی چیز ایجاد کر دی جو درحقیقت اس میں

نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

۸۔ ارواحِ شامہ ص ۱۰۱-۱۰۳

۹۔ " " " " ۱۰۳-۱۰۴

۱۰۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۳۱

۱۱۔ حیاتِ طیبہ ص ۱۳۲

۱۲۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۱۱

۱۳۔ مرزا حسن علی کو ولادت و نشأت لکھنؤ میں ہوئی ابتدا میں آپ حنفی تھے پھر شافعی ہو گئے مولانا حیدر علی بن حمد ندویؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ محسن بن یحییٰ ترمذی نے "الیانحی" میں لکھا ہے کہ آپ کو حدیث میں تبحر حاصل تھا اور دیگر علوم میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے آپ کی تصنیفات میں سے "تحفۃ المشاق فی النکاح

والصدق " برہان الخلفاء " اور حرمت نجوم و رمل و جعفر " مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے رسائل اور فتاویٰ فقہیہ ہیں۔ ہفتہ کے دن ۲۶ رجب المرجب ۱۲۵۵ھ کو فوت ہوئے۔

۱۴۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۱۱

۱۵۔ مولانا امام بخش عمری دہلوی بہت بڑے عالم و فاضل اور شاعر تھے مہبائی متخلص کرتے تھے لغت، بیان، بدیع اور لغز میں خصوصی مہارت رکھتے تھے مولانا عبداللہ طلوی اور دیگر علمائے علم حاصل کیا۔ دہلی کالج میں عرصہ تک تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے سحر البلاغ دیوان فارسی، اشارے کے بارے میں چند رسائل اور فارسی کی چند درسی کتابوں کی شروع آپ کی علمی یادگار ہیں ۱۲۴۳ھ میں گھر میں تقویٰ پائے گئے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۷۳، آثار الصادید ص

۳۳۱ - ۳۳۰

۱۶۔ اکبر شاہ ثانی (۱۸۰۶ تا ۱۸۳۷) شاہ عالم ثانی (ف ۱۸۰۶) کا لڑکا اور بہادر شاہ ظفر کا باپ تھا۔ اس کی بادشاہت محض شانہ القاب تک محدود تھی اور اس نے اپنی زندگی محل کے گوشہ رعایت میں برطانوی کمپنی کے وظیفہ خوار کی حیثیت سے گزاری۔

۱۷۔ سید محمد سحیح صاحب نے علم و شیخت کی گود میں آنکھ کھولی ابتدا میں تحصیل علم کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے پھر دہلی چلے گئے اور شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالعزیز سے حدیث و تفسیر کی کتابیں پڑھیں اور ان علوم میں درجہ کمال حاصل کر لیا خصوصاً تفسیر کے ساتھ تو آپ کو بہت زیادہ شغف تھا۔ آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بھی بہت شوق تھا صرف فن تفسیر کی دو سو کتابیں آپ کے پاس تھیں عربی و فارسی میں شعر بھی کہتے تھے دو شعر کا ایک قصیدہ علم میراث میں لکھا اور اس کی شرح بھی کی۔ لغوی مسائل بھی نظم کیے اور ایک فارسی قصیدہ میں اہل بدر کے اسمائے گرامی جمع کر دیئے آپ ۶ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۳ھ (۲ اپریل ۱۸۱۹ء) کو رائے بریلی میں فوت ہوئے اور وہیں اپنے نانا سید ابوسعید صاحب کے پہلو میں دفن ہوئے۔ نزہۃ الخواطر ج ۷

ص ۵۲-۵۳، سید احمد شہید ص ۷۷

۱۸۔ سید احمد شہید ص ۱۲۷

۱۹- حیات سید احمد شہید ص ۳۰۵

۲۰- جلال الدین محمد اکبر عمر کوٹ (سندھ) میں ۲۳ نومبر ۱۵۴۲ء (۱۴ شعبان ۹۴۹ھ کو پیدا ہوا۔ وہ ہمایوں کا پہلا فرزند تھا۔ ہمایوں کی وفات پر ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء میں تخت پر بیٹھا دیا گیا اور اس کا اتالیقی بیرم خاں نائب السلطنت مقرر ہوا۔ ۵ نومبر ۱۵۵۶ء میں اکبر نے پانی پت کے تاریخی میدان میں جرنیل ہمیو بقال کو شکست دی۔ ۱۵۸۱ء میں اس نے اپنے نام نہاد "دی الہی" کو سرکاری مذہب قرار دے دیا۔ اکتوبر ۱۶۰۵ء میں بعارضہ ہیچس آگرہ میں وفات پائی اور وہاں سے تین میل کے فاصلہ پر سکندرہ میں دفن کیا گیا جہاں اس نے اپنے مقبرہ کی تعمیر کا کام شروع کرا رکھا تھا۔

۲۱- بیرم خاں بدخشاں کارہنے والا تھا۔ تمام عہد ہمایوں کا نہایت وفادار ساتھی رہا۔ جنگ قنوج میں شہ شہ شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا مگر بعد میں بچ نکلا اور ہمایوں کی صحرانوردی میں شریک رہا ہمایوں کے قیام ایران اور تخت کی بازیابی میں یہ ہمیشہ اس کا دست و بازو رہا۔ خدمات اور فخریوں کی بدولت ہمایوں کی طرف سے اسے خان خانان کا خطاب ملا اور اکبر کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ اکبر کی تاج پوشی کے بعد بیرم خاں نے نائب السلطنت کے فرائض سنبھالے اور چار سال تک اس قدر گراں خدمات سر انجام دی کہ سلطنتِ مغلیہ کو استحکام نصیب ہو گیا۔

۲۲- نور الدین محمد جہانگیر اکبر کا لڑکا تھا۔ ۳۰ اگست ۱۵۶۹ء کو پیدا ہوا۔ اکبر نے وفات سے کچھ پہلے اس کے سر پر شاہی ٹیڑھی رکھنے اور اس کی کمر میں ہمایوں کی تلوار لٹکا دینے کا اشارہ کیا؛ چنانچہ ۱۶۰۵ء میں جہانگیر تختِ شاہی پر بیٹھا ۱۶۱۱ء میں مرزا فیاض بیگ کی لڑکی مہر النساء سے شادی کی جو بعد میں نور جہاں کے نام سے مشہور ہوئی جہانگیر نہایت زریک ذہین، وسیع قلب اور انصاف پسند تھا، علماء، فضلاء، شعراء اور فن کاروں کا قدر دان تھا خود بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا لیکن اچھا جرنیل ہونے کے باوجود اپنی قوتِ ارادی کا اس میں نقصان تھا۔ اور اس کی دوسری بڑی کمزوری کثرتِ شراب نوشی تھی ۲۸ اکتوبر ۱۶۲۷ء کو جہانگیر نے راجوری کے مقام پر بعارضہ دمہ وفات پائی اس کی نعش کو لاہور لایا گیا اور شاہدرہ کے قریب دل کش باغ میں دفن کر دیا گیا۔

۲۳۔ بہادر شاہ اول کا اصلی نام محمد معظم تھا وہ ۱۶۲۳ء میں پیدا ہوا اور اوزنگ زیب کا دوسرا لڑکا تھا اوزنگ زیب نے اسے شاہ عالم کا خطاب دیا تھا۔ عہدِ عالمگیری میں ۱۲ سال تک دکن کا صوبے دار رہا۔ ۱۶۸۷ء میں گولکنڈہ کی مہم کے دوران قطب شاہ سے ساز باز کے الزام میں گرفتار ہوا اور سات سال تک قید میں رہا۔ ۱۶۹۹ء میں اوزنگ زیب کی وفات تک کابل کا صوبیدار رہا ان کی وفات کے بعد بہادر شاہ کا لقب اختیار کیا، اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور دہلی و آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس نے پانچ سال کی حکومت کے بعد ۱۷۱۲ء میں وفات پائی۔

۲۴۔ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۷۳ از مولانا ذکاء اللہ دہلوی مطبوعہ شمس المطابع دہلی

۱۸۹۸ء۔

۲۵۔ قمر الدین حسینی سونی تپی دہلوی نے خود امام عبدالعزیز سے شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین کی شراکت میں علم پڑھا اور مدت دراز تک ان کے پاس رہے۔ ان کا شمار جلیل القدر شعراء میں ہوتا تھا۔ جب یہ لکھنؤ گئے تو وہاں شیعہ کے جال میں پھنس گئے اور مذہبِ شیعہ اختیار کر لیا پھر جب حیدرآباد گئے تو چند و لعل کی طرف سے انہیں بڑی جاگیریں اور انعام ملے ان کا دیوان اردو و فارسی کے ڈیڑھ لاکھ اشعار پر مشتمل ہے۔ انچاس برس کی عمر میں ۱۲۰۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ نزہتہ الخوا طرح ۷ ص ۳۹۰، تاریخ ادب اردو ص ۲۵۴ - ۲۵۵ مصنفہ رام بابو صاحب سکینہ ترجمہ مرزا محمد عسکری مطبوعہ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور۔

۲۶۔ مولوی ولد ار علی نصیر آبادی پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں اجتہاد کا دعویٰ کیا انہوں نے ہی پہلی دفعہ شیعہ جماعت کی مذہبی تنظیم کی اور نماز جمعہ و نماز باجماعت کا سلسلہ شروع کیا ان کی ولادت نصیر آباد میں ۱۷۵۳ء میں ہوئی ہندوستان میں علوم عقلیہ کی تحصیل کے بعد عراق چلے گئے اور کربلا و نجف کے اساتذہ سے فقہ و حدیث اور اصول کی تعلیم حاصل کی پھر مشہد بھی گئے اور وہاں ہی پر لکھنؤ میں تصنیف و تالیف اور تنظیم شیعہ میں مصروف ہو گئے۔ ۱۸۲۰ء میں فوت ہوئے اور لکھنؤ میں مدفون ہیں۔

۲۷۔ مرزا محمد کمال بن عنایت احمد خاں کشمیری مقیم دہلی حاذق طبیب تھے شیعہ و سنی

مسائل میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ان عنوانات پر بحث کرتے رہتے تھے جب آپ کی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" چھپ کر آئی تو انہوں نے اس کے جواب میں نزہت اثنا عشریہ لکھی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کتب لکھیں۔ ۱۸۲۰ء میں فوت ہوئے اور دہلی میں دفن کیے گئے۔

۲۸۔ مفتی محمد قلی کنستوری مشہور شیعہ علماء میں سے ہیں ۱۱۸۸ھ میں پیدا ہوئے۔ اساتذہ لکھنؤ سے علم کی تحصیل کی اور پھر مولوی دلدار سے فقہ و اصول اور حدیث کی تعلیم حاصل کی یہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان پانچ کتابوں کے علاوہ جن کا ذکر متن میں کیا گیا ہے انہوں نے شیخ رشید الدین کی ایک کتاب — جو کہ انہوں نے "سیف ناصری" کی تردید میں لکھی — کا جواب "الاجوبۃ الفاخرہ" کے نام سے لکھا "صراط مستقیم" کے جواب میں "الفتوحات المجدریہ" لکھی، شیخ رشید الدین کی کتاب "الشکوۃ العمریہ" کے رد میں "الشعلۃ النظریۃ" نامی کتاب لکھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے "نفاق الشیخین بحکم احادیث الصحیحین" — "تطہیر المؤمنین عن نجاستہ المشرکین" تقریب الافہام فی تفسیر آیات الاحکام" اور بہت سے دیگر رسائل لکھے، ۱۰ محرم الحرام ۱۲۶۰ھ کو فوت ہوئے نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۶۰ — ۴۶۱

۲۹۔ مولوی محمد بن دلدار علی ۱۱۹۹ھ میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ زیادہ تر علم اپنے والد سے پڑھا انیس سال کی عمر میں مسند تدریس پر بیٹھے علم کلام اور اصول میں بڑی مہارت رکھتے تھے شاہان اودھ بالخصوص امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے انہوں نے "تحفہ" کی تردید میں دو سالے لکھے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب اور رسائل لکھے ۱۲۸۴ھ (۲۴ جولائی ۱۸۶۷ء) کو فوت ہوئے اور اپنے خاندانی قبرستان میں

مدفون ہیں۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۴۱۵ — ۴۱۶، رود کوثر ص ۶۳۴ — ۶۳۵

۳۰۔ ماخوذ از رود کوثر ص ۵۹۲ — ۵۹۳

۳۱۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۰۹ — ۱۱۰

باب (۲)

۱۔ پرتگیزی یعنی اہل پرتگال یورپین اقوام میں سے سب سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں آئے

داسکوڑے کا مانے کالی کٹ کے راجہ زمرن کے دربار میں حاضر ہو کر مراعات حاصل کرتی تھیں ابتداء میں پرتگیزیوں کو ایران اور عرب کے تاجروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا لیکن آہستہ آہستہ یہ تمام حرفیوں پر غالب آگئے اور تہ صغیر کی بحری تجارت پر مکمل طور پر ان کا کنٹرول ہو گیا۔ انہوں نے راجہ زمرن کو بھی شکست دی اور تھوڑے ہی عرصہ میں گوا، دمن، کوچین، کالی کٹ اور سنگلی وغیرہ بہت سے مقامات پر تجارتی مراکز قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور بہت سے دیگر مقامات پر انہوں نے اپنے قلعے بھی تعمیر کیے ان کا بحری بیڑا بہت مضبوط اور جدید اسلحہ سے لیس تھا اس لیے انہوں نے مسلمان تاجروں کو بحری لڑائیوں میں شکست دی۔

۲۔ تفسیر عزیزی بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۷۸

۳۔ سید زین العابدین حضرت سید احمد صاحب کے خواہر زادہ تھے آپ انتہائی عابد و زاہد بزرگ تھے فواب وزیر الدولہ والٹمی ٹرنک کے پاس مدت تک قیام پذیر رہے وہ آپ کا بہت احترام کرتے تھے آپ ان کی نیابت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ۶۱ سال کی عمر میں ۲۳ رجب ۱۲۸۱ھ کو انتقال فرمایا سیرت علمیہ، نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۰

۴۔ وقائع بحوالہ سید احمد شہید ص ۱۸۰

۵۔ ابراہیم فتح علی ٹیپو سلطان بن حیدر علی خان ۱۷۵۷ء میں دیوان ہٹی کے مقام پر پیدا ہوئے انہوں نے اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد یہ قرار دیا کہ وطن کو انگریزوں کی غلامی سے نجات دلا دیں ۱۷۹۹ء میں سلطان اور انگریزوں کے درمیان میسور کی تیسری جنگ ہوئی جس میں انہوں نے غاریوں اور غیروں کے عدم تعاون کے سبب سلطان کو فتح نہ ہو سکی مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور کمال مستعدی اور لیاقت سے ملک کو ہر نحو شمالی سے بھنکار کر دیا مگر ۱۷۹۹ء میں میسور کی چوتھی جنگ میں سالاروں کی فداوں کی وجہ سے نہ صرف شکست ہوئی بلکہ داؤد شجاعیت دیتے ہوئے سلطان نے شہادت پائی۔ ٹیپو سلطان ایک جانا بوجہ، شیر دل سپہ سالار، عظیم تدبیر، ناظم مملکت، اور وطن کا عظیم سپوت اور نکتہ اسلام کا نامور مجاہد تھا۔ آپ کی شہادت کی خبر سنتے ہی جنرل ہارس نے کہا تھا "آج ہندوستان ہار رہا ہے" آپ کا یہ ارشاد تاقیامت غازیانِ راہِ حریت کے لیے مشعلِ راہ رہے گا کہ "شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔"

۶۔ مولانا جیہ الدین سہارنپوریؒ مشہور حنفی عالم ہیں۔ آپ مولانا عبدالحی صاحبؒ کے شاگرد تھے سند فراغت بھی انہی سے حاصل کی مدت تک سہارنپور میں درس و تدریس میں مشغول رہے مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ کے آپ تایا اور استاد تھے انہوں نے صحیح بخاریؒ کا درس آپ سے لیا تھا۔ آپ ابتداً حضرت امام صاحبؒ کے مخالف تھے حتیٰ کہ تقویت الایمانؒ کا رد بھی لکھا لیکن بعد میں مخالفت سے تائب ہو گئے اور انہی کتاب دہلی میں جا کر حضرت امام صاحبؒ کے سامنے چھاڑ ڈالی اور اس روز سے حضرت امام صاحبؒ کے عاشق زار بن گئے۔

۷۔ یہ بات درست نہیں کیوں کہ حضرت سید صاحبؒ "دریا لقی" نامی جہاز پر سوار جماعت کی قیادت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور حضرت امام صاحبؒ "فیض ربانی" جہاز کے امیر تھے اور پھر خود اس حکایت کے ابتدا میں بھی صراحت ہے کہ آپ سید صاحبؒ کے جہاز میں سوار نہیں ہوئے بلکہ دوسرے جہاز میں سوار ہوئے تھے۔

۸۔ حکایات اولیاء ص ۸۸-۹۰

۹۔ حیات سید احمد شہید ص ۱۵۵

باب (۵)

۱۔ سورہ توبہ آیت ۱۱۱

۲۔ الصف آیت ۱۰-۱۱

۳۔ التوبہ آیت ۱۹-۲۰

۴۔ الصف آیت ۲

۵۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ عن ابی ہریرہؓ

۶۔ " " " " " "

۷۔ " " " " " "

۸۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۶

۹۔ سورہ توبہ آیت ۲۴

۹۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۹۰

۱۱۔ " " " " " " ۸۹

۱۲۔ ہندوستان میں دہلی تحریک ص ۲۹ مصنفہ ڈاکٹر قیام الدین مترجمہ پروفیسر محمد مسلم
عظیم آبادی مطبوعہ کراچی

۱۳۔ سید احمد شہید ص ۲۳۶-۲۳۷

۱۴۔ مولانا محمد جعفر ولد میاں جیونؒ تھانویہ مسلخ انبالہ کے باشندے تھے تقریباً ۱۸۳۲ء
میں ولادت ہوئی دس بارہ برس کے تھے کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گئے مردوجہ تعلیم کے حصول
کے بعد ۱۸۵۶ء میں متحالی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کر دی مولانا عنایت علیؒ کی ہجرت
سرحد کے بعد جب جماعتی نظام ۱۸۴۹ء میں مولانا یحییٰ علیؒ کے سپرد ہوا تو مولانا تھانویہ سرحدی نے
بھی ان کے زیر ہدایت اپنے فرائض انجام دیئے اور یہ تولیقینی امر ہے کہ ۱۸۵۶ء سے قبل آپ
ذمہ دارانہ طور پر تحریک میں شامل ہو گئے تھے ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء میں مجاہدین کے ساتھ تعادان کے پیش
نظر خانہ تلاشی ہوئی اور مقدمہ چلایا گیا ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو مقدمہ کا فیصلہ سنایا گیا کہ تمام منقولہ و
غیر منقولہ جائیداد ضبط ہے اور پچاسی کی سزا ہے ستمبر ۱۸۶۴ء سے فروری ۱۸۶۶ء تک آپ انبالہ
جیل میں رہے ۲۲ فروری ۱۸۶۵ء کو لاہور جیل سے روانہ ہوئے آخر اکتوبر ۱۸۶۵ء کو انڈیمان ڈاچی
ہوئی اور بمبئی سے ہوتے ہوئے ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو انڈیمان پہنچ گئے ۹ نومبر ۱۸۸۳ء کو ۱۷ سال
۱۰ ماہ کے بعد انڈمان سے ایک بیوی، اٹھ بچے اور اٹھ ہزار روپیہ نقد لے کر ہندوستان آئے
اور ۱۳ نومبر ۱۸۸۳ء کو کلکتہ پہنچ گئے اور پھر انبالہ میں سکونت اختیار کر لی بالآخر وہیں ۱۹۰۵ء میں
اس مرد مجاہد کا انتقال ہو گیا "سوانح احمدی" (حیات سید احمد شہید۔ نئے ایڈیشن کا نام) اور "کالا
پانی" (تواریخ عجیب) آپ کی تصنیفات ہیں "مکتوبات سید احمد شہید" بھی آپ کے ترتیب
دیئے ہوئے ہیں مفصل حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیے "کالا پانی عرت تواریخ عجیب" سرگزشت
مجاہدین، ہندوستان میں دہلی تحریک، "آر انڈین مسلمانس" سلیکشن فرام بنگال گورنمنٹ ریکارڈس
آن دہلی ٹرانس، سلیم التواریخ از صوفی اکبر علی (جائزہ ۱۹۱۹ء)

۱۶- حیات سید احمد شہید ص ۱۲۵

۱۷- تواریخ عجمیہ ص ۵۷

۱۸- مکاتیب شاہ اسماعیل ص ۵۷

۱۹- روشنیہ فرقہ کا بانی میاں بایزید انصاری المعروف پیر روشن یا پیر روحاں ۱۵۲۵ء

میں جالندھر میں پیدا ہوا ان کے والد عبد اللہ عالم و قاضی تھے۔ بایزید نے قرآن مجید اپنے والد کے ایک خلیفہ سے پڑھا اور عمدۃ الاسلام اور منیر وغیرہ فقہ کی کتابیں بھی پڑھیں اور اپنے والد سے "قدوری" اور "لباب الاخبار" کو پڑھا۔ مرشد کامل کی جستجو میں لگے رہے حتیٰ کہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ اپنے چچا زاد بھائی خواجہ اسماعیل انصاری کے مرید ہو جائیں مگر والد نے مخالفت کی اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کے خاندان سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا جسے انہوں نے تسلیم نہ کیا بالآخر خود ہی بڑی ریاضتیں اور عبادتیں شروع کر دیں اور مستحبتہ ان عقائد اور خیالات کا اظہار کیا جنہیں دہلی کے علماء و رؤسائے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو پیر روشن کابل سے پشاور چلے گئے وہاں کا حاکم بھی ان کا مخالف ہو گیا پھر پشاور سے علاقہ مہمند ٹی میں چلے گئے اور وسیع پیمانے پر کام شروع کر دیا یہاں سے انہوں نے اپنی کتاب "صراط التوحید" لکریں پسن بھی لکرنے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کی خدمت میں تحائف بھیجے لیکن اس کے بعد جلد ہی پیر روشن ماوراء النہر کے درمیان لڑائیاں شروع ہو گئیں اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہی تھا کہ ۹۸۰ھ (۱۵۷۲ء) میں پیر روشن کا انتقال ہو گیا تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے۔ پاکستان میں فارسی ادب" از ڈاکٹر ظہور الدین احمد - مذکورہ صوفیائے سرحد" از مولانا اعجاز الحق قدوسی، سالنامہ "علمی ملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری" مخزن الاسلام" بزبان پشتو از انخوند درویش صاحب۔

۲۱- کنگھم ص ۲۶۵ بحوالہ ہندوستان میں دہلی تحریک ص ۳۵۲-۳۵۵ مصنفہ ڈاکٹر

قیام الدین احمد - مترجمہ پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی ایم اے بطور تفسیر اکیڈمی کراچی ۱۹۷۲ء۔

۲۲- مولانا عبد الرحیم عظیم آبادی مولف - مذکورہ صادق نے تجزیوں کی رحمدلی، عدل

گمشدی اور رواداری کی تعریف کی ہے نیز مولانا ولایت علیؒ و غایت علیؒ کی انگریزوں کے خلاف

جدوجہد کو تحفینہ کر کے دکھایا ہے۔

بعد میں یہ سلسلہ مضامین سوسائٹی اخبار میں ۲۴ نومبر ۱۸۹۱ء سے ۲۲ فروری ۱۸۹۲ء تک اردو ترجمے کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۹۲ء میں میڈیکل کالج بنا کر اس سے کتابی شکل میں شائع ہوا حافظ احمد حسین بدایونی (متوفی ۱۸۸۶ء) نے بھی اسے بصورت کتاب اردو انگریزی میں لندن سے شائع کیا۔ حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنے مجلہ اشاعت السنہ ج ۱۱ نمبر ۴ میں اس کا اردو ترجمہ شائع کر دیا تھا۔ اور پھر قبل اکیڈمی لاہور نے بھی اس کا اردو ترجمہ شائع کیا۔

۲۳۔ حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بن شیخ عبدالرحیم بٹالہ ضلع گورداسپور میں ۱۲۵۶ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوٹ میں حاصل کی اور پھر سوئے واپی روانہ ہو کر مولانا مفتی صدیق آزادہ مولانا گلشن علی جوہر پوری اور مولانا نور الحسن سے علوم معقول و منقول، فقہ اور اصول فقہ کی تکمیل کر کے ۱۲۸۱ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ اپنے حدیث شریف کی سب کتابیں حضرت میر لانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں اور ۱۲۸۲ھ میں آپ سے سند حاصل کی حضرت میاں صاحب نے آپ کی سند میں خاص طور پر یہ فقرہ تحریر فرمایا: "ان لہ زیادۃ حجتہ معی و مزید اختصاص بی علی غایرہ من الطلبة" آپ حضرت میاں صاحب اور حضرت شیخ عبداللہ غزنوی (متوفی ۱۲۹۸ھ) سے بیعت بھی تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ واپس سے لاہور تشریف لے آئے اور مسجد چینیال والی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا اور ساتھ ہی سفیر مند آئرس میں مضامین کا سلسلہ شروع فرمادیا۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۶ء) میں اپنے ماہنامہ اشاعت السنہ النبویہ کا اجراء فرمایا جو کم و بیش ۲۵ سال تک جاری رہا اس میں تمام مضامین و مقالات اپنے ہی ہوتے تھے شاذ و نادر ہی کسی دوسرے مضمون کے لیے گنجائش نکلتی تھی بہت سے لوگ اہل تہ استفادہ و تلمذ کی شکل میں بھی آپ سے کسب فیض کیا۔ ۱۸۹۵ء میں امیر عبدالرحمن کی دعوت پر آپ کابل تشریف لے گئے آپ کی تصانیف میں سے البرہان الساطع المشروع فی ذکر الاقدا بالخاصین فی الفروع (غیر مطبوعہ) "منح الباری فی ترجیح البخاری البیان فی رد البرہان"۔ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد"۔ ترجمہ رسالہ الایقات فی سبب الاختلاف (مؤلف مولانا محمد حیات سندھی متوفی ۱۲۶۳ھ) التحدیر عن التدریر۔ مفتوح العالم فی حیوۃ السید علیہ السلام رسالہ مذہب و معاشرت۔ رسالہ اثبات نبوت۔ رسالہ النظر فی التفرقة بین الاسلام والنزقۃ للغوالی مذہب و معاشرت۔ رسالہ تقدیر اور جبر و اختیار، اعادہ رحمانی، بغض و تہاجر، ولادت شیخ، تورات و انجیل کی نسبت

اسلامی اعتقاد، احکام نکاح و طلاق پر اعتراضات کے جواب، مسائل متعلقہ بحث امامت و پیری و مریدی، بصیحت نامہ نمبر ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، وغیرہ۔ لیکن اول الذکر تین کے سوا باقی رسالے وہ ہیں جو اشاعت اسناد میں طویل مقالات کی شکل میں شائع ہوئے۔ مورخہ ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ (۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء) کو بیاسی برس کی عمر میں بعارضہ فلج انتقال فرمایا اور ثبالبہی میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ وسعتی

۲۴۔ شیخ الاسلام حضرت ابو الوفاء مولانا شمس الدین امیر تیسری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت امیر میں ہوئی والد ماجد کا اسم گرامی خضر جوٹھا جو کہ اسلام آباد ضلع سرنگیہ سے ترک سکنوت کر کے امیر تشریف لے آئے تھے۔ سات سال کی عمر میں آپ والد ماجد اور چودہ سال کی عمر میں والدہ محترمہ کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے آپ نے شرح جامی اور قطبی تک کی امیر میں مولوی احمد اللہ صاحب سے تعلیم حاصل کی پھر استاذ پنجاب حضرت حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کی خدمت میں پہنچے اور کتب درسیہ کی تکمیل کے بعد ۱۸۸۹ء میں ان سے سند فراغت حاصل کی اس کے بعد آپ شمس العلماء حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے بھی آپ نے سند حاصل کی پھر دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں بھی آپ نے کتب معقول و منقول پڑھیں پھر کانپور جا کر مولانا احمد حسن صاحب سے بھی تعلیم حاصل کر کے ۱۸۹۲ء میں سند حاصل کی۔ فراغت کے بعد مدرسہ تائید الاسلام امیر میں سند تدریس کو رونق بخشی تصنیف کے میدان میں بھی آپ کے اہم قلم نے خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں اور بے شمار کتابیں آپ کی یادگار ہیں روضیہ ایٹ مرزا ایٹ اور آریہ ازم آپ کے خاص موضوع تھے مرزا ایٹ کی تردید میں آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں حتیٰ کہ خود ہی فرماتے ہیں کہ "قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں اسی وجہ سے ننگ آکر مرزا جی نے ۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو مولوی شمس الدین کے ساتھ آخری فیصلہ نامی اشتہار شائع کیا اور نتیجہ وہ حضرت ابو الوفاء سے بہت عرصہ پہلے مر گیا حضرت مرحوم کو تفسیر کے ساتھ ہی خصوصی شفقت تھا "تفسیر ثنائی"، "تفسیر القرآن بکلام الرحمن"، بیان الفرقان علی علم البیان" اور "تفسیر بالرائی" آپ کی مشہور کتب تفسیر ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اخبار الحدیث کے نام سے ایک ہفت روزہ کا بھی اجراء کیا جو تقریباً پینتالیس سال تک نشر و اشاعت اسلام اور خدمت دین میں گامزن رہا۔ جن مناظرہ میں تو آپ لیتے روزگار تھے شاید چشم فلک نے آپ سے بڑا مناظر کوئی نہ دیکھا ہو۔ قیام پاکستان کے بعد

آپ اترسر سے لاہور اور لاہور سے گوجرانوالہ تشریف لائے۔ چند ماہ قیام کے بعد اہل و عیال سمیت سرگودھا تشریف لے گئے۔ سرگودھا میں مسجد الجدیث نہ تھی۔ اس کے لیے گوشش فرمائی اور چند دن کے بعد، تمام زندگی اسلام و ملت اسلامیہ کی خدمت میں بسر کرنے والے یہ نابغہ روزگار، عبقری زماں اور رحیل الہیؑ ۱۹۴۷ء کو اپنے اللہ کے حضور جا بیٹھے۔ رحمنا اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء گوجرانوالہ) ایک مقام پر رقمطراز ہیں

سرگودھا کا قبرستان کس قدر خوش نصیب ہے جس نے ایک محدث، ایک

مفسر، مجالس کے بادشاہ اور فن مناظرہ کے امام کو اپنی آغوش میں جگہ دی۔ آہ!

جو دنیا کے ہر گوشہ میں مجالس کی رونق تھا جس کے بغیر مجلسیں بے رونق اور مونی ہوتی

تھیں آج پورے سکون کے ساتھ گوشہ تنہائی میں آرام کی عیند سوراہے اور

جماعت المدیث ان کے فیوض سے اس وقت محروم ہوئی جب کہ وہ ان کے

مشوروں کی پیشتر سے زیادہ محتاج تھی

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ

تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

۲۵- ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۱۷۳

۲۶- " " " " " " ۳۱۵

۲۷- " " " " " " ۱۷۹

۲۸- تفصیل ان کی خود نوشت سوانح حیات " کالابانی " میں ملاحظہ فرمائیے۔ مطبوعہ طارق الہدی

فیصل آباد۔

۲۹- مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا یہ ایک معمولی آدمی تھا، ملازمت کے سلسلہ میں کچھ

عرصہ سیالکوٹ رہا، اسی عرصہ میں اس نے ایک کتاب لکھی جو کہ اتفاق سے لوگوں کو پسند آئی بس اسی

وقت سے مرزا جی کے دل میں حجب جاہ کا شوق پیدا ہوا اور پھر اس نے مہدی، مسیح موعود، نبی اور نہ

معلوم کیا کیا ہونے کا ڈھونگ رچایا۔ مرزا جی چونکہ انگریز کا عود کا شتہ پودا تھے اس لیے اس نے اپنی

عمر کا اکثر حصہ سلطنت انگریزی کی تائید و حمایت میں گزارا۔ مرزا جی نے اپنے نہ ماننے والوں کو حرام زاد

پڑھیں۔ والد اور چچا سے طب کی تعلیم حاصل کی اور نجوم میں بھی کمال حاصل کیا ابتدا میں شاہ نصیر کو اپنا کلام دکھاتے تھے مگر چند روز کے بعد ان سے اصلاح لینی چھوڑ دی اور اپنی ہی ذہانت و طباعی پر بھروسہ کرتے تھے۔ فارسی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے فارسی دیوان اب ناپید ہے اردو کلیات میں غزلیں، رباعیاں، قطعات، قصیدے اور مثنویاں سب کچھ موجود ہے آپ کے دیوان کو نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ترتیب دیا تھا جو کہ ۱۸۴۶ء میں مولوی کریم الدین صاحب نے شائع کیا۔ مومن کے تلامذہ میں سے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، میر حسین نسکین، میر غلام علی وحشت اور صغریٰ خاں نسیم وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔ ۱۸۵۲ء (۱۲۶۸ھ) میں مومن خاں کا انتقال ہوا۔ تاریخ ادب اردو ص ۳۶۰-۳۶۵، واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۲۳، آثار الصنادید ص ۳۴۲-۳۴۷ نیز ملاحظہ فرمائیے حیات مومن، آب حیات، گلِ رُخا، گلشنِ بے خار، گلستانِ بے خزاں، گلستانِ سخن وغیرہ۔

۴۹۔ فتاویٰ عزیز بیچ اص، مطبوعہ مجتہائی۔

۵۰۔ ص ۱۰۵

۵۱۔ مولانا عبد اللہ سندھی جنوری ۱۸۹۱ء میں دینی تعلیم تکمیل کے بعد سندھ تشریف لے آئے اور اروٹ ضلع سکھر میں مولانا البرکس تاج محمود کے پاس سکونت اختیار کر لی انہوں نے آپ کی شادی کا انتظام کیا، گھر دیا اور مطالعہ کے لیے ایک کتب خانہ کا انتظام بھی کر دیا دورانِ مطالعہ مولانا سندھی نے امام محمد اسماعیل شہید کے سوانح حیات، تحریکِ احیائے دین اور دعوتِ تجدید کا مطالعہ کیا بلکہ تقویۃ الایمان کا مطالعہ ہی آپ کے مشرف بر اسلام ہونے کا ذریعہ بنا تھا جیسا کہ انہوں نے خود "تہذیب" میں تصریح فرمائی ہے۔ سندھ کے دورانِ قیام میں ہی مولانا سندھی نے حضرت امام صاحبؒ کے مکتوبات سے استفادہ کر کے ایک اسلامی و انقلابی پروگرام بھی بنایا تھا اور سندھ میں کچھ عرصہ اس کے مطابق کام بھی کرتے رہے۔ آپ نے جمعیتہ الانصار اور "نظارۃ المعارف" کے نام سے دو تنظیمیں بھی قائم کیں ۱۹۱۵ء میں کابل گئے، سات سال قیام کے بعد ۱۹۲۲ء میں روس گئے وہاں سے ۱۹۲۳ء میں ترکی گئے اور ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد حجاز تشریف لے گئے یہ تمام واقعات آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں بسر کیے اور آزادی کے متعلق گفتگو کی۔ ہندوستان واپس آنے

کے بعد بھی سیاسی سرگرمیوں میں مصروف رہے بالآخر ۱۹۲۲ء میں انتقال فرما گئے رحمہ اللہ
رحمتہ واسعہ۔

۵۲۔ شاہ دلی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۶۳-۶۵ مطبوعہ ساگر اکادمی
لاہور ۱۹۵۲ء۔

۵۳۔ فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۲۹۱

۵۴۔ فتاویٰ برعناطیہ ماہیہ ودیوبندیہ ص ۴ مرتبہ منشی محمد لعل خاں صاحب مدرسی
ضوی خلیفہ مولانا احمد رضا خاں۔

۵۵۔ حکایات اولیاء ص ۹۲۔

۵۶۔ آثار الصنادید ص ۲۷۴۔

۵۷۔ سید محمد یعقوب، سید صاحب کے برادر اکبر سید ابراہیم کے صاحبزادے تھے ان سے
سید صاحب کا دوسرا رشتہ تھا کہ ان کی والدہ سیدہ فاطمہ سید صاحب کی دوسری اہلیہ
سیدہ ولیہ کی حقیقی بہن تھیں اس لیے سید صاحب آپ کو بہت عزیز جانتے تھے آپ سید
صاحب کے ساتھ حج کو بھی گئے اور ہجرت بھی کی سید صاحب نے آپ کو بھی سید عبدالرحمن
کے ساتھ ٹونک سے واپس بھیج دیا تھا پھر ستورات کے ساتھ سندھ میں رہے۔ نواب وزیر الدولہ نے
آپ کو ایک بڑے عہدہ کی پیشکش کی لیکن اسے قبول نہ فرمایا اور بیچاس روپے ماہوار وظیفہ پر زندگی
گزار دی نہایت عابد و زاہد تھے ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں وفات پائی۔

۵۸۔ امجد خاں گنتی کے باشندے تھے مہینہ کی قیادت کرتے ہوئے سرحد پہنچے۔ شنکاری کی
جنگ تک سرحد میں موجود تھے اس جنگ کی تفصیلات آپ سے بھی منقول ہیں پھر آپ کو ایک خاص کام
کے لیے ہندوستان بھیج دیا گیا۔

۵۹۔ سید صاحب نے جب پہلی مرتبہ کانپور کا دورہ کیا تو سب سے پہلے بیعت کرنے والوں
میں سے ایک اللہ بخش خاں بھی تھے آپ اس وقت نہایت سخیلے اور کڑیل جوان تھے اکوڑہ
میں جب سکھوں پر شیخوں مارنے کا فیصلہ کیا گیا تو اللہ بخش کو نازوں کا سپہ سالار بنا دیا گیا تھا
آپ نے شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے، اپنے سے بیچاس ماٹھ گنا لشکر کو مارتے مارتے

پیچھے ہٹا دیا اور بالآخر خود بھی جام شہادت نوش فرمائے۔

۶۰۔ ہمارے ہندوستانی مسلمان

۶۱۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۱۷

۶۲۔ عبدالمجید خاں آفریدیؒ جہان آباد (رائے بریلی) کے باشندے تھے آپ بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے اس لیے آپ کا نام فہرست میں شامل نہیں کیا گیا تھا جو کہ ان قومی و توانا غازیوں کی تھی جو جنگ اکوڑہ میں شیخوں کے لیے منتخب کئے گئے تھے جب آپ کو معلوم ہوا تو فوراً سید صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے اور بڑے اصرار کے ساتھ اپنا نام بھی درج کرایا اپنے بہت کمزوری کے باوجود شجاعت کے خوب جوہر دکھائے چودہ آدمیوں کو ایک تلوار سے قتل کیا۔ وہ ٹوٹ گئی تو مولانا امیر الدین نے اپنی تلوار دے دی اور انہیں ہم چند کس راکشندہ اور بالآخر خود بھی جام شہادت نوش فرمائے۔ سستی اللہ شراہ۔

۶۳۔ مولوی خیر الدین شیر کوٹیؒ نے سید صاحبؒ کے حکم سے قائم خیل میں گولے ڈھالنے کا کارخانہ بنایا تھا اور مولوی احمد اللہ ناگپوری بھی ان کے شریک کار تھے۔ جنرل ڈوٹور سے بھی انہوں نے ہی سید صاحبؒ کی طرف سے گفتگو کی تھی۔ فتح امب کے بعد آپ کو بھرتیابی کی حکومت دے دی گئی تھی فتح پشاور کے بعد آپ کو قاضی القضاة کے عہدہ کی پیشکش کی گئی مگر آپ نے معذرت کر دی اور فروری ۱۸۷۳ء کو بالا کوٹ پہنچ گئے تھے لیکن بعد میں سید صاحبؒ کے فرمان سے اس لشکر میں شریک ہو گئے جسے مظفر آباد بھیجا گیا تھا۔ مظفر آباد سے واپسی پر جنگ بالا کوٹ کی فتح کو دریا کے مشرقی کنارے اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں پل بنا ہوا تھا۔ مگر پل کو ٹوٹا ہوا پایا کیونکہ حکم سید صاحبؒ سے توڑ دیا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ اور آپ کے ہمراہ دیگر غازی درہ کاغان کی طرف لوٹے تاکہ کسی گھاٹ سے دریا عبور کر سکیں جب وہ بالا کوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور بہت سے غازی جام شہادت نوش فرمائے ہیں۔ مولانا شیر کوٹیؒ علم و فضل، جنگ، تدبیر اور سیاست و ملک داری اور علم دین میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے بہت ہی متین، دُور اندیش اور حلیم تھے جماعت مجاہدین ص ۱۵۵-۱۶۰

۶۴۔ ملا شاہ سید پٹننگ (درہ ندھیال) سے تعلق رکھتے تھے ضلع ہزارہ میں مجاہدین کی ابتدائی پیش قدمی کے وقت آپ حضرت امام صاحبؒ کے شریک کار تھے اور یورش ہند میں بھی شریک تھے فتح

ہند کے بعد خادے خاں کے رشتہ داروں نے اس کے قتل کے بعد لوگوں کو براہِ نگیختہ کرنا شروع کیا تو حضرت امام صاحبؒ نے آپ کو خط دے کر پنجمار بھیجا تاکہ سید صاحبؒ کو صورتِ حال کی اطلاع دی جاسکے دس بارہ مجاہدین بھی آپ کے ہمراہ تھے جن میں سے آپ اور کالے خاں شاہین جی تھے اس گروہ نے ہند سے چارمیل کے فاصلہ پر شاہ منصور میں رات بسر کی خادے خاں کے اقربا کو جب علم ہوا تو انہوں نے اچانک اس چھوٹی سی جماعت پر لہر لہل دیاملا شاہ سید نے کئی آدمیوں کو مارا اور زخمی کیا آپ پر ہجوم ہوا تو پیچھے ہٹتے ہٹتے کنوئیں میں گر گئے بلطینت و شمنوں نے اوپر سے دو مین تھپڑ ڈال دیئے اور یہ عاشق پاک طینت جام شہادت نوش فرما گیا۔ حضرت امام صاحبؒ نے آپ کی میت کنوئیں سے نکلوائی اور دوسرے شہداء کی میتوں کے ساتھ چار پائٹوں پر ڈال کر ہندے آئے اور وہاں ان تمام مقدس شہداء کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جماعت مجاہدین ص ۲۵۷-۲۵۹۔

۶۵۔ سید محمد تقیمؒ، نواب احمد علی خاں دائی رامپور کے نائب میاں کریم اللہ کے بھائی تھے سید صاحب کی دعوت پر لینگ کہتے ہوئے جو اصحابِ نہایت سے پہلے مجاہدین کے قافلے لے کر سرحد پہنچے ان میں سید محمد تقیمؒ بھی تھے جو چالیس پچاس غازیوں کے ساتھ گئے تھے جنگِ ڈمگلہ میں آپ سالارِ لشکر تھے۔ ہزارہ سے واپسی کے بعد انہیں اپنے بھائی کی وفات کی اطلاع پہنچی آپ تو واپس جانے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن سید صاحبؒ نے حکماً واپس بھیج دیا۔ رامپور میں اونچے عہدے پر فائز رہے ایک ریاستی کی سرکشی کے انداز کے لیے پانچویں میں بیٹھ کر اچانک گولیوں کی بوجھاڑ آئی اور آپ شدید زخمی ہو گئے اور کچھ دیر بعد وفات پا گئے۔

۶۶۔ آپ اہلِ سرحد میں سے تھے حضرت امام صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں آپ کے علم و فضل، اخلاص و تقویٰ اور عقل و دانش کی بہت ستائش فرمائی ہے ایک موقع پر لکھا :-

”ملا سمعیل انخوند زادہ نہایت ہوشیار و دیانت دار ہیں اور شادرت و مصالحت میں نچتہ کا وہ ان اطراف (ہزارہ) کے تمام فضلا کے پیش کار ہیں اور جملہ خونین کے معتمد۔ دین کے کام میں بجاں مصروف ہیں اور تالیف و تزیغیب میں برون مشغول“

بحوالہ جماعت مجاہدین ص ۲۸۱

۶۷۔ بیٹھ گرام (علاقہ نندھیار) کے رئیس تھے ابتدا میں ہی سید صاحبؒ سے وابستگی پیدا

کر لی تھی بالاکوٹ میں سید صاحبؒ کے ساتھ اور مختلف مشوروں میں شریک تھے جب میدان میں یہ افواہ پھیلی کہ سید صاحبؒ کو گوجر اٹھا کر لے گئے ہیں تو دوسرے مجاہدین کے ساتھ یہ بھی روانہ ہو کر بالاکوٹ کے عقبی پہاڑ پر پہنچے تھے آپ نے جنگِ بالاکوٹ کے دو تین سال بعد وفات پائی۔ جماعت مجاہدین ص ۲۸۳

۶۸۔ سید احمد شہید ص ۲۱۹

۶۹۔ خواجہ صاحبؒ، سید صاحبؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے ہر اہم موقع پر شیروں یا رفیقوں میں آپ کا نام ضرور آتا ہے جنگِ بالاکوٹ کے وقت سید صاحبؒ نے ایک ارجحی سفید پاجامہ، دستار اور پٹا وری لنگی خاص طور پر زیب تن فرمانے کے لیے دی۔ معرکہ بالاکوٹ میں ہی آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

۷۰۔ سید احمد شہید ص ۲۲۱ - ۲۲۲

۷۱۔ سید احمد شہید ص ۲۲۲

۷۲۔ منظورہ السعد الخوالہ سید احمد شہید ص ۲۲۵

۷۳۔ سید احمد شہید ص ۲۲۷

۷۴۔ کمال خان رئیس اگر و عبدالغفور خاں کا بھائی تھا یہ دونوں بھائی اس موقع پر مجاہدین کے ساتھ تعاون کرتے تھے کہ اگر ورمین از سر نو ریاست قائم کرنے کا بندوبست ہو جائے گا لیکن مجاہدین پاؤندہ خاں کے تعاون سے جسبی کوٹ پہنچے تھے اور اس کا تعاون متقاضی جہاد کے لیے زیادہ مفید تھا اس لیے مجاہدین عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو اگر ورمین آباد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے عبدالغفور خاں نے سکھوں سے خفیہ ساز باز شروع کر دی اس لیے مقامی آبادیوں اور ولایتی مجاہدوں نے بطور خود عبدالغفور خاں اور کمال خاں کو ختم کرنے کی سکیم بنالی۔ اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچا دیا تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سرگزشت مجاہدین ص ۹۹ - ۱۰۴

۷۵۔ ناصر خاں بھٹ گرام (علاقہ ندھیہاڑ) کے رئیس تھے ابتدائی دور ہی میں سید صاحبؒ

سے وابستگی پیدا کر لی تھی۔ اور بالاکوٹ میں بھی ساتھ تھے ان کا مورچہ مست بنے کے کنارے شیخ ولی محمد کی جماعت کے بائیں ہاتھ تھا۔ اس جنگ میں ان کا ہاتھ زخمی ہوا۔ جنگِ بالاکوٹ سے دو

تین سال بعد وفات پائی۔ جماعت مجاہدین ص ۲۸۲

۷۶۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۳۸۔ نفیس اکیڈمی کراچی دسمبر ۱۹۶۸ء

۷۷۔ سید احمد شہید ص ۲۵۳-۲۵۴ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۸ء

۷۸۔ سید ابو محمد نصیر آبادی، سید صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ زہرہ بی بی کے خالہ زاد بھائی

تھے آپ نے مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی جب درانیوں نے یورش کی اور غازی پیچھے ہٹے تو آپ بھی ان میں شامل تھے۔ چھیدا جو کہ آپ کے گھر کا آدمی تھا جب درانیوں میں گھر گیا تو اس نے گھبرا کر آپ کو آواز دی اسی کا بیان ہے کہ میری آواز سنتے ہی آپ نے باگ موڑی اور آ کر درانی سواروں سے لڑنے لگے میں موقع پا کر نکل گیا وہ لڑتے رہے، میں نے دور سے دیکھا کہ انہوں نے دو درانی سواروں کو مار گرایا پھر خود ہی زخم کھا کر گھوڑے سے گر گئے قاضی گل محمد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جگہ سید ابو محمد کو زخمی پڑے ہوئے دیکھا زخم ایسے کاری تھے کہ ان کے کوس بجانہ تھے۔ میں نے کئی بار ان کے کان میں پکار کر کہا۔ سید ابو محمد! حضرت امیر المؤمنین کو فتح حاصل ہوئی ہے، وہ ہونٹ چاٹ رہے تھے اور آہستہ آہستہ الحمد للہ الحمد للہ کہہ رہے تھے مجھے کچھ جواب نہ دیا، میں نے ساتھیوں کو آواز دی کہ انہیں اٹھاؤ۔ کتل میں رکھ کر اٹھایا۔ کچھ دیر بعد جاں بحق ہو گئے

غفر اللہ لہ۔ جماعت مجاہدین۔ ص ۱۴۷-۱۴۹

۷۹۔ میاں جی محی الدین چشتی، سید صاحب کے نخلص ارادت مند تھے جب شاہ بخارا کے

پاس سفارت بھیجنے کی تجویز پختہ ہو گئی تو سید صاحب نے فرمایا کہ کوئی موزوں آدمی منتخب کیا جائے تو حضرت امام صاحب نے آپ کا نام تجویز فرمایا۔ آپ نقد روپیہ، سامان اور نذر فقار کو لے کر باجوڑ ہوتے ہوئے پتہ ال، پتہ ال سے بنشاں اور پھر فیض آباد پہنچے۔ پانچ دن کے بعد وہاں سے قندز روانہ ہو گئے۔ آپ نے پچھ ساتھیوں کو وقت دز میں بھپوڑا اور مین کو عمرہ لے کر بخارا پہنچنے شاہ بخارا نے عزت و تکریم سے آرا۔ پہلے تو بڑی گر محبوشی سے ملتا رہا۔ لیکن بعد میں درباریوں کی غلط بیانیوں کی وجہ سے شاہ بظن ہو گیا۔ میاں جی پانچ مہینے ٹھہرے رہے اور جب محسوس فرمایا کہ مزید قیام کا کوئی فائدہ نہیں تو واپسی کا ارادہ کر لیا۔ شاہ نے کچھ تحائف دے کر رخصت کر دیا۔ میاں جی کے اس سفر میں دو سال صرف ہوئے۔ آپ کا ذکر جناب نایاب میں بھی آیا ہے۔

مغذوری کے باعث آپ جنگِ بالاکوٹ میں شرکت نہ کر سکے۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۸۶۔ مولانا تھانیسریؒ نے یہاں ”میاں نظام الدین چشتی“ نام لیا ہے۔ حیاتِ سید احمد شہیدؒ ص ۲۳۹ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۰۔ ان نوحضرات کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔ شیخِ عجب اللہ ساکن کھڈا شکار پور ضلع مظفرنگر، نصیر الدین، رحیم بخش، اسماعیل خاں، بہت خاں، فتح یاب خاں، حکیم عبدالحکیم دہلوی اور دو آدمی قندھاری تھے۔

۸۱۔ نام مبارک کے مکمل متن کے لیے ملاحظہ فرمائیے، مکتوباتِ سید احمد شہید ص ۷۷۔ ۸۵۔ از مولانا تھانیسریؒ، مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ طبع اول جنوری ۱۹۶۹ء

۸۲۔ تاضی سید محمد حبان کارٹراغور بند (سرحد آزاد) کے باشندے تھے بہت بڑے عالم، ذکی الطبع، غیور اور خوش تقریر تھے کچھ مدت کلکتہ میں مدرس بھی رہے۔ سید صاحبؒ کے خہر میں زمانہ قیام میں بیعت ہوئے۔ پانڈہ خاں تنولی سے صلح ان ہی کی کوششوں سے ہوئی تھی انہوں نے حضرت امام صاحبؒ کی معیت میں چھ سو آدمیوں کو ساتھ لے کر پورے علاقہ سرحد کا دورہ کیا اور ہر جگہ شرعی احکام نافذ کر دیئے۔ ہوئی اور مردان کے رئیس نے مخالفت کی اور وہ انیوں کو ساتھ ملا کر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ نے بھی حضرت امام صاحبؒ اور رسالدار عبدالمجید خاں کے مشورہ سے مردان پرورش کر دی۔ اگرچہ قصبہ قبضے میں آ گیا لیکن آپ کو جام شہادت بھی نوش فرمایا پڑا۔ آپ کے بھائی قومی دستور کے مطابق میت کو چار پائی پر ڈال کر وطن لے گئے چنانچہ آپ اپنے وطن میں ہی آسودہ خاک ہیں۔ نور اللہ مرقدہ۔ جماعتِ مجاہدین ص ۱۵۱۔ ۱۵۲

۸۳۔ سید احمد شہید ص ۴۶۳۔ مولانا غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی امین ڈسٹریکٹ

لاہور ۱۹۶۸ء

۸۴۔ حیاتِ سید احمد شہیدؒ۔ مولانا محمد جعفر تھانیسری مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۸ء

۸۵۔ چنگیز خاں د ۱۱۵۵ھ۔ ۱۲۲۷ھ روس کی اقلیم میں پیدا ہوا یہ مشہور تاتاری بادشاہ اور خاندانِ مغلیہ کا جدِ اعلیٰ نصابتے ہیں کہ یہ جب پیدا ہوا تو اس کے ہاتھ میں گوشت کا ایک

خون آلود ٹکڑا تھا جو کہ اس کی خون ریزیوں کی طرف اشارہ تھا چنانچہ اس کی فتوحات نے چین سے لے کر بحرِ اسود تک کی سلطنتوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ خونیں فتوحات کی وجہ سے اسے قہرا لپی کہا جاتا ہے۔ یاد رہے برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر د ۱۴۹۳ء فروری ۱۵۱۹ء ۲۶ دسمبر ۱۵۱۹ء) کا ستجہ نسب ماں کی طرف سے چنگیز خاں سے ملتا ہے۔

۸۶۔ ہلاکو خاں بن تولی خاں بن چنگیز خاں نے ۱۲۵۹ء میں بغداد پر حملہ کر کے اسے محاصرہ میں لے لیا تھا محاصرہ طول پلٹ گیا تو بغداد کے لوگ ایشیائے خوردنی کے میسر نہ آنے کے باعث بھوکے مرنے لگے۔ عباسی خلیفہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے ہلاکو خاں سے صلح کی درخواست کی اور اپنے بیٹوں کو ہمراہ لے کر اس کے پاس چلا گیا۔ ہلاکو نے صلح کی درخواست مسترد کر کے ان کے قتل کے احکام جاری کر دیئے اور دوسرے روز شہر کے لوگوں کو گھروں سے باہر نکال کر تاراجی فوج نے مسلمانوں کے خون سے سہلی کھیلی، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مسلمانوں کے قیمتی کتب خانوں کو بھی نذرِ آتش کر دیا اور ہزار ہا کتابوں کو دریائے دجلہ میں بہا دیا۔ الغرض ہلاکو خاں نے بغداد کو کھنڈرات اور راگھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

۸۷۔ تیمور لنگ د ۱۳۳۶ء۔ ۱۳۵۷ء) سمرقند کے قریب مقام "کش" میں پیدا ہوا اس نے عرب و دبیر کے ساتھ اقتدار پر تسلط جمایا اور خوارزم، کاشغر، خراسان، فارس، سوریا اور مصر وغیرہ بے شمار علاقوں کو فتح کر لیا۔ بغداد کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ سمرقند اس کا دار الحکومت تھا جہاں اس نے کارگیروں، مہر مندوں، ماہرینِ فنون اور علماء کے ایک جم غفیر کو جمع کر دیا تھا یہ انتہائی سنگدل بادشاہ تھا۔ بابر کا سلسلہ نسب بابر کی طرف سے ایشیا کے اسی نامور فاتح سے جاتا ہے۔

۸۸۔ حیات سید احمد شہید ص ۲۴۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۵ء

۸۹۔ مرزا احمد بیگ نے تمام لڑائیوں میں شرکت کی۔ بالاکوٹ میں پرانے پہاڑی راستہ پر تعین ہوئے تھے؛ چنانچہ سکتھوں کی سب سے پہلے مرزا احمد بیگ کی فوج سے ہی ڈبھڑ ہوئی تھی آپ بڑی مردانگی سے لڑے تھے اور سید صاحب کو خبر بھی بھیج دی لیکن ملک پہنچنے سے پیشتر سکھ فوج کے سیل نے مرزا کی چھوٹی سی جماعت کو چھپے ٹہاتے ٹہاتے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچا دیا تھا۔ مرزا کے

کچھ ساتھی چلے ناکے پر شہید ہوئے اور غالباً وہیں دفن ہوئے، اس مقام کو آج کل شہید گلی کہتے ہیں۔ اس کے بعد مرزا کو بالا کوٹ بلایا گیا۔ وہ خود اور ان کے بقیۃ السیف ساتھیوں میں سے غالباً اکثر بالا کوٹ ہی میں شہید ہوئے۔ جماعت مجاہدین ص ۲۵۰ - ۲۵۲ از مولانا غلام رسول مہر کتاب منزل - لاہور۔

۹۰۔ سید احمد شہید ص ۴۹۰

۹۱۔ سورة النساء آیت ۵۹

۹۲۔ سید احمد شہید ص ۴۹۱

۹۳۔ " " " " " ۴۹۶

۹۴۔ سید احمد شہید ص ۴۹۶ - ۴۹۷

۹۵۔ ارباب بہرام خاں تہکال کے رئیس تھے سید صاحبؒ کے خہر جانے سے پیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مجموع مال و اسباب سید صاحبؒ کی خدمت میں حاضر کر دیا، سید صاحبؒ نے دو گھوڑے اور دو تلواروں کے سب کچھ واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہتھیار اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرو اور انہیں ایک تلوار تبرکاً اپنے پاس سے بھی دی ارباب بہرام خاںؒ سید صاحبؒ سے وابستگی کے بعد ایک لمحے کے لیے بھی اگ نہ ہونے لگی پر شیخون کے علاوہ باقی کارکن نمایاں میں سے ادمان زئی اور پشاور پرپیش قدمی کے موقع پر خہر کی سمت کے قبائل کو امداد پر آمادہ کرنا، پنجتار میں متعلقین سمیت ایک تیر کے فاصلہ پر شہوت کے باغ میں قیام، کوہ کینڑی (نزد عشرہ) کی جنگ میں مجاہدین کی سالاری، قیام پنجتار کے دوران سید صاحبؒ کو علاقے کے دورے کا مشورہ اور پشاور پرپیش قدمی کے موقع پر گورکھتری کے دروازہ کلاں پر قیام، جس کے اندر کی حویلی میں سید صاحبؒ ٹھہرے تھے وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے بھی بالا کوٹ میں ہی جام شہادت نوش فرمایا۔ تلخیص از جماعت مجاہدین ص ۱۷۴ - ۱۷۷۔ مولانا غلام رسول مہر کتاب منزل لاہور۔

۹۶۔ مولانا منظر علی عظیم آبادیؒ نے سید صاحبؒ کی دعوت کے آغاز میں ہی بیعت کی آپ

بلند پایہ عالم دین اور بڑے غیر متخص تھے آپ کے وعظ و ارشاد سے بہت سے لوگوں نے ہدایت

پاؤں آپ نے کئی جنگوں میں شرکت فرمائی جنگ مردان میں سخت زخمی ہونے کے باوجود اپنی حقیقی حالت جنگ ختم ہونے تک کسی پر ظاہر نہ ہونے دکا اسی وجہ سے ان غازیوں میں سے آپ دوسرے ہیں جن کا قاضی مقرر کیا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد سلطان محمد خاں نے آپ کو ضروری مشورہ کے بہانے ایک کمرے میں بلایا اور دھوکہ سے شہید کر دیا۔ آپ بہت بڑے عالم، متقی، ذکی الطبع صاحب اخلاق پسندیدہ اور صاف حمیدہ، سید صاحب کے مخلص معتقد اور محبِ راسخ تھے۔ موصوف سپہ گری کے فن میں کیتائے زمانہ اور شجاعت و بہادری میں یگانہ مانے جاتے تھے۔ جماعت مجاہدین ص ۱۶۶ - ۱۶۹ حیات سید احمد شہید ص ۲۷۶ - ۲۷۷ مطبوعہ نعیمی اکیڈمی کراچی۔

۹۷ - سید احمد شہید ص ۵۲۷ غلام علی انڈسٹریز لاہور ۱۹۶۸ء

۹۸ - شیخ بلند نعت سردہ میں سید صاحب سے ملے تھے فنون سپہ گری اور دیگر اوصاف و محاسن کی وجہ سے ممتاز تھے پائندہ خاں تنول نے فراموشی سے وقت جو زبور کیں چھوڑیں انہیں آپ ہی احتیاط کے ساتھ لائے۔ اب کے محصورین سے گفتگو بھی آپ نے ہی کی چھتر پائی کے محاصرہ کے طول پکڑ جانے کی وجہ سے جب آپ پنجاب تو میں لینے کے لیے چلے گئے تو آپ کے برادر اصغر شیخ علی شہید ہو گئے جب آپ کو اس غم انگیز خبر کا علم ہوا تو فرماتے گئے "الحمد للہ، ہمارا بھائی جو مراد لے کر آیا تھا، وہ پوری ہو گئی، ہم سب کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب کرے۔ چنانچہ آپ نے بھی بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ جماعت مجاہدین ص ۱۶۱ - ۱۶۵۔

۹۹ - آپ نے مختلف جنگوں میں شرکت فرمائی۔ جنگ عشرہ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ حضرت امام صاحب نے آپ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا :-

دشمن سے رزم و پیکار کے لیے انسانوں کی قسمیں ہوتی ہیں بعض صاحب تدبیر، بعض شجاع و دلاور اور بعض دونوں خصوصیتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد اس حقیقت کے اظہار کے لیے تھا کہ امام خاں دونوں خصوصیتوں کے جامع تھے۔

۱۰۰ - صحیح بخاری - کتاب المغازی - باب غزوة موتہ من ارض الشام

۱۰۱۔ رسالدار عبدالحمید خاں ٹونک میں ممتاز عہدے پر فائز تھے آپ نے جھلانہ میں سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی تمام لڑائیوں میں شریک رہے جنگ زیدہ کے بعد جب کسی مستقل رسالدار کی ضرورت محسوس ہوئی تو امام صاحب نے آپ کا نام تجویز فرمایا اور ارباب بہرام خاں نے تصدیق کی انتظام عشر کے سلسلہ میں آپ کا صافی سید جان کے ساتھ رہے۔ جنگ یار میں شجاعت و جوانمردی کے خوب جوہر دکھائے جس طرف باگ اٹھتے دشمن کی صفیں چیر کر رکھ دیتے۔ تین چار مرتبہ درانی لشکر میں گھسے اور تلواریں مارتے ہوئے بالکل پازنکل گئے۔ ان محلوں میں خود بھی زخموں سے چور ہوئے اسی کی گھوڑے سے بھی گر پڑے لیکن زبان سے اُفت تک نہ کی۔ وفات کے متعلق اختلاف ہے ایک روایت کے مطابق تو روایت دوسری کے مطابق پنجاب میں واصل ہوئے۔ (جماعت مجاہدین ص ۱۷۸-۱۸۱)

۱۰۲۔ حافظ عبداللطیف مولوی عبدالحق کے بھائی اور شیخ فضل اللہ کے صاحبزادے تھے اچھا اصل وطن نیونہ ضلع اناؤ تھا۔ چھتر بائی کا واقعہ کسی بدعتی نہیں بلکہ سود تدریس کا نتیجہ تھا۔ جنگ بالا کوٹ کے بعد آپ واپس آئے تھے۔ سید جعفر علی نقوی نے لکھا ہے کہ میرٹھ کی ایک مسجد میں ٹھہرے ہوئے تھے کسی نے کہہ دیا کہ یہ سید صاحب کے پاس سے جاگ کر آئے ہیں یہ سن کر آپ کو بہت غصہ آیا اور منبر پر چڑھ کر بہت گرم وعظ فرمایا جسے سن کر سب لوگ مدارات کے لیے بڑھے لیکن آپ مسجد سے باہر تشریف لے گئے اور کسی کی مدارات قبول نہ کی۔ (جماعت مجاہدین ص ۲۸۳-۲۸۵)

۱۰۳۔ سید عبدالرؤف بارہ ضلع ہشت نگر کے باشندے تھے تحریک کے آغاز میں ہی اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جنگ شید، سفر چنگلی اور جنگ اتمان زئی میں شریک رہے اتمان زئی کے تیس عالم خاں کی خرابی نیت کی پہلی اطلاع آپ ہی نے سید صاحب کو پہنچائی تھی۔

(جماعت مجاہدین ص ۲۷۱)

۱۰۴۔ سید احمد شہید ۵۸۷

۱۰۵۔ وصایا ال وزیر حصہ دوم ص ۱۰۸

۱۰۶۔ منظوم السعداء بحوالہ سید احمد شہید ص ۶۴۲

۱۰۷۔ ص ۶۴۳

۱۰۸- دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۱۳- مولانا حکیم سید عبدالحی۔ ندوۃ العلماء کھنڈ طبع اول
جون ۱۹۵۸ء۔

۱۰۹- دہلی اور اس کے اطراف ص ۱۱۸

۱۱۰- وصایا الوزیر حصہ دوم ص ۱۰۹

۱۱۱- مولانا نصیر الدین منگلور ضلع سہارنپور کے باشندہ تھے۔ ابتدائی دور سے سید صاحب کے ساتھ رہے اور آپ کی شہادت کے بعد جماعت کی مجاہدانہ سرگرمیوں کو اعلیٰ پیمانے پر قائم رکھنے کا سہرا انہیں کے سر تھا۔ آپ شجاعت اور حسن تدبیر کا پیکر تھے تقریباً ۱۸۳۸ء تک مجاہدین کی سالاری عامہ کا منصب بھی آپ کو حاصل رہا۔ فتح خاں پنجتاری کے ساتھ جنگ میں آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ سرگزشت مجاہدین ص ۱۲۳- ۱۲۸

۱۱۲- سید احمد شہید ص ۲۱

۱۱۳- منظورۃ السعداء ص ۴۳-۱۱ سید حفص علی نقوی۔ ملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

۱۱۴- ایضاً ص ۱۱۵۹

۱۱۵- سید صاحب کی مہر پر "اسمہ احمد" اور امام صاحب کی مہر پر "واذکے فی الکتاب اسمعیل" کے الفاظ کندہ تھے۔

۱۱۶- سید احمد شہید بحوالہ وقائع احمدی جلد ۳ ص ۸۳-۸۴

۱۱۷- سید احمد شہید ص ۳۸

۱۱۸- آپ مولانا عبدالحی کے چچا زاد یا علاقائی بھائی تھے۔ آپ علم و تقویٰ کے اعتبار سے بہت

بلند پایہ تھے نھر میں سید صاحب کی جب ملاقات کی تو فوراً بیعت کر لی۔ آپ مختلف فنون میں باکمال ہونے کے باعث غازیوں کی تربیت بھی فرمایا کرتے تھے پنجتار کے قریب ایک گاؤں قائم خیل میں آپ نے گولے ڈھالنے کا ایک کارخانہ بنایا ہوا تھا سید صاحب کی مجلس شوریٰ کچھ بھی اہم رکن تھے تمام فنون حرب خصوصاً نیزہ بازی میں بڑے ماہر تھے نیزہ بازی کے کچھ بیچ آپ نے سید صاحب سے بھی سیکھے۔ جنگ بالاکوٹ میں ہی جام شہادت نوش فرمایا لیکن شہادت کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی۔ جماعت مجاہدین ص ۲۳۲، ۲۳۳ وقائع احمدی۔

- ۱۱۹- تراویح ہزارہ ص ۸۷
 ۱۲۰- منظومہ السعداء ص ۱۱۹
 ۱۲۱- ایضاً حاشیہ ص ۱۱۹
 ۱۲۲- وقایع احمدی جلد ۳ ص ۲۰۹
 ۱۲۳- ایضاً ص ۲۲۵
 ۱۲۴- وقایع احمدی ج ۳ ص ۲۲۸
 ۱۲۵- سید احمد شہید ص ۷۹
 ۱۲۶- ایضاً ص ۷۹ - ۷۹۲
 ۱۲۷- طارق الاشراف
 ۱۲۸- دیباچہ " مقالاتِ یومِ شاہ اسماعیل شہید " مرتبہ عبد اللہ مدنی

باب

- ۱- حیاتِ طیبہ ص ۴۴۶ طبع سوم ۱۹۵۸ء
 ۲- حیات بعد المات
 ۳- آنحضرت النبلاء ص ۸۱
 ۴- " " " " ص ۴۱۷
 ۵- اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۷۵۳ طبع اول مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی لاہور
 نیز ملاحظہ فرمائیے برکلمان ج ۲ ص ۸۵۳
 ۶- حکایات اولیاء ص ۹۱ - ۹۲
 ۷- نواب محمد میرزا بن شاہ نظام الدین قادری نقشبندی کے حالات " علم و عمل " ص ۲۹۳
 ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیے۔
 ۸- ان سوالات و جوابات کے لیے ملاحظہ فرمائیے مجلہ اشاعت السنۃ النبویہ (لاہور) ص ۷۹
 ج ۳ ص ۷ بحیرہ سلسلہ نیز تصدیقاً مکمل البیان " ص ۱۲ - ۱۳

۹۔ مولانا حافظ عزیز الدین بن سراج الدین احمد مراد آبادی ^{۱۲۹۵ھ} میں تولد ہوئے ابتدائی کتب مدرسہ شاہی و مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں پڑھیں اور وہاں قرآن مجید بھی حفظ کیا عربی فارسی اور اردو میں اچھی مہارت رکھتے تھے توحید و سنت سے بے پناہ شغف تھا انجمن اہل حدیث و مدرسہ محمدیہ مراد آباد اور اپنے محلہ کی مسجد کے متولی و منتظم تھے علمی ذوق بہت بلند رکھتے تھے مولوی نعیم مراد آبادی کی "طبیب البیان" کے جواب میں "اکمل البیان" ایک دیوبندی حنفی کی تصحیح "المجید" کے جواب میں "مطرق الحمدید" اور علاوہ ازیں کئی دیگر بلند پایہ کتب تصنیف فرمائیں بالآخر ۸ فروری ۱۹۳۸ء (۱۳۶۷ھ) کو عمر شریف کی تہن بہاریں دیکھنے کے بعد یہ مرد مجاہد اور عاشق توحید و سنت راگڑائے عالم جاودانی ہوا۔ اکمل البیان ص ۲۷-۳۱، تراجم علاقے حدیث ہند ص ۳۳۲-۳۳۳ طبع دوم ۱۹۳۱ء۔

۱۰۔ اکمل البیان ص ۸۰۱، حافظ عزیز الدین مراد آبادی مطبوعہ "المکتبۃ السلفیۃ" لاہور

۱۱۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۴-۴۶ مطبوعہ محمد سعید انیسٹریٹ سنز کراچی۔

۱۲۔ مولانا محمد یعقوب بن مولانا محمد فضل دہلوی، دہلی میں ۲ ذوالحجہ ۱۲۰۰ھ میں تولد ہوئے آپ نے شرح جامی اور جلالین شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں اور دیگر درسی کتب کی تعلیم شاہ رفیع الدین سے حاصل کی۔ آپ کو شاہ عبدالعزیز سے علم و تصوف میں سند حاصل تھی۔ فراغت تحصیل علم کے بعد مدت تک درس و تدریس میں معروف رہے پھر برادر اکبر شاہ محمد احمق رح کی معیت میں ۱۲۵۸ھ کو مکہ ہجرت کر کے وہاں سکونت پذیر ہو گئے نواب صدیقی حسن خان، خواجہ احمد بن یسین نصیر آبادی کے علاوہ اور بھی بہت سے اہل علم نے آپ سے تلمذ حاصل کیا مکہ مکرمہ میں ہی ۲۷ ذی القعدہ ۱۲۸۲ھ کو راگڑائے ملک عدم ہو گئے ملاحظہ فرمائیے ذمہ الخواطر ج ۷ ص ۵۳۴-۵۳۵، آثار الضادہ ص ۲۷۹، واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۴۱۳

۱۳۔ مولانا نصیر الدین بن نجم الدین دہلوی، باپ کی طرف سے امام ناصر الدین حسین سونی پتی کے خاندان سے متعلق تھے اور ماں کی طرف سے شیخ رفیع الدین کے نواسہ تھے دہلی میں ولادت و نشأت ہوئی شاہ محمد احمق سے تعلیم حاصل کی، انہی کی صاحبزادی سے نکاح ہوا ۱۲۵۵ھ میں مجاہدین کے ساتھ ہجرت کی اور کچھ مدت سندھ میں رہے پھر مرکز ستھانہ میں تشریف لے آئے اور امیر المجاہدین

منتخب ہوئے ۱۲۵۶ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزمہ الخواطر ج ۷ ص ۵۰۳ سرگزشت مجددین
ص ۱۳۵-۲۱۰

۱۴- یک روزہ ص ۱ مطبوعہ فاروق کتب خانہ طان۔

۱۵- سورہ یسین آیت ۸۱

۱۶- علامہ حیدر علی ٹوکی رح دہلی میں نولد ہوئے اور بچپن میں ہی رامپور چلے گئے اور سید غلام علی
اور شیخ عبدالرحمن قہستانی و شیخ رستم علی رامپوری سے نحو اور ادب کی کتابیں پڑھیں پھر لکھنؤ جا کر شیخ
مبین بن محبت اللہ اور دہلی جا کر شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالعزیز رح سے علم حاصل کیا حکیم شریف
بن اکل سے طب سیکھی اور حضرت سید صاحب سے تصوف میں فیض حاصل کیا تحصیل علم کے بعد آپ
درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ نواب وزیر الدولہ دہلی ٹونک نے بہت سے امور آپ کے سپرد کر دیے
تھے بہت سے لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا آپ کی تصنیفات میں "صیانتہ الاناس عن دوسرہ
الخناس" اور "رسالہ فی اثبات رفع الیدین" مشہور ہیں۔ آپ امام صاحب کی مدافعت میں لکھا کرتے
تھے بالآخر برس کی عمر میں ۱۲۷۳ھ کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ نزمہ الخواطر ج ۷ ص ۱۵۳-۱۵۴
۱۷- مولانا سراج الدین بجنوری لکھنؤی بہت بڑے عالم تھے آپ نے مولانا خیر آبادی اور مرزا
محسن علی لکھنؤی سے علم حاصل کیا فراغت کے بعد مدت دراز تک لکھنؤ میں مسند تدریس پر فائز رہے
بہت سے اہل علم نے آپ سے علم حاصل کیا۔ مصنفات میں رسالہ "امکان نظیر البنی صلی اللہ علیہ وسلم و
اقتناعہ" خاص طور پر مشہور ہے۔ نزمہ الخواطر ج ۷ ص ۱۹۷۔

۱۸- مفتی صدر الدین دہلوی ۱۲۴۲ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے مولانا فضل امام رح شیخ رفیع الدین
اور شاہ محمد سحنی سے تحصیل علم کیا۔ آپ بہت سے علوم و فنون میں یگانہ روزگار تھے ۱۲۷۳ھ میں
حکومت انگریزی نے بغاوت کے جرم میں کپڑا لیا اور تمام مال و جائیداد کو چھین لیا تو آپ اپنے
گھر میں محصور ہو کر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ۲۵ طلبہ کے وظائف اور تعلیم کا بندوبست
کیا کرتے تھے شرح بھی کہتے تھے "منہجی المقال فی شرح حدیث لاشد الرجال"۔ "الدر المنفود
فی حکم اراة المفقود" اور بہت سے فتاویٰ آپ کی یادگار ہیں ۱۲۸۵ھ میں ۸۱ برس کی عمر میں وفات
پائی۔ نزمہ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰-۲۲۱، ایجد العلوم ص ۹۱، گلشن بے خار ص ۱۰ از نواب

مصطفیٰ خاں شیفتہ، اتحات النبلا ص ۲۶۰، علم و عمل ص ۲۷۲ ترجمہ اردو و فائز عبد القادر خاں
از محمد ایوب قادری، غدر کے چند علماء ص ۶۳ از انتظام اللہ، خم خانہ جاوید چ | از لالہ سری رام
صداقتی الحفنیہ ص ۴۸۱ از فقیر محمد، آثار الضادید ص ۲۵۲ از سر سید احمد خاں

۱۹- نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۷۶

۲۰- مولانا فضل امام خیر آبادی خیر آباد میں پیدا ہوئے، مولانا عبد الواحد سے علم حاصل کیا فراغت
کے بعد تدریس میں مصروف ہو گئے سرکار انگریزی کے خیر خواہ تھے فقہ و حدیث میں بہت کم معلومات رکھتے
تھے۔ المرقاة، تلمیخ الشفا، حاشیہ میرزا اہد، حاشیہ میرزا اہد لاجلہ آپ کی قلمی یادگاریں ہیں ہر ذی القعدہ
۱۲۴۳ھ میں خیر آباد میں وفات پائی۔

۲۱- بحوالہ اکل البیان ص ۸۰۷-۸۰۸

۲۲- ۱۰۱ بحوالہ علوم ص ۹۱۶

۲۳- ملاحظہ فرمائیے باغی ہندوستان ص ۱۱۳-۱۱۷ طبع اول ۱۹۴۷ء

۲۴- مفتی غیاث احمد بن محمد بخش کاکوروی ۹ شوال ۱۲۲۸ھ کو پیدا ہوئے سید محمد بریلوی، مولانا
حیدر علی ٹوٹکی، مولانا نور الاسلام، شاہ محمد اسحق رح اور بہت سے دیگر علماء سے تحصیل علم کیا۔ دو سال
علی گڑھ میں منصب قضا پر فائز رہے پھر چار سال تک رائے بریلی میں صدر الامین رہے انگریزی حکومت نے
آپ کو جزائر سیلون کی طرف جلا وطنی کی سزا دی مگر تقویم البلدان کا ترجمہ کرنے کی وجہ سے رائے بریلی مل گئی، رائے
کے بعد حج بیت اللہ کے لیے گئے اور آخر کار ۷ شوال ۱۲۷۹ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ "علم الفرائض"
مخصوصات الحنا، "تصدیق المسیح"، "الکلام المبین"، "شماس العمل"، "الدر النفید"، "ہدایات الاضاحی"
"ضمان الفردوس" اور "الہدیین من احادیث النبی الامین" آپ کی قلمی یادگاریں ہیں۔

۲۵- اکل البیان ص ۸۱۰

۲۶- حکایات اولیاء ص ۴۰۱-۴۰۲

۲۷- "انق المبین" میر باقرہ اماد کی یہ فلسفہ کی انتہائی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

۲۸- تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "دہلی اور اس کے اطراف" ص ۱۰۹-۱۱۰

۲۹- نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۱۲۲

۳۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "خانوادہ قاضی بدرالدولہ" ص ۳۹۳ از مولانا محمد

یوسف کوکن عمری۔

۳۱۔ مولوی فضل رسول بدایونی صفر ۱۲۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ درسی کتابیں اپنے دادا عبدالمجید

سے پڑھیں اور سند فراغت مولانا نور الدین کھنوی سے حاصل کی۔ مولانا سید عبدالحی نے ان

کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بڑے جھگڑالو، متعصب، مناظر، سنت کے بہت بڑے مخالف اور بد

کے شدید اہل حق کے دشمن اور دنیا پرستی کے دوست تھے۔ آپ سرکار انگریزی کے ملازم اور

بعض ویسی ریاستوں کے وظیفہ خوار تھے آپ کے رشحاتِ ظلم بھی انگریزی سرکار کے پرسوں میں چھپتے

تھے۔ نزہتہ الخواصر ج ۷ ص ۳۷۷-۳۷۸، اکمل التاریخ (ان کی سوانح عمری مرتبہ منشی محمد یعقوب

حسین بدایونی) تذکرہ ملاٹے ہند ص ۳۸۱۔ طبع کراچی۔

۳۲۔ مولوی احمد رضا خاں ۱۲۷۲ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے، انہوں نے نزعی اور

اختلافی مباحث میں چھوٹی بڑی کئی کتابیں لکھیں جن میں نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت

کی وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارہویں، عرش، تصور شیخ، قیام، میلاد، استمداد اند

غیر اللہ مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیا اللہ وغیرہ کے قائل ہیں۔ مولوی صاحب ۱۳۴۰ھ کو

فوت ہوئے۔

۳۳۔ انوار آفتاب صداقت ص ۵۳۸-۵۴۰ از قاضی فضل احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۵۱ء

۳۴۔ تاریخ دہلی ص ۳۹

۳۵۔ اکمل البیان ص ۱۷

۳۶۔ سیرت سید احمد شہید ص ۳۵۷-۳۵۸ طبع دوم

۳۷۔ "نصیحة المسلمین" توحید و سنت کی تائید میں مشہور رسالہ ہے اور اس کے مصنف پر

بیچے نوٹ دیا جا چکا ہے۔

۳۸۔ سورہ آل عمران آیت ۱۰۴ ترجمہ یہ ہے

اور دیکھو! ضروری ہے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی باتوں

کی طرف دعوت دینے والی ہو، وہ نیکی کا حکم دے، بُرائی سے روکے اور

۵۳ - شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۷۵ - ۷۶ از مولانا عبید اللہ سندھی
مطبوعہ سندھ سالگرہ اکادمی لاسور۔

۵۴ - حارق الاشرار ص ۲۸ - ۳۸ از جناب شیخ فتح اللہ حق بہ تعویث الایمان مطبوعہ
فاروقی کتب خانہ ملتان۔

۵۵ - سلسلۃ العسجد ص ۱۰۶ نمبر ۵۲۵

۵۶ - موجِ کوثر ص ۳۹ - ایڈیشن ہشتم ۱۹۶۸ء

۵۷ - تعویث الایمان ص ۲۹ مطبوعہ المجدیث اکادمی لاسور ۱۹۷۳ء

۵۸ - آبِ حیات ص ۲۶ - مولانا محمد حسین آزاد طبع سہت دہم ۱۹۵۷ء

۵۹ - ہندوستان میں وہابی تحریک ص ۳۶۰ مصنف ڈاکٹر قیام الدین احمد مترجمہ پروفیسر محمد مسلم

عظیم آبادی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء۔

۶۰ - تاریخ ادب اردو ص ۳۴

۶۱ - مولانا محی الدین احمد قصوریؒ - میاں محمود علی قصوری کے برادرِ اکبر اور مولانا عبد القادر قصوری

کے صاحبزادے تھے آپ معروف دینی راہنما تھے۔ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ تبلیغِ اسلام میں گزارا
تحریکِ پاکستان اور اس سے قبل کی کئی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کئی کتابوں کے مصنف اور
صحافت و دعوتِ تبلیغ کے بانی تھے مرحوم نے ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء بروز اتوار بوقت صبح انتقال فرمایا۔

۶۲ - دیباچہ "تذکیر الاخوان"

۶۳ - ترجمہ از مقدمہ صراط المستقیم

۶۴ - سیرت سید احمد شہید ص ۳۲۴ - ۳۲۵ از مولانا سید البر الحسن علی ندوی۔

۶۵ - نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۲۱

۶۶ - ص ۴۶۱

۶۷ - افسوس کہ "غالب نامہ" یادگار شبلی" "آبِ کوثر" "رودِ کوثر" "موجِ کوثر" - مسلم انڈیا

انٹرویو برتھ آف پاکستان - "الچجرل ہیرٹیک آف پاکستان" اور کئی دیگر کتب کے مصنف جناب شیخ

محمد اکرام ایم اے، ڈی لٹ، اکیڈمک ڈائریکٹر ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاسور، ۱۷ جنوری ۱۹۷۳ء کو

انتقال فرمائے۔ حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ "المعارف" لاہور، ج ۶ شماره ۲-۳ فروری
مارچ ۱۹۷۳ء۔

۶۸- موج کوثر ص ۲۰-۲۱

۶۹- عبققات ص ۳- مجلس علمی کراچی زمستان ۱۳۸۸ھ

۷۰- " " " ۶ " " " "

۷۱- " " " ۲۲۰-۲۲۱

۷۲- آثار الصنادید ص ۲۷۲

۷۳- حالات کے لیے ملاحظہ فرمائیے "حیات عبدالحی" از مولانا ابوالحسن علی ندوی، دہلی اور
اس کے اطراف" از حکیم سید عبدالحی رح

۷۴- نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۵۹

۷۵- منصب امامت ص ۹۸

۷۶- " " " ۹۶

۷۷- " " " ۹۷

۷۸- " " " ۱۱۳ مطبع فاروقی دہلی۔

۷۹- مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ص ۲۹

۸۰- ایضاح الحق ص ۳- کتب خانہ رحیمیہ دیوبند

۸۱- اتحاف النبلاء المتقین ص ۲۳

۸۲-

۸۳- تنزیہ العینین

۸۴- حضرت شاہ مخصوص اللہ صاحب علم و فضل بزرگ تھے ساری زندگی درس و تدریس میں

بسر فرمائی آخر عمر میں سنہ تدریس کو خیر یاد کہہ کر گوشہ نشین ہو گئے تھے ۱۳ رزی الحجرت ۱۲۷۱ھ کو وفات

پائی۔ نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۸-۲۶۹ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ص ۵۸۹،

آثار الصنادید ص ۲۶۸-

۸۵۔ حضرت امام الہند سیاست ہی میں عبقری نہ تھے، علم میں بھی کامل اور کلام کے بادشاہ تھے۔ خطابت میں جلال و جمال کی حسین آمیزش، طرزِ نگارش و الہانہ بھی اور عالمانہ بھی اس میں نقل بھی اور عقل بھی؛ تاہم کن ہے کہ قلبِ سلیم اس سے اثرِ حقیقی قبول نہ کرے آپ نے ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو ۲ بجے رات کے مبارک وقت میں ہر مقامِ دہلی داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

-۸۶

۸۷۔ اتحاف النبلا ص ۲۴

۸۸۔ الحیات بعد الممات ص ۱۹۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۹ء

باب

۱۔ سورہ لقمان آیت ۱۳

۲۔ تقویۃ الایمان ص ۴۳، المحدثین اکادمی لاسور مطبوعہ فروری ۱۹۷۳ء

۳۔ آلِ عمران آیت ۱۲۳

۴۔ محارف المعارف ص ۴۵

۵۔ روض الریاضین۔

۶۔ فوائذ القوادس ص ۶۱

۷۔ فتوح الغیب مقالہ ۱۷

۸۔ مکتوبات قدوسی، مکتوب صد و پنجاہ و نہم ص ۳۱۳

۹۔ فتوحاتِ مکہ ص ۶۰۰

۱۰۔ مکتوبات ج اص ۱۲۵

۱۱۔ تقویۃ الایمان ص ۶۷-۶۸ المحدثین اکادمی لاسور، ۱۹۷۳ء

۱۲۔ الطیب البیان ص ۳۴۵ مطبوعہ کراچی ۱۹۵۶ء

-۱۳

۱۴۔ تفسیر کبریٰ ج ۶ ص ۳۳۰ طبع اول، مصر ۱۳۰۸ھ

- ۱۵- مکتوبات شیخ یحییٰ مینیری
- ۱۶- تقویۃ الایمان ص ۱۱۰- ۱۱۱
- ۱۷- صحیح بخاری
- ۱۸- صحیح مسلم
- ۱۹- اطیب البیان ص ۲۳۳ طبع ششم - کراچی ۱۹۵۶ء
- ۲۰- تقویۃ الایمان ص ۱۱۶
- ۲۱- " " " "
- ۲۲- مثنوی سلک نور ص ۱۸ مطبوعہ لاہور ۱۳۲۰ھ
- ۲۳- صراط مستقیم
- ۲۴- استبہا فی اسناد حدیث رسول اللہ ص ۵۸
- ۲۵- تفرید التوحید ص ۴۶
- ۲۶- اخبار الاخیار ص ۱۹۱
- ۲۷- بہار شریعت حصہ سوم ص ۱۶۱
- ۲۸- " " " " ص ۱۰۵
- ۲۹- فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۶۷
- ۳۰- تحریک آزادی فکر ص ۲۹ - مطبوعہ ۱۶ جون ۱۹۶۹ء
- ۳۱- اطیب البیان ص ۳۳۳ طبع ششم ۱۹۵۶ء
- ۳۲- تقویۃ الایمان ص ۲۵ - مطبوعہ ۱۹۷۳ء لاہور
- ۳۳- " " " " ص ۱۱۹- ۱۲۰
- ۳۴- " " " " ص ۱۱۲
- ۳۵- مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۴۶۹
- ۳۶- سورہ زمر آیت ۳۰
- ۳۷- صحیح بخاری

۳۸ - صحیح بخاری

۳۹ - جیسا کہ مروی احمد رضا خاں نے ذکر کیا ہے ملاحظہ فرمائی رضویہ ج ۱ ص ۱۶۰

۴۰ - الطیب البیان ص ۲۵۵

۴۱ - ملاحظہ فرمائیے . ۲۵ - ۳۰۵

۴۲ - تقویۃ الایمان ص ۶۷

۴۳ - سورہ یونس آیت ۱۸

۴۴ - تفسیر کبیر ج ۲ ص ۵۵۲

۴۵ - سورہ بقرہ آیت ۲۵۵

۴۶ - سورہ یونس آیت ۳

۴۷ - سورہ مریم آیت ۱۰۹

۴۸ - تقویۃ الایمان ص ۷۰

۴۹ - برکات الابدان ص ۸

۵۰ - بہار شریعت حصہ اول ص ۲۲

۵۱ - شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان رحمہ اللہ میں نجد کی بستنی عینیہ میں تولد ہوئے جب آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی تو دوعیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے امیر محمد بن سعود نے رحمہ اللہ میں آپ کی اطاعت کر لی۔ امام موصوف صاحب علم بزرگ تھے آپ کا طبعاً دینی قیادت کی طرف رجحان تھا۔ آپ کی ساری زندگی دعوت و تبلیغ اور رد و شرک و بدعت میں گزری۔ تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور کتاب التوحید ہے۔ جس طرح ہندوستان کے خوش فہموں میں امام محمد اسماعیل شہید کی "تقویۃ الایمان" بدنام ہے اسی طرح عرب و عجم کے اکثر "خوش عقیدہ" لوگوں میں کتاب التوحید بھی مستحسن نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی اس کتاب کی کئی شروحات لکھی گئی ہیں علاوہ ازیں (۲) کتاب الشبہات من التوحید (۳) الاصول الثلاثہ وادلتھا (۴) شروط الصلاة وادکائھا (۵) اربع قواعد (۶) اصول الایمان (۷) کتاب فضل الاسلام (۸) کتاب الکبائر (۹) نصیحة المسلمین (۱۰) ستۃ مواضع من السیرة (۱۱) تفسیر الفتوح (۱۲) مسائل الجاہلیۃ (۱۳) تفسیر الشہادۃ (۱۴) تفسیر علی بعض سور القرآن (۱۵)

مراجع و ماخذ

- ۱- آب حیات : مولانا محمد حسین آزاد، طبع ہفت دہم ۱۹۵۷ء
- ۲- ابجد العلوم، حضرت نواب سید صدیق حسن خاں، مطبع صدیقی بھوپال، ۱۲۹۶ھ
- ۳- اتحاد النبلاء المتقین، با حیا، حضرت نواب سید صدیق حسن خاں
 آثار الفقہاء المحدثین : مطبع نظامی کانپور، ۱۸۷۱ء
- ۴- آثار القنادید، سر سید احمد خاں، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی، ۱۹۶۶ء
- ۵- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبع اول، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- ۶- اشاعت السنۃ النبویہ، ش ۳، ج ۷، مجریہ ۱۸۸۴ء
- ۷- اکمل البیان، حافظ عزیز الدین مراد آبادی، المکتبۃ السلفیۃ لاہور
- ۸- اکمل التاریخ، مولوی محمد یعقوب ضیا، قادری، عثمانی پریس بدایوں، ۱۹۱۶ء
- ۹- التاج المکمل، حضرت نواب سید صدیق حسن خاں
- ۱۰- الحیات بعد الممات، قاضی فضل حسین، کراچی
- ۱۱- العلم الخفاق من علم الاشتقاق، حضرت نواب سید صدیق حسن خاں
- ۱۲- المعارف، ماہنامہ، لاہور، ج ۶، ش ۲، مجریہ ۳ مارچ ۱۹۷۳ء
- ۱۳- الیانح الجنی، شیخ محسن بن یحییٰ ترمذی، جید برقی پریس دہلی، ۱۳۴۹ھ
- ۱۴- انوار آفتاب صداقت، قاضی فضل احمد، لاہور، ۱۹۵۱ء
- ۱۵- ایضاح الحق الصدیح، حضرت امام محمد اسماعیل شہید
 فی احکام المیت والفریح، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند
- ۱۶- باغی ہندوستان، مولانا محمد عبدالشاہ شردانی، مدینہ پریس بجنور، ۱۹۴۷ء
- ۱۷- پاکستان میں فارسی ادب، ڈاکٹر ظہور الدین احمد

- ۴۰۔ حیاتِ عبدالمحییؒ : مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ،
- ۴۱۔ حیاتِ ولیؒ ، شیخ رحیم بخش دہلوی ، افضل المطابع دہلی
- ۴۲۔ خانوادۃ قاضی بدرالدولہ ، مولانا محمد یوسف کوکن عمری
- ۴۳۔ خم خانہ جاوید : لالہ سری رام ، دہلی ، ۱۹۱۷ء
- ۴۴۔ دہلی اور اس کے اطراف ، مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ ، ندوۃ العلماء لکھنؤ ، جون ۱۹۵۸ء
- ۴۵۔ رحیق (ماہنامہ) لاہور ، مجریہ نومبر ۱۹۵۷ء
- ۴۶۔ رود کوثر ، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ، لاہور ، ۱۹۵۸ء
- ۴۷۔ سرگذشتِ مجاہدین : مولانا غلام رسول مہر
- ۴۸۔ سلسلہ مسجد : حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ
- ۴۹۔ سلیم التواریخ ، صوفی اکبر علی ، جالندھر ۱۹۱۹ء
- ۵۰۔ ستیہ احمد شہیدؒ ، مولانا غلام رسول مہر ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور
- ۵۱۔ سیرت سید احمد شہیدؒ ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- ۵۲۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک : مولانا عبید اللہ سندھی ، سندھ ساگر اکادمی لاہور ۱۹۵۲ء
- ۵۳۔ صحیح بخاری : امام محمد بن اسمعیل بخاریؒ
- ۱۵۴۔ صحیح مسلم : امام مسلمؒ
- ۵۵۔ عبقیات ، حضرت امام محمد اسمعیل شہیدؒ ، مجلس علمی کراچی ، ۱۹۸۰ء
- ۵۶۔ علم و عمل (دو قانع عبدالقادر خانی) ترجمہ مولوی معین الدین افضل گڑھی ، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی
- ۵۷۔ علماء ہند کا شاندار ماضی :
- ۵۸۔ عوارف المعارف :
- ۵۹۔ قدر کے چند علماء : انتظام اللہ
- ۶۰۔ فتاویٰ رشیدیہ : مولانا رشید احمد گنگوہی ، محمد سعید اینڈ سنز کراچی
- ۶۱۔ فتاویٰ عزیزی ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ، مطبوعہ مجتہبائی
- ۶۲۔ فتاویٰ ندیریہ ، شیخ الکل ، حضرت میاں ندیر حسین محدث دہلویؒ ، اہل حدیث اکادمی لاہور ۱۹۵۱ء

۶۳- فتوح الغیب : حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۴- فتوحاتِ مکیہ : شیخ ابن عربیؒ

۶۵- فوائد الفوائد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاء) امیر حسن سنجری، نول کشور پریس لکھنؤ

۶۶- کالا پانی : مولانا محمد جعفر تھانی سرگئی / ترتیب محمد سرور طارق، طارق اکیڈمی، فیصل آباد

۶۷- کلام شاہ اسماعیل شہید : ترتیب محمد خالد سیف، طارق اکیڈمی، فیصل آباد

۶۸- لائیڈن انسائیکلو پیڈیا آف اسلام : طبع اول ڈاکٹر محمد شفیع کامقہ

۶۹- مثنوی سکب لور : حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۰ھ

۷۰- محمد بن عبد الوہاب، ایک مظلوم اور بدنام مصلح، مولانا مسعود عالم ندوی، طارق اکیڈمی فیصل آباد

۷۱- مخزن احمدی : رقمی نسخہ مملوکہ لائبریری آف پنجاب یونیورسٹی، لاہور

۷۲- مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں : مرتبہ محمد عمران خان ندوی، مطبوعہ معارف پریس اعظم لکھنؤ

۷۳- مکاتیب شاہ اسماعیل شہید :

۷۴- مکاتیبِ شبلی

۷۵- مکتوباتِ سید احمد شہید : نفیس اکیڈمی، کراچی

۷۶- منصبِ امامت : حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید، آئینہ ادب - لاہور

۷۷- منظومۃ السوط : سید جعفر علی نقوی، مملوکہ لائبریری آف پنجاب یونیورسٹی لاہور

۷۸- نزہۃ الخواطر : مولانا حکیم سید عبدالحمید

۷۹- واقعاتِ دارالحکومتِ دہلی : مولوی بشیر الدین احمد شمس پریس آگرہ، ۱۹۱۹ء

۸۰- وصایا الوزیر :

۸۱- ہمارے ہندوستانی مسلمان ڈاکٹر ہنٹر کی OUR INDIAN MUSLAMANS کا اردو ترجمہ

۸۲- ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک : مولانا مسعود عالم ندوی

۸۳- ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات : مولانا ابوبحیی امام خاں نوشہروی، مکتبہ ندیریہ، لاہور

۸۴- ہندوستان میں وہابی تحریک : ڈاکٹر قیام الدین، مترجم پروفیسر محمد مسلم عظیم آبادی، نفیس اکیڈمی کراچی

۸۵- یک روزہ : حضرت امام محمد اسماعیل شہید، فاروقی کتب خانہ، ملتان



”اگرچہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ترک تازیوں کا سلسلہ
 پہلی صدی ہجری کے آخر ہی سے شروع ہو گیا تھا اور
 تیرہویں صدی تک جاری رہا لیکن چند غیر معروف
 مستثنیات کی گنجائش رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے
 کہ صحیح معنوں میں اسلامی جہاد اس سرزمین پر صرف
 ایک ہی مرتبہ ہوا تھا اور یہ وہی جہاد تھا جس کے
 امیر حضرت سید احمد بریلوی اور سپہ سالار حضرت
 شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ تھے
 دنیوی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان
 میں مسلمانوں کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا واقعہ کچھ پبلی
 عظیم الشان فتوحات اور سلطنتوں کے مقابلے
 میں اتنا حقیر نظر آتا ہے گویا پہاڑ کے سامنے ایک
 رائی کا دانہ ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے
 تو اس ملک میں اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ سب
 سے زیادہ درخشاں ہے“

سید ابوالاعلیٰ مودودی



بہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان ہی آں گفتار میں کردار میں اللہ کی بُرہان
قباری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤں کے دل جس سے دل بجائیں وہ طوفان
اقبال

